150

چونکا دینے والی کتاب

ہندوستان میں تاریخ کا قتل

(بھارت میں پڑھائی جانے والی درسی کتب میں مسلمانوں کے خلاف زہریلا مواد)

چونکا دینے والے انکشافات

بھارت میں
تاریخ کا قتل

(بھارت میں پڑھائی جانیوالی درسی کتب میں مسلمانوں کے خلاف زہریلا مواد

یہ کتاب پہلی مرتبہ بھارت میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ نے شائع کی۔ پبلشر اور مصنفین کے شکریہ کے ساتھ صبیح پبلشرز لاہور یہ کتاب من و عن شائع کر رہا ہے۔ کتاب میں شائع ہونے والا تمام مواد بھارتی محققین کی تحقیق پر مبنی ہے۔

بھارت میں تاریخ کا قتل

بھارت میں پڑھائی جانیوالی درسی کتب میں مسلمانوں کے خلاف

زہریلا مواد

صبیح پبلشرز
سیکنڈ فلور، سید پلازہ، چیٹرجی روڈ، اردو بازار، لاہور فون: 7248791
Email: SabeehPublishers@yahoo.com

نام کتاب: بھارت میں تاریخ کا قتل
مینجنگ ڈائریکٹر: کرنل (ر) سید معجز رضا
قیمت: 180 روپے
سال اشاعت: 2003ء
پبلشرز: صبح پبلشرز سید پلازہ، چیٹر جی روڈ، اردو بازار لاہور۔ فون: 7248791
پرنٹرز: ندیم یونس پرنٹرز، ریٹی گن روڈ لاہور

پبلشر نوٹ:

''بھارت میں تاریخ کا قتل'' چونکا دینے والے تحقیقی مقالات پر مبنی کتاب ہے۔ اور کتاب کے مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک سیکولر ملک ہونے کے باوجود بھارت میں سرکاری طور پر مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ کتنا تضحیک آمیز رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔

بھارت میں مختلف جماعتوں میں پڑھائی جانیوالی درسی کتب میں مسلم مفکرین' فاتحین' علماء اور سلاطین کے بارے میں زہریلا مواد شامل ہے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کی شاندار تاریخ کو مسخ کرنا اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا ہے۔ ان درسی کتب کے پڑھنے کے بعد کوئی بھی بھارتی ہندو مسلمانوں کے بارے میں اچھے جذبات و خیالات نہیں رکھ سکتا۔ وہ یقیناً بھارتی مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھے گا۔ احمد آباد' ممبئی' گجرات اور درجنوں دوسرے شہروں میں مسلمانوں کا قتل عام اس بات کا ثبوت ہے۔ قیام پاکستان کے بعد انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ نام نہاد سیکولر بھارت میں یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا کچھ معلوم نہیں' ان درسی کتابوں میں شامل مواد کا سیدھا سا مقصد یہی نظر آتا ہے کہ مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف نفرت پیدا کی

جائے۔

اس وقت دونوں ملکوں کے رہنماؤں' دانشوروں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی آمدورفت کا سلسلہ جاری ہے۔ پاک بھارت دوستی اور تعلقات بہتر بنانے کی باتیں ہو رہی ہیں لیکن یہ تعلقات اس وقت تک بہتر نہیں ہو سکتے جب تک بھارت میں مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف نفرت پھیلانے کی سرکاری مہم ختم نہ کر دی جائے۔ اس کتاب میں شامل مقالات بھارتی دانشوروں اور اساتذہ کے لکھے ہوئے ہیں ہم پاکستان میں یہ کتاب ادارہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کے شکریہ کے ساتھ من وعن شائع کر رہے ہیں۔

فہرست

ڈاکٹر ظفر الاسلام
علی گڑھ

تاریخ کی درسی کتابیں اور فیروز شاہ تغلق

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری (پٹنہ) کے زیر اہتمام ۲۲،۲۴ مارچ ۱۹۸۸ء کو عہد وسطیٰ کی ہندوستانی تاریخ سے متعلق مخطوطات پر جنوبی ایشیائی نیشنل سیمینار منعقد ہوا۔ اس سیمینار کے دو اجلاس مختلف اسکولوں کی تاریخی درسیات کے تنقیدی جائزے کیلئے مخصوص تھے، جن کے بارے میں عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے تئیں ہندوؤں میں نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ اس مخصوص اجلاس میں ملک کے مختلف اداروں کے مندوبین کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹر جمال محمد صدیقی، ڈاکٹر افضال حسین اور جناب ارشد الاسلام شریک ہوئے۔ سیمینار کے عام موضوع کی مناسبت سے میرا مقالہ عربی کے ایک تاریخی مخطوطہ پر تھا لیکن تاریخی درسیات سے دلچسپی کی وجہ سے میں اس کے مخصوص اجلاس میں بھی شریک رہا اور اس موضوع پر متعدد مقالہ نگاروں کی تحقیقات اور ان پر بحث و مباحثہ سے مستفید ہوا۔ اس سیشن میں پیش کیے جانے والے مقالات سے دو باتیں خاص طور سے اُبھر کر سامنے آئیں۔ اول یہ کہ درسی کتابوں کے تاریخی اسباق کے مطابق عہد وسطیٰ کے وہ مسلم حکمراں زیادہ متعصب تنگ نظر اور فرقہ پرست واقع ہوئے تھے جو دینی میلانات اور مذہبی رجحانات کے لیے معروف تھے۔ اس کا بخوبی اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان درسی کتابوں سے منافرت پھیلانے والے جو اقتباسات بطور مثال پیش کیے گئے تھے ان میں سے بیشتر کا تعلق فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ - ۱۳۸۸ء) اور اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۶-۱۷۰۷ء) سے تھا۔ دوسرے یہ کہ مذہب کی پابندی یا اسلامی شریعت کی پیروی اور تعصب و تنگ نظری میں گہرا رشتہ ہے۔ اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ ان درسی کتابوں میں پہلے ان مسلم بادشاہوں کو شریعت کا متبع اور اسلام کا نمائندہ بتایا گیا ہے اور پھر ہندو عوام کے ساتھ ان کی ظلم و زیادتی کی "مفروضہ" کہانی اس انداز میں پیش کی گئی ہے کہ یہ ایک دوسرے کے لازم و ملزوم معلوم ہوتے ہیں۔

تاریخی حقائق کی روشنی میں غور کیا جائے تو مذکورہ دونوں باتیں بے بنیاد اور غلط ثابت ہوں گی۔ اس میں شبہ

نہیں کہ سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ فکری و نظری طور پر اسلامی شریعت کی بالادستی کے قائل تھے اور ان کے یہاں ظاہری طور پر شریعت کا احترام اور شرعی قوانین کا پاس و لحاظ پایا جاتا تھا، لیکن یہ کہنا خلاف واقعہ ہوگا کہ ان کی شخصی و عوامی زندگی صحیح معنوں میں اسلامی تعلیمات کی عکاسی تھی یا یہ کہ ان کا نظم حکومت شریعت کے عین مطابق تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی حکومت کا نظام شاہانہ تھا اور سیاست و حکومت کی دنیا میں ان کے پیش نظر مختلف عوامل (مذہبی تقاضے، خاندانی روایتیں، سیاسی مصلحتیں، انتظامی ضروریات اور مقامی حالات) ہوتے تھے جو ان کی کارکردگی کی راہ متعین کرتے تھے۔ ان میں سے کس عامل کو کس معاملے میں ترجیحی مقام حاصل ہوتا تھا۔ اس کا فیصلہ موقع و محل کی مناسبت اور سلطان کی صوابدید پر منحصر تھا۔ اس لیے اگر کوئی اُن کے ہر ایک عمل کو اسلام سے منسوب کرے یا ان کے جملہ اقدام کو اسلامی تعلیمات کا مقتضی قرار دے تو اسے کیسے حق بجانب کہا جاسکتا ہے۔ تاریخ کی درسی کتابوں میں ایک جانب مسلم حکمرانوں سے بہت سی ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو ان کے عہد میں انجام پذیر نہیں ہوئیں۔ دوسری جانب برادران وطن کے ساتھ ان کے روا و ناروا ہر نوع کے سلوک کو اس طور پر پیش کیا گیا ہے کہ یہ تمام تر بربنائے تقاضائے اسلام تھا۔ اسی بات کی وضاحت کیلئے یہاں تاریخی مآخذ کی روشنی میں فیروز شاہ کی بابت درسی کتابوں کے بیانات کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا جائے گا۔ اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ کس طرح تاریخی واقعات کو توڑ مروڑ یا بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے تاکہ معصوم بچوں کے ذہنوں میں مسلم حکمرانوں بالخصوص مذہبی رجحان رکھنے والوں کی ایک بھیانک تصویر جم جائے اور مسلمانوں کے تئیں نفرت و عداوت کا احساس بیدار ہو جائے۔

درسی کتابوں میں فیروز شاہ کے جس اقدام کو سب سے زیادہ اہمیت و شہرت دی جاتی ہے، وہ ہندوؤں پر جزیہ کا نفاذ ہے۔ اسے ایک زائد مالی بوجھ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس انداز میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے کہ فیروز شاہ نے ہندستان میں پہلی بار یہ قانون لاگو کیا۔ یہاں اس کی گنجائش نہیں کہ اسلام کے تصور جزیہ اور اس کی تاریخ پر روشنی ڈالی جائے لیکن یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہندستان میں یہ قانون کسی نہ کسی صورت میں فاتح سندھ محمد بن قاسم کے زمانے سے رائج تھا۔ فیروز شاہ نے اس میں صرف یہ ترمیم کی کہ اس نے برہمنوں کو بھی (جو پہلے اس سے مستثنیٰ تھے) اس کی ادائیگی کا پابند قرار دیا۔ سلطان کا یہ اقدام معاصر علماء سے مشورہ اور ان کی متفقہ رائے پر مبنی تھا کہ جملہ برہمن اپنی سماجی و معاشی مصروفیات کی وجہ سے پروہت اور معابد کے خدام کے زمرے میں شامل نہیں کیے جاسکتے جو شریعت کی رو سے جزیہ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ فیروز شاہ کے عہد میں قانون جزیہ کے اجراء کا بہت تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن اس جانب شاید ہی کبھی اشارہ کیا جاتا ہے کہ اس نے برہمنوں کے ساتھ رعایت کرتے ہوئے

شرح جزیہ میں تخفیف کی اور تمام برہمنوں پر یکساں طور پہ فی نفر دس تنکا مقرر کیا۔ فیروز شاہ کے اس اقدام کو سمجھنے کے لیے یہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اس نے شرعی قوانین کی روشنی میں انتظام محاصل میں اصلاح پیدا کرنے کی کوشش کی، صرف انھیں محاصل کی وصولی پر زور دیا جو شریعت سے ثابت ہیں اور اس نے حکومت کے ذرائع آمدنی کی تشخیص وتحصیل میں جو بے ضابطگیاں کی جا رہی تھیں انھیں رفع کیا۔ شریعت کی روشنی میں قانون جزیہ کا اجرا سلطان کی اسی مہم کا ایک حصہ تھا، نہ کہ ہندوؤں کے خلاف کوئی تعزیری اقدام یا ان کی مالی ذمہ داریوں میں اضافہ کرنا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شاید ہی کوئی درسی کتاب جزیہ کے ذکر سے خالی ہو لیکن اس کا حوالہ شاذ و نادر ہی کہیں ملتا ہے کہ سلطان نے تقریباً ۲۸ ایسے محاصل معاف کیے جو شریعت سے ثابت نہیں تھے۔ یہ محاصل زیادہ تر مقامی نوعیت کے تھے جو کسانوں دستکاروں اور مختلف پیشہ والوں سے وصول کیے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ سلطان کے اس اقدام سے ہندو و مسلم سبھی کو راحت ملی، اور اس کی یہ معافی کسی خاص طبقے تک محدود نہ تھی۔

درسی کتابیں مسلم حکمرانوں سے عمومی طور پر مندروں کا انہدام منسوب کرتی ہیں۔ فیروز شاہ کا اس ضمن میں کوئی استثنا نہیں ہے لیکن فیروز شاہ اور مذہب پسند سلاطین کے ساتھ خصوصیت یہ ہے کہ اس عمل کو ان کے دینی رجحان کا مظہر قرار دیا جاتا ہے کہ گویا یہ عمل مسلم حکمرانوں کے فرائض میں داخل ہے۔ اول تو یہ کہ بت شکنی یا منادر کی تخریب کو مذہبیت یا اسلام پسندی کا لازمہ سمجھنا اسلام کی غلط ترجمانی اور اس کے مزاج سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے احترام کی تعلیم دیتا ہے وہ کسی مسلم شہر میں حکومت کی اجازت کے بغیر ذمیوں کو منادر کی تعمیر کی اجازت نہیں دیتا لیکن قدیم منادر کے خلاف کسی اقدام کو روا نہیں سمجھتا۔ شریعت میں صرف اسی صورت میں مندر کے انہدام کی اجازت ہے جب اس کے ضابطے کے خلاف ان کی تعمیر عمل میں آئی ہو یا پھر وہ کسی سماجی و اخلاقی خرابی کے پھیلنے کا ذریعہ بن جائیں لیکن اگر کسی سلطان یا بادشاہ کے یہاں اس اصول کی خلاف ورزی ملتی ہے تو نہ تو اسے اسلام سے منسوب کرنا انصاف کا تقاضا ہوگا اور نہ اس کا دفاع صحیح ہوگا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں مندروں کے انہدام کے واقعات پیش آئے لیکن انھیں بیان کرتے وقت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کن حالات و اسباب کے تحت یہ واقعات رونما ہوئے۔ یہ مندر نیا تو نہیں تھا جو کسی مسلم شہر میں تعمیر کیا گیا۔ جنگی حالات یا فوجی مہم کے دوران اس کے ٹوٹنے کا واقعہ تو پیش نہیں آیا۔ یا یہ حکومت کے خلاف سرگرمیوں و سازشوں کا اڈہ یا غیر اخلاقی اعمال کے پھیلنے کا ذریعہ تو نہیں بن گئے تھے۔ فیروز شاہ کی بابت معاصر ماخذ کی تفصیلات سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے عہد میں زیادہ تر نئے منادر کو مسمار کیا گیا جو اسلامی ضابطے کی

خلاف ورزی میں بنائے گئے تھے۔ تغلق پور، صالح پور اور گوہانہ کے مندروں کے ضمن میں خاص طور پر یہی وجہ بیان کی گئی ہے۔ جاج نگر اور نگر کوٹ کے مندر، فوجی مہم کے دوران منہدم کیے گئے[5]۔ اور بعض مندروں کی بابت یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ اس لیے توڑے گئے کہ وہ گمراہی و بداخلاقی پھیلانے کا وسیلہ بن گئے تھے[6]۔ انھیں عوامل کے تحت فیروز شاہ کے عہد میں کچھ مندر توڑے گئے۔ ایسا نہیں ہے کہ مندروں کا انہدام اس کی بنیادی سیاسی پالیسی کا حصہ تھا۔ اس ضمن میں ایشوری ٹوپا کی یہ رائے بہت متوازن معلوم ہوتی ہے:

"فیروز شاہ نے ایک طرف اسلامی قانون کے تحت اور دوسری طرف پبلک بھلائی کے پیش نظر ان مندروں کو توڑا۔ فیروز شاہ نے عام طور سے بحیثیت سرکاری پالیسی کے مندر نہیں توڑے[7]۔"

فیروز شاہ دراصل لوگوں کی مذہبی و اخلاقی زندگی کے سدھار کا خواہاں تھا اور وہ ان تمام ذرائع کو بند کرنا چاہتا تھا جو اس کے لیے ضرر رساں تھے۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سلطان نے اسی مقصد کے پیش نظر مندروں میں عورتوں کا جانا ممنوع قرار دیا[8]۔ اور دوسری جانب مزاروں پر عورتوں کی حاضری پر پابندی عائد کی[9]۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے اوباش و بدطینت لوگوں کو غیر اخلاقی افعال میں ملوث ہونے اور مذموم حرکتیں کرنے کا موقع ملتا تھا۔ اگر اس امتناعی حکم کے پیچھے جو جذبہ کارفرما تھا اسے نہ ذکر کیا جائے یا صرف مندروں کے سلسلے میں بات کہی جائے تو یقیناً اس سے ظاہر ہوگا کہ سلطان متعصب و تنگ نظر واقع ہوا تھا۔ اور اس طرح آخرکار ہمارے فرقہ وارانہ جذبات کو بھی ہوا لگے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ فیروز شاہ نے ہندوؤں سے متعلق جو اصول و ضوابط جاری کیے یا انتظامی قدم اٹھائے وہ اس کی عام سیاسی پالیسی اور اصلاحی کوششوں کا جز تھے۔ ان سے مقصود سماجی و شہری حقوق کو سلب کرنا نہ تھا۔ سلطان کے زمانۂ حکومت میں ہندوؤں کو وہ تمام حقوق و مراعات حاصل تھے جو ذمی کی حیثیت سے شریعت کی روشنی میں انھیں ملنے چاہیے۔ تاریخی و فقہی ماخذ اس کی واضح شہادت پیش کرتے ہیں جس کی تفصیل میں جانے کا موقع یہاں نہیں ہے[10]۔

اسی طرح فیروز شاہ کے بارے میں یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ ایک کٹر سنی مسلمان تھا اور اس نے مختلف ایسے فرقوں و تحریکوں کے خلاف سخت معاندانہ رویہ اختیار کیا جو عام سنی عقاید و نظریات سے میل نہیں کھاتے تھے۔ اس ضمن میں خاص طور سے شیعہ فرقہ کا نام لیا جاتا ہے۔ فیروز شاہ نے بعض متشدد شیعوں کے خلاف جو سخت قدم اٹھایا اگر اس کے پس منظر کی وضاحت کے بغیر یا سلطان کی دینی و سماجی اصلاحات سے الگ کر کے اس واقعہ کو بیان کیا جائے تو یہ بلاشبہ سلطان کے تعصب و تنگ نظری کی کھلی ہوئی دلیل فراہم کرے گا لیکن اگر اسے اس تناظر میں دیکھا جائے کہ سلطان نے ایک صالح و معتقد

معاشرے کی تعمیر کے لیے دینی افکار و نظریات کی پرورش اور مذہبی و اخلاقی زندگی میں بگاڑ پیدا کرنے والے عقاید و خیالات کے سدباب کیلئے کوشش کی اور ان فرقوں و تحریکوں کے رہنماؤں کو قرار واقعی سزا دینے میں کسی نرمی کا ثبوت نہیں دیا جو اپنے گمراہ کن افکار و اعمال کے ذریعہ ذہنی بے راہ روی اور فکری کجی پیدا کرتے تھے[۱۱]۔ اور اگر یہ بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ اس ضمن میں اس نے اباحتی و ملاحدہ فرقے کے سرغنہ، وحدت الوجودی فلسفہ کی آڑ میں گمراہی پھیلانے والے بعض نام نہاد صوفیا، فساد عقیدہ کی دعوت دینے والے کچھ شیعہ اور فتنۂ ارتداد کو ہوا دینے والے بعض برہمن میں کوئی تفریق و امتیاز نہیں برتا[۱۲] تو اسے تنگ نظری یا کسی فرقے کی سرگرمیوں پر بیجا پابندی سے تعبیر کرنا حقائق کو مسخ کرنا ہوگا۔ فتوحات فیروز شاہی میں صاف صاف مذکور ہے کہ سلطان نے ان شیعوں کے تئیں سخت رویہ اختیار کیا جو دین کے مسلمہ عقائد کے خلاف افکار کی تبلیغ میں مصروف تھے اور لوگوں میں فکری کجروی پیدا کر رہے تھے[۱۳]۔ ورنہ جہاں تک اہل بیت سے عمومی طور پر سلطان کی عقیدت و محبت کا سوال ہے معاصر مورخ برنی کے یہ الفاظ اس پر گواہ ہیں :

> "در اخلاص اہل بیت رسول رب العالمین و در محبت خاندان خاتم النبیین گوی سبقت از بادشاہان ربع مسکون ربودہ است[۱۴]۔"

سلطان فیروز شاہ تغلق کی سیاسی و مذہبی پالیسی کے بارے میں جو غلط بیانی پائی جاتی ہے۔ اس سے قطع نظر علوم و فنون کی دنیا میں اس کی دلچسپیوں اور اس کے عہد کی سرگرمیوں کی بھی صحیح عکاسی نہیں کی جاتی۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نے صرف مذہبی علوم اور اسلامی لٹریچر میں دلچسپی لی اور اس کے عہد میں انہی علوم کی کتابوں کی تالیف و تصنیف عمل میں آئی اور یہ کہ دوسرے علوم سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا اور نہ ہی ان کی ترویج و اشاعت کی جانب اس نے کوئی توجہ دی۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان کی علمی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ بلاشبہ فقہ و فقہی علوم سے اسے خصوصی شغف تھا۔ لیکن اس کے ساتھ تاریخ، علم ہیئت و طب میں بھی اس کی دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے[۱۵]۔ عہد فیروز شاہی کی تصنیفی و تالیفی یادگاروں میں تفسیر تاتارخانی، فتاوای فیروز شاہی، فتاوای تاتارخانی، فوائد فیروز شاہی اور طرفۃ الفقہاء کا عام طور پر تذکرہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا حوالہ بہت کم ملتا ہے کہ اس کے دور میں تاریخ، طب اور ہیئت و موسیقی سے متعلق کتابیں بھی لکھی گئیں۔ جن میں بعض اسی کے نام معنون ہوئیں۔ مثلاً تاریخ فیروز شاہی، طب فیروز شاہی اور دلائل فیروز شاہی۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موخر الذکر کتاب علم ہیئت کی ایک سنسکرت کتاب کا فارسی ترجمہ ہے جسے سلطان کی ایما پر عزالدین خالد خانی نے کیا تھا[۱۶]۔ علم ہیئت سے اس کی ذاتی دلچسپی

اس سے بھی بجا طور پر واضح ہوتی ہے کہ اس نے خود ایک اسطرلاب تیار کیا تھا جو "اسطرلاب فیروز شاہی" کہلایا اور منارۂ فیروز شاہی پر نصب کیا گیا۔ سلطان نے سنسکرت کی دوسری کتابوں کا بھی فارسی میں ترجمہ کرایا اور اس طرح ہندوؤں کی علمی خدمات سے مسلمانوں کو متعارف کرایا۔ مزید براں اس کے عہد میں فن موسیقی سے متعلق جو کتاب (غنیۃ المنیہ) لکھی گئی تھی، اس میں ہندستانی موسیقی کا خصوصی تذکرہ ملتا ہے۔ علم طب کے فروغ پر اس نے کافی توجہ دی۔ اس کے زمانۂ حکومت میں اس موضوع پر نہ صرف مفید کتابیں مرتب کی گئیں بلکہ اس فن کے سیکھنے و سکھانے کا بھی اہتمام کیا گیا اور شفاخانے قایم کیے گئے جہاں مختلف امراض کے ماہرین علاج و معالجہ کی خدمات انجام دیتے تھے۔ ان حقائق سے یہ بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ سلطان کا تصور علم بہت وسیع تھا اور اسی لیے عہد فیروز شاہی کی علمی سرگرمیاں کسی خاص دائرے میں محدود نہ تھیں بلکہ مختلف جہات میں جاری ہوئیں۔ اس کے عہد میں مکاتب و مدارس کی کثرت اور مختلف علوم و فنون کی کتابوں کی تالیف و تصنیف اسی حقیقت کی غماز ہے۔ علم کی اشاعت کے لیے سلطان نے جو نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کا اعتراف "پروموشن آف لرننگ ان انڈیا" کے مصنف این۔ این لاء کے یہاں ان الفاظ میں ملتا ہے:

> "فیروز شاہ سے قبل مسلم حکمرانوں میں کوئی ایسا حکمراں نہیں گزرا ہے جس نے عوام میں علم کی ترویج کے لیے اس کے بقدر کوشش کی ہو۔"

مختلف اسکولوں اور تعلیم گاہوں کی درسی کتابوں کا المیہ یہ ہے کہ ان میں واقعات کو توڑ مروڑ کر اور حقایق کو مسخ کر کے ہندستان کے مسلم حکمرانوں کی تاریخ میں ایسی چیزوں کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ جس سے غیر مسلموں کے ساتھ ان کی دشمنی اور غیر منصفانہ روش ثابت ہو اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان باتوں کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے گویا اسلام کی تعلیم یہی ہے اور مسلم حکومت کی خصوصیات میں یہ چیزیں داخل ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نوعیت کی تاریخ نگاری سے باہمی نفرت و عداوت کے علاوہ اور کیسے جذبات پروان چڑھ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر درسی کتابوں میں عہد فیروز شاہی کے تاریخی واقعات میں جزیہ کا نفاذ، مندروں کا انہدام اور بعض فرقوں کے خلاف سخت اقدام کو نمایاں مقام دیا جاتا ہے لیکن فیروز شاہ کے جو کارنامے بلا تفریق دین و مذہب جملہ عوام کی فلاح و بہبود سے تعلق رکھتے ہیں ان کی جانب اشارہ بھی نہیں ملتا۔ کتنی درسی کتابیں ہیں جو فیروز شاہ کے بیان میں ان حقائق کو بے نقاب کرتی ہیں کہ سلطان نے اس وقت کے محدود وسائل کی روشنی میں بیروزگاری کے انسداد کی تدبیر کی۔ کوتوال کے ذریعے شہر کی حالت کے حالات کی تفتیش کی۔ اور بیکار لوگوں کی ان کی صلاحیت و استعداد کے مطابق کام پر لگایا۔ یا یہ کہ اس نے غریب خاندان کی لڑکیوں کی شادی کے لیے دیوان خیرات کے نام سے ایک مستقل محکمہ قایم کیا اور اعلان کرایا کہ جو لوگ جن کے یہاں شادی کے قابل لڑکیاں ہیں وہ اپنا نام اس محکمے کے دفتر میں درج کرائیں۔ اس محکمے کے

افسران پہلے نام درج کرانے والوں کے حالات کی تحقیق کرتے اور پھر ان میں سے ہر ایک کو اس کی حالت و ضرورت کی مناسبت سے مالی امداد مہیا کرتے۔[۲۱] اسی طرح درسی کتابوں میں شاذ و نادر ہی یہ بیان ملتا ہے کہ فیروز شاہ نے کسانوں کی بھلائی کے پیش نظر متعدد نہریں کھدوائیں۔[۲۲] محاصل کی تشخیص و تحصیل میں کسانوں کے مفاد کو ملحوظ رکھنے پر خاص زور دیا۔[۲۳] اور ان سب سے اہم یہ کہ کسانوں پر سے کروڑوں تنکوں کی معافی کا اعلان کیا جو اس کے پیش رو سلطان کے زمانے سے تقاوی کی صورت میں ان کے ذمہ واجب الادا تھے۔ اس عام معافی کا اصل سبب کسانوں کے حالات کی روشنی میں یہ احساس تھا کہ قرض کی وصولی کی صورت میں وہ زبوں حالی کا شکار ہو جائیں گے۔[۲۴] مزید براں فیروز شاہ نے تعزیری نظام میں جو اصلاحات کیں، ان میں بھی انسانی فلاح و بہبود کے علاوہ اور کوئی جذبہ کارفرما نہ تھا۔ اس زمانے میں مجرمین بالخصوص باغیوں اور ان کے حامیوں کو جو اذیت ناک سزائیں دی جاتی تھیں[۲۵] سلطان نے ان پر پابندی عائد کی۔[۲۶] اور اقبال جرم کے لیے ایذا دہی و تعذیب کا جو طریقہ رائج تھا اس نے اسے بھی ممنوع قرار دیا۔ لیکن اس نوع کے واقعات درسی کتابوں کے مرتبین کے لائق توجہ نہیں بنتے۔

مختصر یہ کہ عہد وسطیٰ کے ہندستان میں مسلم حکمرانوں نے جو اہم اقدامات کیے ان کو درسی کتابوں میں اگر صحیح سیاق و سباق میں پیش کیا جائے تو اس سے نہ صرف ان حکمرانوں کے تئیں برادران وطن کے انداز فکر میں تبدیلی پیدا ہوگی بلکہ باہمی میل جول اور بھائی چارگی کی فضا کو پروان چڑھانے میں بھی اس سے مدد ملے گی لیکن افسوس کہ اس کے برخلاف موجودہ دور میں تاریخ کی بیشتر درسی کتابیں مسلم حکمرانوں کے کردار اور ان کی سیاسی و مذہبی پالیسی کی ایسی تصویر کشی کرتی ہے کہ اس سے لامحالہ معصوم طلبہ کے دل و دماغ میں حکمرانوں اور ان کے ہم مذہبوں کے تئیں نفرت و عداوت کا احساس جنم پاتا ہے۔ ان درسیات کے جو مسموم اثرات ظاہر ہوتے ہیں، اس سے ہر دانا و بینا واقف ہے۔ اس لیے یہ از حد ضروری ہے کہ مذکورہ حقائق کی روشنی میں تاریخ کی درسی کتابوں (بالخصوص ابتدائی سطح کی) میں مناسب تبدیلی و ترمیم لائی جائے اور ان کے مسموم اثرات کو زائل کرنے کے لیے مختلف نہج سے کوشش کی جائے۔ خدا بخش لائبریری کے ڈائرکٹر ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی سربراہی میں منعقد ہونے والا یہ سیمینار اس سمت میں ایک اہم قدم تھا۔ اس میں ملک کے مختلف حصوں میں رائج تاریخ کی درسی کتابوں کا نہ صرف تجزیاتی تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا بلکہ وقت کے اس اہم موضوع پر بحث و مباحثے کے لیے آزادانہ و خوشگوار ماحول بھی فراہم کیا گیا۔

••

حواشی و مراجع

۱۔ شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۹۱ء، ص ۳۸۳۔ حنفی مسلک کے مطابق مالی اعتبار سے ذمیوں کو تین طبقوں میں تقسیم کر کے ایک متعین تناسب کے ساتھ ان پر جزیہ عائد کیا جاتا ہے۔ فیروز شاہ نے یہاں شافعی و مالکی فقہاء کی رائے کو اختیار کیا جس کے مطابق ذمیوں کی طبقاتی تقسیم ضروری نہیں، امام اپنی صوابدید سے تمام ذمی باشندوں پر جزیہ کی یکساں مقدار عائد کر سکتا ہے۔

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے، راقم کا مضمون "عہد فیروز شاہی کا نظم محاصل شرعی قوانین کی روشنی میں" تحقیقات اسلامی (علی گڑھ) سہ ماہی جنوری۔ مارچ ۱۹۸۳ء، ص ۲۸ – ۴۲۔

۳۔ فتوحات فیروز شاہی، علی گڑھ ۱۹۵۳ء، ص ۵۔ عفیف، محولہ بالا، ص ۳۷۸ – ۳۷۹۔

۴۔ فتوحات فیروز شاہی، ص ۹ – ۱۰۔

۵۔ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی ۱۹۵۸ء، ص ۴۳۷۔

۶۔ فتوحات فیروز شاہی، ص ۹ – ۱۰۔

۷۔ ایشور ٹوپا، ہندی مسلمان حکمرانوں کے سیاسی اصول، انجمن ترقی اردو علی گڑھ ۱۹۶۳ء، ص ۸۹۔

۸۔ سبحان رائے بھنڈاری، "خلاصۃ التواریخ" دہلی ۱۹۱۸ء، ص ۲۵۰۔

۹۔ فتوحات فیروز شاہی، ص ۸، ۹۔

۱۰۔ اس موضوع پر بحث راقم کے مضمون "غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت فتاویٰ فیروز شاہی کی روشنی میں" زندگی نو (شمارہ ۳) ستمبر ۱۹۸۴ء (ص ۱۷ – ۲۵) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۱۱۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون "فیروز شاہ تغلق کی دینی و سماجی خدمات"۔ تحقیقات اسلامی، ۵/۲ اپریل، جون ۱۹۸۶ء، ص ۴۶ – ۵۷۔

۱۲۔ فتوحات فیروز شاہی، ص ۶ – ۸، و عفیف، ۳۶۹ – ۳۸۳

۱۳۔ فتوحات فیروز شاہی، ص ۶۔ نیز دیکھیے سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۴۴۳ – ۴۴۴

۱۴۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۵۸۰۔

۱۵۔ "سیرت فیروز شاہی" نقل (مخطوطہ) اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، یونیورسٹی کلکشن فارسیہ اخبار ۲۱۱۔ ص ۱۳۷، ۲۹۲ – ۲۹۷، ۳۰۵، ۳۳۰۔

۱۶۔ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ ۱۸۶۸ء، ۲۴۹/۱۔ "سیرت فیروز شاہی" ص ۲۹۳۔

۱۷۔ "سیرت فیروز شاہی" ص ۹۵

۱۸۔ "فتوحات فیروز شاہی" ص ۱۵ – ۱۶، عفیف، ص ۳۵۶۔ "سیرت فیروز شاہی" ص ۲۳۵ – ۲۳۸ – ۲۴۰۔

۱۹۔ "این این لا۔ پروموشن آف لرننگ ان انڈیا۔ دہلی ۱۹۷۳ء ص ۵۶۔

۲۰۔ عفیف۔ ص ۳۳۳ – ۳۳۵

۲۱۔ عفیف۔ ص ۳۴۹ – ۳۵۱ – سیرت فیروز شاہی، ص ۲۳۸ – ۲۳۹۔

۲۲۔ برنی۔ ص ۵۶۶ عفیف ص ۱۲۷ – ۱۲۹

۲۳۔ برنی۔ ص ۵۶۲ عفیف ص ۹۳ – "سیرت فیروز شاہی" ۲۱۱ – ۲۱۲

۲۴۔ عفیف ص ۹۲

۲۵۔ "فتوحات فیروز شاہی" ص ۲۔

جناب تقی رحیم
پٹنہ

نصابی کتابوں میں فرقہ پرستی

پچھلے کئی برسوں سے خدا بخش لائبریری پٹنہ، ہمدرد فاؤنڈیشن دہلی اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے تعاون سے اہم مخطوطات پر جنوبی ایشیائی علاقائی کانفرنس کرتی چلی آ رہی ہے۔ اس سے پہلے طب، صوفیت اور اردو ادب و دانشوری سے متعلق مخطوطات پر پٹنہ، علی گڑھ اور دلی میں سیمینار ہو چکے ہیں۔ اس سال عہد وسطیٰ کی تاریخ سے متعلق مخطوطات پر ۲۲ سے ۲۶ مارچ تک پنج روزہ سیمینار خدا بخش لائبریری (پٹنہ) کی عمارت میں ہوا۔ جس کا افتتاح بہار کے گورنر شری گوبند نرائن سنگھ نے کیا۔ اس بار کے سیمینار میں خدا بخش لائبریری کے ڈائرکٹر جناب عابد رضا بیدار نے ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کی نصابی کتابوں میں فرقہ وارانہ نفرت و تعصب پیدا کرنے والی عبارتوں کا جائزہ لینے اور ان کے تدارک کی صورتوں پر غور و بحث کرنے کے لیے مخصوص نشستوں کا انتظام بھی کیا تھا اور اس کے لیے مختلف ریاستوں کے فضلا سے ان کی اپنی ریاست کی نصابی کتابوں کے متعلق خاص طور پر مقالے بھی لکھوائے تھے جو اس سیمینار میں پیش ہوئے اور ان پر کافی جاندار بحثیں ہوئیں۔

اس پنج روزہ سیمینار کی تفصیلی رپورٹ اخبارات میں آ چکی ہے۔ اور یوں بھی اس موضوع کے فنی پہلوؤں سے ناواقف ہونے کے سبب مخطوطات سے متعلق ہوئی بحث کے بارے میں ہم کوئی رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ لیکن ایک سماجی کارکن کی حیثیت سے ہمیں اس امر کا شدید احساس ہے کہ ہمارے ملک میں خاص کر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ نفرت و تعصب کا اصل سبب عہد وسطیٰ کی تاریخ کی وہ مسخ شدہ تصویر ہے جسے برطانوی سامراجیوں نے ہمارے درمیان پھوٹ ڈالنے کے مقصد سے ایک منصوبہ بند سازش کے تحت تیار کروا کر ہماری درسی کتابوں میں شامل کر دیا تھا اور آزادی کے بعد بھی ملک کی تاریخ کو صحیح صورت میں پیش کرنے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا گیا اور ہم نفرت ساز مغربی مورخوں کے پڑھائے ہوئے سبق ہی کو آج تک طوطے کی طرح رٹتے چلے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اسی احساس کے تحت ہم نے نصابی کتابوں کا جائزہ لینے والی خصوصی نشستوں میں شرکت کی اور ان پر ہوئی بحثوں پر آج اپنا خیال ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔

اصل میں انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں ہندوؤں کے دلوں کے اندر مسلمانوں کی طرف سے بدظنی پیدا

کرنے کے لیے مسلم حکمرانوں کے مذہبی جبر اور ظلم و ستم کی کچھ ایسی من گھڑت داستانیں تاریخ کی کتابوں میں بھر دیں جنہیں پڑھ کر عہد وسطیٰ کی تاریخ کا بہت ہی بھیانک اور ڈراؤنا تصور ہندوؤں کے ذہن میں قائم ہوگیا اور وہ اپنی تمام گراوٹ کا سبب مسلمانوں کو ماننے لگے۔ گرچہ تاریخ کی اس مسخ شدہ تصویر کو درست کرنے کی کوشش کچھ مسلمان فضلا کی طرف سے کی بھی گئی خاص کر مولانا شبلی نعمانی اور ان کے قائم کردہ ادارے دارالمصنفین (اعظم گڑھ) نے اس سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دیں، لیکن ان کا کام یک رخا اور صرف اردو تک محدود رہا اس لیے اس کا خاطر خواہ اثر نہیں ہو سکا۔ قومی تحریک کے شباب کے دور میں پنڈت سندر لال اور کچھ دوسرے ہندو بزرگوں نے بھی اس طرف توجہ دی تھی لیکن ہماری قومی تحریک کی احیاء پرستانہ جبلی کمزوریوں کے سبب اس کا بھی کوئی خاص اثر نہیں ہو سکا اور لوگ عام طور پر نصابی اور دوسری طرح کی تاریخی کتابوں کے ذریعہ پھیلائے گئے نفرت و تعصب کے زہر سے متاثر رہے۔ اس دوران غلامی کے دور سے لے کر آزادی کے زمانے تک درسی کتابوں میں درج دل آزار تحریروں اور ان کے ذریعہ مذہبی منافرت اور تعصب کے پھیلائے جانے کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے وقت وقت پر ایجی ٹیشن بھی ہوتے رہے۔ لیکن قومی یکجہتی کے تناظر میں اس مسئلے کو علمی انداز سے حل کرنے کی منصوبہ بند اجتماعی کوشش کا فقدان رہا۔ ہمارے خیال میں اس سمینار کے موقع پر پہلی بار اس جانب کامیاب قدم بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے جہاں عہد وسطیٰ کی تاریخ کے اساتذہ کے ملک گیر اجتماع میں اس مسئلہ پر معروضی ڈھنگ سے ٹھوس حوالوں کی روشنی میں کھل کر اجتماعی بحث ہوئی اور متفقہ طور پر کچھ سفارشات پیش کی گئیں۔

اس سمینار کے اندر نصابی کتابوں سے متعلق ہوئی مخصوص نشستوں میں بہار، مہاراشٹر، دہلی، یوپی، گجرات، آندھرا اور مدھیہ پردیش کی درسی کتابوں کے جائزے پر مشتمل الگ الگ خصوصی مقالات کے علاوہ سارے ملک کے اندر رائج نصابی کتابوں کا عمومی جائزہ بھی قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے اس سبجکٹ کے ماہر اساتذہ نے پیش کیا اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے فضلا کی ایک بڑی جماعت نے اس پر کھلے دل سے بحث کی۔ بحث میں حصہ لینے والوں میں سے ایک ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو چھوڑ کر سب کا خیال تھا کہ اس طرح کی دل آزاری باتیں ادھر چالیس برسوں کے اندر لکھی جانے لگی ہیں۔ باقی بھی لوگ اس امر پر متفق تھے کہ نصابی کتابوں میں مذہبی نفرت و تعصب کا زہر انگریزوں نے اپنی حکمرانی کے دور میں بھرنا شروع کیا تھا مگر نوآبادیاتی غلامی کے اس دور کی لعنت کا سلسلہ آزادی کے بعد بھی اب تک جاری ہے بلکہ مسٹر سوشیل سریواستو کا تو خیال ہی اس موضوع پر تھا کہ ہندوستانیوں کی نظروں میں انگریزی حکومت کو رحمت کا سایہ ثابت کرنے کے لیے جس طرح انہوں نے مسلم حکمرانوں اور ان کی حکومت کی کتنی غلط اور مسخ شدہ

تصویر اپنی مرتب کردہ تاریخ ہند میں پیش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی حکومت کے دور میں پڑھائی جانے والی تاریخ کی تمام درسی کتابیں تو اس مل کے مسخ کردہ واقعات اور زہریلے خیالات سے بھری پڑی ہیں اور اس کے منحوس اثرات آج بھی ہماری تمام نصابی کتابوں پر قائم ہیں۔

نصابی کتابوں کا جائزہ لینے والے بھی مقالہ نگاروں کو عام طور پر یہ شکایت تھی کہ محمود غزنوی، فیروز تغلق، علاؤالدین خلجی اور اورنگ زیب وغیرہ کے مظالم کو بیان کرنے میں انتہائی مبالغے سے کام لیا گیا ہے اور ان کی برائیوں کو ان کی اسلامیت سے منسوب کر کے اور ان کی ساری زبردستی اور زیادتیوں کو ہندو دشمنی سے تعبیر کر کے خواہ مخواہ مذہبی منافرت پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مذہبی رواداری پر مبنی ان کے اچھے کاموں کو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ گورنمنٹ کالج رامپور کے پروفیسر اوم پرکاش گپتا نے جماعت اسلامی کی نصابی کتابوں میں اکبر کے عقائد و کردار پر جس ناروا ڈھنگ سے حملہ کیا گیا تھا اس کا حوالہ پیش کرتے ہوئے اس متعصبانہ انداز تحریر کی شکایت کی۔

بحث میں حصہ لیتے ہوئے غلام سرور صاحب نے فرمایا کہ ہم بادشاہوں کی وکالت کیوں کریں؟ ان کی بادشاہت ہی سرے سے اسلامی حکم کے خلاف تھی پیغمبر اسلام کی عزت و حرمت پر اپنی جانیں قربان کر دینے کو ہمیں تیار رہنا چاہیے' یہ فرض ہم پر عاید ہوتا ہے اب دیکھئے ہمارے ہاتھ میں ''اندھیرے کا سین بھارت'' ہے اس میں حضور کی ذات مبارک پر ناروا حملے کئے ہیں، بھاگلپور کے ایک پروفیسر نے اسے کورس کیلئے لکھا تھا۔ اس پر ایجی ٹیشن ہوا تو بہار سرکار نے اسے ضبط کر لیا مگر مصنف نے اسے پھر شائع کر دیا ہے۔ ہو بہو کلر' اس بار اسے شریمتی اندرا گاندھی کے نام انتساب کیا ہے۔ اب کس کی مجال ہے اس کتاب کو ضبط کرنے کی؟ دھڑلے سے بک رہی ہے ستیہ رتھ پرکاش بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اس میں جو کچھ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف لکھا گیا ہے آپ اسے سن کر برداشت نہیں کر سکتے اس کتاب کی اشاعت پہلے ممنوع تھی اب پینڈ بنا دیا گیا ہے اور نہایت ہی سستے داموں فروخت ہو رہی ہے اصل میں اس طرح کے سوالات کو اٹھانا چاہئے۔

ڈاکٹر رضی احمد نے میکالے کے تعلیمی سسٹم پر چوٹ کرتے ہوئے کہا کہ جب تک تعلیم کا یہ طریقہ جاری رہے گا ہماری غلامانہ ذہنیت نہیں بدلے گی اور ہم آپس میں لڑتے رہیں گے۔ شاہد رام نگری صاحب نے کہا کہ تاریخ میں صرف بادشاہوں کے قصے درج ہیں ضرورت ہے کہ مذہبی بزرگوں کے واقعات زندگی بھی پڑھائے جائیں اس سے اسلام کی صحیح صورت سامنے آئے گی اور لوگوں کو اسلام کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ جس میں قومی یکجہتی پیدا ہوگی کیونکہ مذہبی بزرگوں نے زور زبردستی کے بجائے محبت اور بھائی چارہ کا پیغام دیا ہے۔

دوسرے دن کی نشست میں ہم نے یہ کہتے ہوئے کہ ہم کسی ٹکسٹ بک کا حوالہ پیش نہیں کریں گے بلکہ ایک ایسی شخصیت

کی تحریر کا حوالہ میں کر رہے ہیں جس کا اثر شکست عجب تیار کرنے والے بھی لوگوں کے ذہن اور دماغ پر ہے۔ وشواتھیاس کی جھلکیاں اسے حسب ذیل حوالہ پیش کیجیے:۔

(۱) اکبر کے وقت کی مذہبی رواداری اس کے لڑکے جہانگیر کے راج میں بھی جاری رہی۔ لیکن پھر یہ دھیرے دھیرے مشکل ہو گئی اور عیسائیوں اور ہندؤوں پر کچھ مظالم ہونے لگے۔ بعد میں اورنگ زیب کے راج میں مندروں کو توڑ کر اور بدنام جزیہ ٹیکس دوبارہ جاری کر کے ہندؤوں کو جان بوجھ کر ستانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ص۲۲۲

(۲) اس کے بعد آخری عظیم مغل اورنگ زیب آیا۔ وہ بڑی سادگی سے رہنے والا عابد تھا اور کٹر مذہبی تھا اور اپنے مذہب کے سوا کسی دوسرے مذہب کو برداشت نہیں کرتا تھا۔ اپنی ذاتی زندگی میں اورنگ زیب سادہ مزاج اور سنیاسی جیسا تھا۔ اس نے ارادہ کر کے ہندؤوں کو ستانے کی پالیسی چلائی۔ اس نے ہندؤوں پر جزیہ ٹیکس پھر لگا دیا جہاں تک ہو سکا ہندؤوں سے سب عہدے چھین لیے۔ اس نے ہزاروں ہندو مندروں کو توڑ ڈالا اور اس طرح سے بہت سی پرانی حسین عمارتوں کو دھول میں ملا دیا۔ ص۲۲۹

یہ حوالے پیش کرنے کے بعد ہم نے بتایا کہ پنڈت جواہر لال نہرو کی تحریر جنہیں ہم کسی طرح بھی فرقہ پرست نہیں کہہ سکتے ہیں پھر بھی اورنگ زیب کے متعلق نصابی کتابوں سے جتنے حوالے بھی یہاں پر پیش کیے گئے ان میں سے کسی سے بھی ان کی یہ تحریر کم سخت نہیں ہے۔ اس لیے جب انہیں فرقہ پرست نہیں کہا جا سکتا تو اسی طرح کی تحریر کے لیے دوسروں کو کیسے فرقہ پرست قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سے اوم پرکاش گپتا نے جماعت اسلامی کی درسی کتابوں سے جو حوالے پیش کیے ہیں اس سے کہیں زیادہ تفصیل کے ساتھ اور سخت الفاظ میں اکبر پر مولانا محمد میاں کی کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی میں حملہ کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ کتاب مولانا حسین احمد مدنی کی سرپرستی میں مرتب کی گئی اور شائع ہوئی تھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا حسین احمد مدنی دونوں قومی تحریک کے مانے ہوئے سالار اور کانگریس کے لیڈر رہتے پھر بھی تاریخ کو دیکھنے اور سمجھنے کے معاملے میں دونوں کا رویہ اتنا متضاد، در حقیقت ایک کا ہیرو دوسرے کا ویلن ہے۔

یہ معاملہ کسی بادشاہ یا اس کی حکومت کی وکالت کا نہیں بلکہ اپنی تاریخ کو ٹھیک سے جاننے اور سمجھنے کا ہے۔

اصل میں اس الجھاوے کو بڑھانے میں انگریزوں کی تفرقہ ساز سامراجی پالیسی کے سوا خود ہماری قومی تحریک آزادی کی قیادت کی کمزوریوں کا بھی کافی حصہ رہا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد قومی تحریک میں حکومت الٰہیہ کا نعرہ لگاتے ہوئے شامل ہوئے تھے اور گاندھی جی نے رام راجیہ لا رہے ہیں اس کی قیادت سنبھالی تھی۔ یہاں پر دوسرے مسلم رہنماؤں خاص کر علی برادران کا ذکر اس لیے ہم نے ضروری نہیں سمجھا کیوں کہ گاندھی جی کے ساتھ ان کا مستقبل اور شاندار

سیاسی اتحاد ان میں سے کسی کا بھی نہیں رہا جیسا مولانا آزاد کا بہرکیف مولانا آزاد کے ذہن میں حکومت الٰہیہ کا اور گاندھی جی کے ذہن میں رام راجیہ کا چاہے جتنا بھی بلند جمہوری اور سیکولر مفہوم رہا ہو مگر ان کے عام پیروؤں کا ان مذہبی اصطلاحات کی بھول بھلیوں میں گمراہ ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ مولانا آزاد کے حکومت الٰہیہ کے نعروں سے متاثر مسلمانوں کے دلوں میں اکبر کے لیے کوئی گنجائش کا پیدا ہونا ممکن نہیں تھا۔ ان کے سامنے تو زاہد مرتاض اورنگ زیب عالمگیر تاریخی طور پر آدرش حکمراں بنا رہا۔ اسی طرح سے گاندھی جی کے رام راجیہ کے نعرے کا اثر قبول کرنے والے ہندو اورنگ زیب کو کبھی بھی اچھا حکمراں تسلیم نہیں کر سکتے۔ ان کے دلوں میں تو اکبر کے لیے بھی مشکل ہی سے گنجائش نکل سکے گی وہ اپنا اصل ہیرو تو یقیناً رانا پرتاپ ہی کو مانیں گے۔ اس طرح سے تحریک آزادی کے دوران ذمہ دار قائدین کی طرف سے لگائے گئے احیاپرستانہ نعروں کی وجہ سے عہد وسطیٰ کی تاریخ اور اس دور کے حکمرانوں اور حکومت کے متعلق وطن دوست ہندوؤں اور مسلمانوں میں الگ الگ دو متضاد اور مختلف تصور قائم ہو گئے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ کا بیج انگریزوں نے بویا اور انھیں کی پرورش و پرداخت سے اس کا زہریلا پودا برگ و بار بھی لایا لیکن ملک کی عوامی زندگی کو اس کے زہر سے پوری طرح شرابور کر دیا ہماری قومی قیادت کی سیاسی حماقتوں نے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ برطانوی سامراجیوں کی ساری فتنہ انگیزیوں اور تفرقہ سازیوں اور ہمارے تمام تر سماجی نقائص کے باوجود اس صدی کی دوسری دہائی میں مذہبی اور سماجی جکڑبندیوں سے بلند ایک ایسی آزاد خیال اور ترقی پسند قومی قیادت اس ملک میں ابھر چکی تھی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کے بل پر دستوری اصلاحات کے ذریعہ مکمل خود اختیاری حکومت حاصل کرنے پر یقین رکھتی تھی اور اپنے طور پر عوام کو گروہ بند کرنے میں کافی حد تک کامیاب بھی تھی ۱۹۱۶ء کا لیگ کانگرس لکھنؤ پیکٹ، ہوم رول تحریک اور رولٹ ایکٹ کے خلاف ملک گیر ایجی ٹیشن اس کے کھلے ثبوت ہیں۔ یہ بھی ایک تسلیم شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ جلیان والا باغ کے مظالم اور خلافت کے سوال کو لے کر ۱۹ء اور ۲۰ء میں ہندو مسلم اتحاد کا جیسا روح پرور نظارہ دیکھنے میں آیا ویسا سیاسی اتحاد ہندستان کی عوام کے درمیان تاریخ کے کسی دور میں بھی نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن بعد میں عدم تعاون کی تحریک کو جس طرح سے مذہبی رنگ میں رنگ دیا گیا اس سے عوامی زندگی میں احیاپرستی کا زور بہت بڑھ گیا اور اس کا نتیجہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی سیاسی نااتفاقی کی صورت میں ظاہر ہوا جس نے متحدہ ہندستان اور متحدہ قومیت کے تصور ہی کو پارہ پارہ کر دیا۔

تاریخی مباحثہ میں اس بات پر ضرور دھیان رکھنا چاہئے کہ کوئی بھی آدمی چاہے وہ جتنا بھی عظیم اور بزرگ کیوں نہ ہو دیوتا نہیں بن سکتا۔ اس کی انسانی کمزوریاں اس کے ساتھ لگی رہیں گی اور وہ غلطیاں کرتا رہے گا۔ چنانچہ اگر اکبر

اور اورنگ زیب نے غلطیاں کیں تو گاندھی جی اور جواہر لال نے بھی کیں۔ مولانا آزاد، مولانا محمد علی اور مسٹر جناح نے بھی کیں۔ اگر سوامی دیانند سرسوتی نے غلطی کی تو سر سید نے بھی کی۔ ہمیں ان کی اچھی باتوں اور اچھے کاموں کو یاد رکھنا اور صالح روایات کو آگے بڑھانا ہے۔ لیکن ان کی غلطیوں کی کوئی تاویل کیے بغیر غلطی مان کر نظر انداز کر دینا ہے۔ اپنے رہنماؤں کی غلطیوں کا خمیازہ ہم لوگ بہت کافی بھگت چکے ہیں۔ اب ان سے سبق لے کر اس منقسم ہندوستان کے شہری کی حیثیت سے ہمیں سارے مسائل کو نئے انداز اور نئے حوصلے کے ساتھ دیکھنا چاہیے۔ اکبر اور اورنگ زیب کی حکومت نہ اسلامی حکومت تھی اور نہ مسلمانوں کی حکومت تھی۔ وہ اسی طرح محض ایک شاہی خاندان کی حکومت تھی جس طرح سے اس ملک کے اندر کبھی موریہ اور گپتا وغیرہ کی حکومتیں قائم تھیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار کرنا اپنی تاریخ کی عظمت سے انکار کرنا ہوگا کہ مغلیہ سلطنت کے دور میں ہندوستان کی ایسی ہمہ جہت ترقی ہوئی اور اسے اتنا فروغ حاصل ہوا تھا کہ اس وقت اس کا شمار دنیا کے مضبوط ترین اور خوش حال ترین ملکوں میں ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اکبر کے مقابلے میں اورنگ زیب نے سلطنت کے حدود کو بہت بڑھایا۔ اور اس کے دور میں صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت غرضکہ قومی معیشت کو ہر پہلو سے زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ کیونکہ یورپین تجارتی کمپنیوں کی بدولت ہندوستانی مال دنیا کی بھی منڈیوں پر چھا گیا تھا۔ اور عالمی بازار میں اس کی مانگ بہت بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ ساری دنیا کا سونا چاندی مختلف راستوں سے ہندوستان میں کھنچا چلا آ رہا تھا۔

مغلیہ سلاطین یا ہندوستان کے دوسرے مسلم حکمرانوں کے جبر و دباؤ، ظلم و زیادتی اور قتل و خون کے ذکر کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ اس زمانے میں تخت و تاج کا فیصلہ تلوار کے بل پر ہوتا تھا۔ اس لیے کشت و خون کا بازار ہر وقت گرم رہا کرتا تھا۔ اقتدار کے لیے یہ لڑائیاں ہندو اور مسلم حکمرانوں کے درمیان بھی ہوتی تھیں اور بسا اوقات دونوں ہی فریق ہم مذہب بھی ہوا کرتے تھے۔ لیکن ہر حالت میں لڑنے والے دونوں فریقوں کی طرف سے ہندو اور مسلمان دونوں ہی جانبازی کے لیے موجود رہتے تھے۔ اس زمانے میں سیاسی وفاداری شخصی، خاندانی، نسلی، قبائلی یا علاقائی ہوتی تھی۔ مذہبی تعلق نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ محمود غزنوی سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک جتنی لڑائیاں بھی اس ملک میں ہوئیں ان میں سے کوئی بھی لڑائی ایسی نہیں جس میں مسلمان حکمرانوں کے ساتھ ان کے ہندو سردار کٹ مرنے اور کٹانے کو موجود نہیں رہتے ہوں۔

غرضکہ عہد وسطیٰ کی تاریخ کو اس دور کے خصوصی حالات اور ان سے پیدا اس زمانے کے سیاسی اخلاق و اقدار کی روشنی میں دیکھنے سے یہ حقیقت بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اورنگ زیب، اکبر، شیر شاہ اور علاء الدین خلجی جیسے اولوالعزم

اور بلند حوصلہ مسلمان حکمرانوں نے اپنی شمشیر زنی کی قوت اور حکمت و تدبر کے جوہر و ملک گیری کی صلاحیت کی بدولت ہندستان کی عظمت کو اس طرح سے چار چاند لگایا اور اس کے اقبال کے ستارہ کو آسمانوں تک بلند کیا جس طرح سے اس سے پہلے چندر گپت ، اشوک ، سمندر گپت ، اور وکرمادتیہ جیسے باندیرا اور طوالے وصفی ہندو حکمرانوں نے اپنی ہمت و شجاعت کی بدولت کبھی اس کی عظمت کو چار چاند لگائے تھے ۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ ذاتی اقتدار اور خاندانی حکومت کے لیے ہندو اور مسلم حکمرانوں کے درمیان ہوئی اس عہد کی لڑائیوں کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی جنگ قرار دینا فرقہ پرستوں کے دماغ کا فتور اور ویسی ہی خطرناک شرارت ہے جیسے اس زمانے میں ہندو اور مسلمان امیدواروں کے درمیان ہوئے کسی انتخابی مقابلہ کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی لڑائی کہنا ۔

یہ ٹھیک ہے کہ اس زمانے کے سماجی حالات اور سیاسی اخلاقی اقدار کو دیکھتے ہوئے پرتھوی راج ، رانا پرتاپ اور شیواجی کو بھی ہندستان کی تاریخ میں ایک عزت کا مقام ملنا چاہیے پر انہیں چندر گپت ثانی کے ہم پلہ قرار نہیں دیا گیا ہے ۔ تو پھر انھیں شیر شاہ ، اکبر اور اورنگ زیب کی صف میں کیسے جگہ دی جا سکتی ہے جن کی عظمت و شوکت اور ہیبت و قوت کا دبدبہ ساری مہذب دنیا میں تھا ان کی ہمت و مردانگی اور عزم و ارادے کی مضبوطی میں کوئی کلام نہیں ۔ لیکن ایسا سمجھنا کہ وہ لوگ کسی بلند قومی یا مذہبی آدرش کے لیے لڑ رہے تھے سراسر سادہ لوحی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے سامنے خاندانی اقتدار اور ذاتی افتخار کے سوا اور کوئی مقصد نہیں تھا ۔

اور سب سے اہم بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ علاؤالدین خلجی ، شیر شاہ ، اکبر اور اورنگ زیب یا اس دور کے دلی کے دوسرے مسلم حکمراں ہندستان کے اتحاد اور اس کی عظمت و شوکت اور قوت و جبروت کی علامت تھے جبکہ رانا پرتاپ اور شیواجی وغیرہ علاقائی خودمختاری کے علم بردار تھے ۔ ہندستان کے تمام وطن دوست مدبروں اور دانشوروں کو سر جوڑ کر غور کرنا چاہیے کہ موجودہ حالات میں ان دونوں رجحانوں میں سے کس رجحان پر زور دے کر ہم ہندستان کے اتحاد کو مضبوط اور اس کی سالمیت کا تحفظ کر سکتے ہیں ۔ ہندستان کی تاریخ کے ہر دور میں یہ دونوں رجحان کام کرتے رہے ہیں ۔ کبھی ایک رجحان کا غلبہ رہا ہے اور کبھی دوسرے کا ۔ لیکن ہندستان کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اس ملک کو عظمت اور شوکت اسی وقت حاصل ہوئی جب علاقائی خودمختاری کے بے جا انتشار پھیلانے والے رجحان پر قابو پا کر اس سے متحد کیا گیا ، اور دوسری صورت میں یعنی مرکزی قوت کے کمزور کرنے پر سارے ملک میں کمزوری آئی اور پورا ملک انتشار و زوال کا شکار ہوا ۔

گرچہ اقتدار کے نشہ میں بدمست حکمرانوں کا دھیان ابھی تک اس طرف نہیں گیا ہے لیکن عام پڑھے لکھے لوگ اب نئے انداز میں سوچنے لگے ہیں ۔ اس کا احساس تو ہمیں پہلے ہی سے تھا پر اس سمینار سے ہمارے اس احساس میں

اور بھی مضبوطی آئی۔ چنانچہ بحث میں حصہ لیتے ہوئے ڈاکٹر برج راج دیو نے کہا کہ اگر مسلمانوں کے راج میں اسی طرح زبردستی مسلمان بنایا گیا ہوتا تو دلی اور اس کے ارد گرد اتنی بڑی تعداد میں ہندو باقی کیسے رہ جاتے؟ اور پھر اس بڑی تبدیلی مذہب کے خلاف مذہبی بغاوت کیوں نہیں ہوئی؟ سب سے بڑے پیمانے پر اور بڑی تعداد میں بنگال کے لوگوں نے مذہب تبدیل کیا جہاں سب سے کم زور زبردستی کرنے کا موقع تھا۔ اسی طرح سے بابو شیو پرساد سنہا نے کہا کہ محمود غزنوی حملہ آور تھا اور اسے حملہ کہنا چاہیے۔ آج بھی انگلینڈ میں ولیم کو حملہ آور ہی کہا جاتا ہے۔ لیکن غور کرنے کی اصل بات یہ ہے کہ محمود غزنوی اپنے حملہ میں کامیاب کیوں اور کیسے ہوا؟ بات یہ ہے کہ غزنوی پرتھوی راج کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر فوجی افسر اور باصلاحیت انتظام کار تھا۔ اور بات صرف پرتھوی راج کی نہیں۔ اس وقت ہندستان میں بے شمار خود مختار راجے تھے جو آپس میں لگاتار لڑتے رہتے تھے۔ ایسی حالت میں محمود غزنوی کا کامیاب ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور سومناتھ کے مندر کی مورتی محمود غزنوی نے نہیں توڑی تھی۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ آزاد ہندستان کے مسائل خود لوگوں کو نئے ڈھنگ سے سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ تاریخی تحقیق کا ذوق اور رجحان بڑھا ہے اور اب ایسی کتابیں اور مضامین ہندی اور انگریزی میں بھی چھپنے لگی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے اپنے دور میں ہندستان کی معیشت و نظام مملکت اور تہذیب و ثقافت کو کتنا فروغ دیا۔ اور اورنگ زیب اور اس کے جیسے دوسرے مسلمان بادشاہوں کو ہندو کش ظالم اور ستمگر کہنا کتنا غلط ہے۔ کیونکہ انہوں نے اگر اپنی سیاسی اور انتظامی مصلحتوں سے کچھ مندروں اور مٹھوں کو ڈھایا تو انہی مصلحتوں سے کچھ مندر اور مٹھ تعمیر بھی کرائے اور انہیں بڑی بڑی جاگیریں اور عطیات بھی دیئے چنانچہ اس سیمنار میں اس طرح کے بہت سارے فرمانوں اور دستاویز کا مستند حوالوں سے چرچا ہوا۔ سچائی یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے تاریخ عالم کی جھلکیاں ۱۹۳۰ء میں لکھی تھی۔ اس وقت تک بہت ساری تاریخی صداقتیں اس طرح سے منظر عام پر نہیں آئی تھیں جس طرح سے آج ہمارے سامنے ہیں۔ اس لیے اس پرانی لکیر کا فقیر بنا رہنا غلط ہوگا ہمیں نئی تحقیقات کی روشنی میں سیاسی شخصیتوں کا نئے سرے سے جائزہ لینا اور اپنی تاریخ کو نئے انداز سے سمجھنا اور سمجھانا ہے۔ ۱۹۳۰ء کے مقابلے میں تاریخی حقائق ہمارے سامنے زیادہ واضح صورت میں ابھر کر آگئے ہیں اس لیے تاریخی شخصیتوں کے مقام و مرتبہ کے تعین میں ہمیں زیادہ آسانی ہے۔ تاریخی تحقیق کا ذوق اور رجحان جس طرح بڑھتا جا رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ امید کرنا غلط نہیں کہ آنے والے دنوں میں نہ صرف اورنگ زیب اور اس کے جیسے دوسرے بادشاہوں بلکہ مولانا محمد علی اور مسٹر جناح جیسے سیاسی رہنماؤں کو بھی ہندستان کی تاریخ میں ان کے صحیح مقام اور مرتبہ کے مطابق جگہ دی جائے گی۔

ڈاکٹر کنور رفاقت علی خاں

پروفیسر شعبۂ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ
جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

فرقہ وارانہ تاریخ نویسی

ہندستانی تاریخ کے سنجیدہ عالم بغیر کسی جھجک کے اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ اس صدی کی فرقہ پرستی جو ہندستان پاکستان اور بنگلہ دیش میں دیکھی جاتی ہے اس کی کوئی نظیر برعظیم کی عہد وسطیٰ یا عہد قدیم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بہت سارے عوامل جیسے درس و تدریس، حصول تعلیم، تاریخ نویسی بطور خاص عہد وسطیٰ اور عہد قدیم کا ایک موثر حربہ ہے۔ جس کے ذریعہ یہ فرقہ پرست سیاست میں نیز سماج میں فرقہ پرستی کو پھیلاتے ہیں اور اسے دائمی قدر بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ فرقہ پرست مورخ تاریخ کو مختلف طریقوں سے استعمال کرتے ہیں لیکن ان کا مرکزی خیال یہ ہوتا ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک ساتھ نہ رہ سکتے ہیں اور نہ کبھی رہے تھے۔ ایک سوچ سمجھ کر کام کرنے والے سیاسی اور سماجی نظام کے ماتحت۔ اور اگر انھیں ایک ساتھ رکھا گیا تو وہ آگ اور پانی کی طرح رہیں گے۔ آگ پانی کو اڑا دیتی ہے یا پھر پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ان کے الفاظ کے ذخیرے اور ان کا انتخاب مختلف ہے، لیکن ہندو اور مسلم فرقہ پرست ایک ہی زبان میں بولتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ یوروپین، جنھیں ہم میں سے بیشتر لوگ سامراجی مدرسہ کہتے ہیں، ان سے مختلف نہیں ہیں۔ سیاست میں تینوں گروہ آپس میں ایک دوسرے کے ہم نوا ہیں۔

یہ تینوں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی جانب ایک مخاصمانہ رویہ رکھتے تھے کچھ مسلمان رہنماؤں نے یہ سوچا کہ کانگریس اس موقف کو طے کر چکی ہے کہ اونچی ذات کے ہندوؤں کی حکومت ہندوستان میں قائم کرے۔ ہندو فرقہ پرست رہنماؤں نے کانگریس کی ہندو دشمنی کا نقشہ پیش کیا۔ رائے بہادر لال چند پنجاب ہندو سبھا کے بانی (۱۹۰۹ء) نے کانگریس پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ ہندوؤں کی خود عائد کردہ بدقسمتی ہے اور یہ کہ خاص ہندو مفاد کے لیے وہ کمزوری کا سرچشمہ ہے۔ ان کی کانگریس کے متعلق وہی رائے تھی جو آج کے ہندو فرقہ پرستوں کی ہے۔ یعنی یہ کہ یہ تنظیم مسلمانوں کو خوش کرتی ہے اور ہندوؤں کے مفاد کی حفاظت کرنے سے انکار کرتی ہے۔ ساورکر سوچتا تھا کہ کانگریس کے رہنما (۱۹۳۸ء) ہر بار ہندوؤں کے مفاد سے غداری کرتے ہیں، لیکن مسلم لیگ کے آگے ناچتے رہتے ہیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ کانگریس ایک ہندو دشمن اور وطن دشمن تنظیم ہے۔ اس قسم کی سیاست نے دو قسم کے تاریخ دانوں کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ ایک جانب تو سامراجی اور ہندو مسلم فرقہ پرست تھے اور دوسری جانب نام نہاد فرقہ پرست

تاریخ داں تھے۔ ایک گروہ یہ سوچتا تھا کہ اسلام کی آمد نے پہلی بار عظیم ہندستانی قومیت کی عمارت میں دراڑ ڈال دی اور تب سے دو مختلف وجود کی شکل میں آئی۔ جادو ناتھ سرکار ایک مسلمان کو پردیسی دانشور سمجھتے ہیں۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ بغیر ہندستانی بنے ہندستان میں سا رہنا ہے۔ آر سی مجمدار نے یہ بتایا کہ یہ دونوں فرقے ہر چند کہ ساتھ ساتھ رہتے تھے لیکن پھر بھی وہ اپنے اپنے محور کے گرد گھومتے تھے کے ایم پانیکر کا یہ حال ہے کہ جہاں انھوں نے اکبر کے عہد میں قوم پرستی کے عناصر تلاش کیے ہیں، وہاں وہ عہد وسطیٰ کے عہد کو مستقل طور پر ہندو مسلم تنازعہ کا عہد کہتے ہیں۔" ان کے خیال میں شیواجی اور رانا پرتاپ ہندو نام کے حامی تھے اور یہ گویا علامت تھے ہندو انڈیا کے نئے جنم کی۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے ہندستانی سماج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اوپر سے نیچے اور یہ جو آج کی زبان میں دو الگ قومیں تصور کی جاتی ہیں ان کا وجود ابتدا ہی میں عمل میں آگیا تھا۔ ایک ہی سرزمین پر متوازی خطوط پر چلنے والے سماج وجود میں آئے۔ ہر مرحلے پر وہ ایک دوسرے سے مختلف تھے اور شاید ہی کوئی رابطہ یا سماجی خلط ملط ان کے یہاں رہا ہو۔ بہت سے مسلم تاریخ داں بھی ہندوستانی عوام کے ماضی کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں۔ ہندستانی عوام جو پاکستان کے قیام کے بعد بھی ساتھ ساتھ رہتے ہیں باوجود اس کے کہ دو قومی نظریہ بنگلہ دیش کے قائم ہونے کے بعد تین قومی نظریے میں بدل گیا۔ مسلم مورخ اپنے ہندو مقابل سے پوری طور پر اتفاق کرتے ہیں۔ شیخ محمد اکرام جو کہ ایک ممتاز پاکستانی مورخ ہیں پانیکر کی مندرجہ بالا تحریر کو عظیم کارنامہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے ایک اور عظیم المرتبت پاکستانی مورخ کہتا ہے کہ عہد وسطیٰ اور عہد حاضر کی ہندستانی تاریخ بہت حد تک ہندو مسلم مذہبی و تہذیبی تنازع کی تاریخ ہے۔ ہندستان میں اسلام نے صدیوں تک اپنے بیرونی کردار کو قائم رکھا اور ہندستان کے مسلمان آج بھی انہیں خطوط پر سوچتے ہیں۔

تقسیم شدہ عوام کی تاریخ بھی برطانوی حکومت کی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کا ثمرہ ہے جو کہ تاریخ دانوں کے درمیان آج بھی ورثے کی حیثیت سے ثابت و سالم ہے۔ دو قومی نظریے کی شاخیں برطانوی راج کی زبردست حامی تھیں جناح برطانیہ کی حمایت کو سیاسی کھیل تصور کرتے تھے۔ بھائی پرمانند نے یہ اعتراف کیا کہ برطانیہ کی حمایت پر وہ یوں زور دے رہے ہیں کہ برطانیہ سے جو مسلمان کا اشتراک ہے اس پر سبقت لے جا سکیں۔ یہ مثلث جن کا میں نے اوپر کی سطروں میں حوالہ دیا ہے۔ یعنی برطانوی سرکار، لیگ جس کی قیادت جناح کر رہے تھے اور ہندو مہا سبھا جس کی قیادت بھائی پرمانند جیسے لوگوں کے ہاتھ میں، بلا مقابلہ ان کی پیش رفت نہیں ہو سکی۔ کانگریس نے مہاتما گاندھی کی قیادت میں ایک عوامی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ یہ تحریک برطانوی سامراج کے خلاف تھی۔ انھوں نے اس بات کی حتی المقدور کوشش کی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکجہتی قائم

جو ہندو اور مسلمان دانشوروں کی ایک جماعت نے دو قومی نظریے کو چیلنج کیا اور اس بنیادی اتحاد پر زور دیا جو عہد وسطیٰ کے ہندوستان کے مختلف طبقوں میں پایا جاتا ہے۔ برعظیم ہند کے تاریخ دانوں کو واضح طور پر حسب ذیل چار گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا تھا۔

(۱) اہل مغرب / سامراجی (۲) مسلم فرقہ پرست تاریخ داں

(۳) ہندو فرقہ پرست تاریخ داں (۴) قوم پرست تاریخ داں

اب نئے تاریخ دانوں کا ایک پانچواں گروہ بھی آ گیا ہے جو کسی مذہبی گروہ کو یک ... ایسی کا اس کے اندر اندرونی تناقض ہو ... نہیں کرتا۔ فرقے کی بنیاد وہ پیشے اور کاروبار پر رکھتے ہیں نہ کہ مذہب پر۔ ایک تفصیلی بحث اس مختصر سے مقالے میں ان سبھی قسم کی تاریخ نویسی پر ممکن نہیں ہے، چنانچہ میں خود کو ایک مختصر سے تبصرے میں محدود کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تبصرہ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کے کچھ بنیادی مشاہدوں پر مبنی ہوگا۔

بپن چندر نے پورے طور پر فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کے تاریخی متن کو جانچا ہے جو کہ میرے خیال میں بہترین تجزیہ ہے۔ فرقہ پرست نظریے کو غذا ملتی ہے فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی سے اور قوم پرستانہ نظریے کو غذا ملتی ہے قوم پرستانہ تاریخ نویسی سے۔ فرقہ پرستانہ اور قوم پرستانہ تحریکیں جن متعلقہ تاریخ نویسی سے غذا ملتی ہے اس طرح کی پیداوار کی ہمت افزائی کرتی ہے۔ زہر یا امرت آپ جو بھی کہنا مناسب سمجھیں دونوں طرح سے کام کرتا ہے۔ قوم پرست تاریخ داں بھی وہی اصول اور وہی طریقے استعمال کرتے ہیں۔ حقائق کے انتخاب خاص احتیاط سے امتیاز برتا کہ اس سے دوسرے نتائج برآمد ہوں۔ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کے اثرات اتنے زبردست تھے کہ قوم پرور رہنما بشمول عوامی رہنما گاندھی جی نے یہ تسلیم کیا کہ تاریخی ادوار میں بھی علیحدہ فرقے موجود تھے اور اس بات پر زور دیا کہ ان کے درمیان ایک کام چلاؤ اتحاد ہونا چاہیے جس طرح کہ عہد وسطیٰ میں ہوا تھا۔ قوم پرست تاریخ دانوں نے اکبر کو بحیثیت صلح کل پیش کیا ہے۔ برخلاف ان کے فرقہ پرست ہندوؤں اور مسلمانوں نے اپنے زاویہ نگاہ کی پیشکش کے لیے اورنگ زیب کا انتخاب کیا۔ ہر چند کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عہد وسطیٰ کی سوجھ بوجھ مذہبی اور نسلی بنیادوں پر قائم نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ بیشتر موقع پرستانہ ہوا کرتی تھی۔ ہر فرقے میں افقی اور عمودی تقسیم تھی جیسی کہ آج ہے۔

اہل برطانیہ اپنے تاریخ دانوں کے ذریعے کہ جن میں ایلیٹ کا نام بھی آتا ہے، ہندوؤں پر یہ تاثر قائم کرنا چاہتے تھے کہ سفید فام قوم نے انھیں ظالمانہ، پریشان کن اور ایذا رساں غلامی سے جو ان پر وحشی اور غیر متمدن مسلمانوں نے لاد دی تھی، آزاد کرایا۔ قوم پرست اور مارکسی اسکالروں نے ایلیٹ کے پیش لفظ سے کافی اقتباسات لیے ہیں یہ ثابت

کرنے کے لیے کہ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کے بیج برطانیہ نے بوئے۔ اس میں فرقہ پرست مصنفین نے کھاد ڈالی اور دونوں فرقے کے غریب عوام کی قسمت پر اس کی فصل کاٹی۔ ان لوگوں نے جن کے معاشی مفادات ان باتوں سے وابستہ تھے مجھے انھیں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہندوستان کی ایک تاریخ ہے۔ اس کا ارتقا موجودہ سماجی و اقتصادی مقام تک ہموار نہیں ہے اور نہ یہ ہے کہ وہ اہم واقعات سے خالی ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ کا کوئی بھی عہد ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی طرح کے تنازعے سے آزاد رہا ہو۔ لیکن اس قسم کے تصادم اور تراع کا سبب سماجی و معاشی یا سیاسی ہوتا ہے مذہبی نہیں ہوتا۔ بالعموم لوگ یا تو اسی کے مذہب سے بیگانہ رہا کرتے تھے یا پھر اس کی عزت کرتے تھے اور اس کا مذہب ایک مخالفانہ رویہ بھی رکھتا ہو تو اس کے ساتھ رواداری برتتے۔ اور یہ رواداری عالمگیر حیثیت رکھتی تھی۔ ایک حکمراں کی غیر رواداری، یا ایک مذہبی رہنما کا تعصب کبھی کبھی ناخوش گوار حالات پیدا کر دیتا لیکن ایسے مواقع شاذ و نادر ہی پیش آئے ممتاز اسکالر مثلاً بپن چندر، رومیلا تھاپر، عرفان حبیب والے، بے سیدا اور ستیش چندر کے علاوہ بہت سے لوگوں نے فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی یا تو مخصوص طور پر یا پھر اپنی عام تصنیفات میں لکھ کر بہت کام کیا ہے۔ انھوں نے فرقہ پرست اور سامراجی تاریخ نویسی کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابھی بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک بار پھر ان کتابوں کی جانچ پڑتال کی جائے جیسے وہ کتاب ہے جسے بھارتی ودیا بھون بمبئی نے شائع کیا ہے۔ تاکہ عام طور پر عوام اور طلبا بطور خاص یہ جانیں کہ محمود غزنوی کے ہاتھوں سومناتھ کے مندر کا انہدام اور دیوتاؤں کے بت کو کشمیر کے حیر شاہ کے حکم سے توڑ دینا اور جنوب کے ایک ہندو مہاراجہ کے ہاتھوں جینیوں کا قتل اور شمال میں ایک مسلمان بادشاہ کے حکم سے ہندوؤں کا قتل عام۔ یہ باتیں اتنی ہی سچ اور حقیقی ہیں جیسے آگ کی ایجاد یا فولاد کا انکشاف۔ لیکن ساری باتیں تاریخ کی تشکیل نہیں کرتیں۔ ہندوستانی تاریخ میں کچھ فرضی حصے ہیں جنھیں فرقہ پرست تاریخ دانوں نے مسخ کر کے فروغ دیا ہے ان میں سے کچھ پر میں بحث کرنا چاہتا ہوں۔

ہندو فرقہ پرست اور ہندو قوم پرست مورخوں نے ماضی قدیم کے ہندوستان کی عظمت کا گہرا اثر لیا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ فرقہ پرست عہد قدیم سے متاثر ہیں۔ عہد وسطیٰ کے مہاراجوں اور فوجی سرداروں جیسے رانا پرتاپ اور شیواجی سے بھی متاثر ہیں۔ برخلاف اس کے قوم پرستوں کو اکبر پر اتنا ہی ناز ہے جتنا اشوک پر۔ ہندو فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کی کچھ نمایاں خصوصیتیں ہیں۔

(۱) ہندوستانی تاریخ کا عہد قدیم نہایت شاندار ہے۔ حد تو یہ ہے کہ منفی پہلوؤں کی بھی تعریف کی جاتی ہے یا انھیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

(۲) ریاضی کے فارمولوں کی طرح انھوں نے ہندستانی تہذیب کے بھی مختلف نام دیئے ہیں، قدیم ہندستانی تہذیب، ہندو تہذیب، گپتا تہذیب جو کہ ہندستانی تاریخ کا سنہرا دور ہے۔

(۳) عہدِ وسطیٰ سیاسی اور مذہبی ایذا رسانی کے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ برخلاف اس کے قدیم ہندستان میں مکمل رواداری اور امن تھا۔

جی۔ ڈی۔ برلا نے جو کہ عظیم صنعتی اور تجارتی اقلیم کے شہنشاہ ہیں۔ اپنے المدار امدادی کرشنا میں وقف کے ذریعے اس دور کے طاقتور مرکزی وزیر کے۔ ایم۔ منشی کی بہترین دماؤں کے ساتھ اور بدترین فرقہ پرست مؤرخ آر۔ سی۔ مجمدار کے دانشورانہ اشتراک میں ایک عظیم الشان سلسلے کی اشاعت میں مدد کی۔ یہ سلسلہ کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا نام ہسٹری ... An Advanced History of ہے اور یہ عام طور پر ودیا بھون سیریز کہلاتا ہے۔ یہ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کا عجیب و غریب کارنامہ ہے۔ بھارتی بھون کے صدر کے۔ ایم۔ منشی اور اس سلسلے کے جنرل ایڈیٹر آر۔ سی۔ مجمدار کو کہ جنھوں نے بڑی نفرت سے نام نہاد مسلم عہد کے نظام تسمیہ کو خارج کر دیا ہے۔ یہ بات یاد نہیں رہی کہ ان کے اپنے نام منشی اور مجمدار عربی الفاظ ہیں۔ جیسے انعام دار، جاگیر دار اور فرد نویس اور دوسرے بہت سارے پیشہ ورانہ نام اور مسلمانوں کے درمیان ذات کی بنا پر رکھے گئے نام جیسے پاٹل، پٹیل، چودھری زندہ علامتیں ہیں، عہدِ وسطیٰ میں مختلف مذہبی لسانی اور قومی فرقوں کے آپس کے ملنے جلنے اور باہمی اختلاط کی۔

قدیم ہندستانی عہد، ہندستان کی تاریخ کا بہت بڑا عہد ہے۔ جدید ہندستان کی تاریخ کا عہد رگ وید کے عہد سے چھوٹا ہے اور نام نہاد مسلم عہد، وید کے عہد سے زیادہ بڑا نہیں ہے۔ ایک بہادر دلی نظر سے ہندستانی مورخوں نے جن میں آر۔ سی۔ مجمدار قابل ذکر ہیں، تہذیب کے تعلق سے اس پورے عہد کی شناخت گپتا کلچر کی ہے۔ الہامی کتاب رگ وید کو ۔ ۔ ۔ تیرکر جن کے دیوتاؤں کو ہندستانی بشمول آریا صدیوں پہلے بھول چکے تھے۔ رگ وید میں تقریباً ایک ہزار پچیس اشلوک تھے۔ ان میں ڈھائی سو کے قریب یعنی تقریباً ایک چوتھائی اشلوک عظیم اندرا کی شان میں ملتے ہیں۔ دوسرا اہم خداورن ہے جو کہ آسمانوں کا حکمراں ہے اور جو کہ طوفانوں کا جلوان ہے۔ اگنی ہے جو مقدس آگ ہے۔ اور سب سے بڑھ کر سوم ہے جو بھگوان کے لیے نشہ آور مشروب ہے۔ تنا سوم کے لیے ایک سو پچیس اشلوک ملتے ہیں اور باقی اشلوک کی تقسیم دوسرے دیوتاؤں کے یہاں ہو جاتی ہے۔ یہ سارے دیوتا ہندو مذہب اور مذہبی رسوم کے آئے ہیں اور ان کا اساطیر میں قابل ذکر مقام نہیں ہے۔ سنہرے عہد کے عام ہندوؤں کے مذہب میں بھی ان کا کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ وہ لوگ یا تو وشنو یا شیو یا ماں دیویوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور یہ دیوی دیوتا ابتدائی دور کے آباؤں کے لیے بالکل اجنبی تھے۔ آریا بن کی کوئی ذات

نہیں تھی، لیکن جو بعد میں ایک کرنسے قسم کے ذات پات کے ماننے والے ہو گئے۔ مویشی پالنے والے مساوات پسند آریہ، اس کے بعد زراعت پیشہ آریہ جن کے ساتھ نصف غلام داسیاں ہوا کرتیں، اور اس کے بعد سائنسی آریہ۔ یہ سبھی لوگ کبھی بھی ایک تہذیبی گروہ میں نہیں رکھے جا سکتے ہیں۔ بے محل نہیں ہوگا اگر میں ڈی ڈی کو سمبی کے وِدیابھون کی جلد اول، دوم، سوم کے ایک حصے کا ترجمہ پیش کروں۔

"یوروپی تاریخ نویسی سائنسی طور پر صحیح ہے کیوں کہ اس کی بنیاد ان دستاویزات پر ہے جس کا تجزیہ بڑی ہوشیاری سے کیا گیا ہے۔ نیز آثار قدیمہ کی باقی ماندہ نشانیوں سے، کتبوں اور سکوں سے ان کا موازنہ کیا گیا ہے۔ عہد جدید کے ہندوستانی مورخ نے . . . اس کی کوشش کی ہے۔ تعصب کے سطحی فرق کے ساتھ، یہ مضحکہ خیز ہندوستانی تاریخ نہیں ہے۔ جو آج بھی لکھی جا رہی ہے۔ جس میں پورانوں کو مذہبی عقائد بنا دیا گیا ہے۔ ویدوں کو لاکھوں سال پرانا قرار دیا گیا ہے؛ اور آج کی سبھی سائنسی ایجادات ایکٹرون اور جراثیم کش کی ایجادات کو تارک الدنیا جوگیوں سے منسوب کر دیا گیا ہے ... شہادتوں کے یوروپی معیاروں کو مستعار کیا گیا ہے۔ منطق اور .... کی پیوند کاری کی گئی ہے۔ مقدس ہندو مت کی تمام تر بے وزن ابعد الطبیعات ہیں۔"

ہڑپا عہد، ویدک عہد، گپتا عہد اور راجپوت عہد، یہ سب نمائندگی کرتے ہیں مختلف صفوں اور مختلف تہذیبوں کی۔ ان میں سے ہندوستانی تہذیب کونسی ہے؟ گپتا؟

گپتا عہد برہمن عہد کے احیا کے لیے مشہور ہے۔ . . . . اس واسطے کہ اس دور میں سنسکرت بہت منظم اور ترقی یافتہ شکل میں سامنے آئی اور سماجی اور طبیعاتی سائنسوں کو فروغ حاصل ہوا۔ یہ ترقی اس سے پہلے کے کرشنا عہد کے ترقی یافتہ مواد کی بنیاد پر ہوئی۔ اس دور میں ہندوستان کی اقتصادیات بہت اچھی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ زوال کا دور گپتا خاندان سے شروع ہوا۔ اس پر بھی گپتا عہد ہندوستانی تاریخ کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔ کشن خاندان جس نے ایک دولتمند ترقی یافتہ اور مضبوط ملک پر حکومت کی۔ شاید ہی کبھی وہ اس طرح قدر و منزلت اور عزت و محبت سے یاد کیے جاتے ہوں، جس طرح عظیم المرتبت گپتا یاد کیے جاتے ہیں۔ بدھ مت کے ماننے والے کشن کی بہ نسبت گپتا کے مقابلے میں یہ تو بھی تاریخ کی جانب ایک فرقہ پرستانہ رویہ ہے۔

صدیاں گذرنے کے بعد کشن ستی واہن کے دور کی بیش قیمت تجارت کافی کم ہو گئی۔ ہر چند کہ شاہی خزانے اور مندروں میں سونے اور چاندی کا ڈھیر جمع تھا۔ زوال کا بیج نام نہاد کسنرے دور ہی میں ڈال گیا تھا۔ پروفیسر آر ایس شرما

نے انڈین ہسٹری کانگریس میں اپنا صدارتی خطبہ سناتے ہوئے کہا: "میں شہروں کے عروج و زوال کے متعلق بھی کہنا چاہتا ہوں۔ اگر ہم ہڑپا زمانے کو ایک ... تو علم آثار قدیمہ اس بات کی شہادت بہم پہنچاتا ہے کہ کشن کے دور کے ہندستان میں ... کا عمل عروج پر پہنچ چکا تھا۔ سونکھ (متھرا) کی کھدائی میں سات جنہیں تو کشن عمارت کی تہیں اور ایک تہہ گپتا عمارت کی تھی۔ گپتا عہد کی عمارتوں کی غربت کشان عہد کے مقابلے میں ان ... رو در رکھنے والوں کے لیے رنج و غم کا سبب ہوگی۔ اور یہ شمالی ہند میں علم آثار قدیمہ کی ایک حقیقت ہے۔"

اس امر سے کوسامبی بھی اتفاق کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "گپتا عہد کے سونے کے سکے تاثر ڈالتے ہیں، لیکن عام خرید و فروخت کیلئے مشکل ہی سے کام آتے ہیں۔ ان کے چاندی کے سکے تو بدنمائی کی حد تک کم تر درجے کے تھے۔ موریہ عہد کے پہلے کے سوراخ کیے ہوئے سکے اور ... کے نایاب اندوختے میں صرف ایک سکہ مشہور رہا۔ اور اس کے متعلق بھی شبہ ہے کہ وہ چاندی کا تھا۔ چینی سیاح فاہیان اور ہیون سانگ اپنے بیان پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ بیشتر لین دین بغیر پیسے کی تھی۔ اور کوڑی بھی استعمال کی جاتی تھی لیکن سکے بہت کم استعمال ہوتے تھے۔ مندروں، منٹھوں اور جاگیرداروں کے یہاں کی دولت یا اجناس کا ذخیرہ ترسیل کے کام نہیں آتا تھا۔ ڈی۔ ڈی کوسامبی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ ابتدائی گپتا عہد میں "پھیلتی ہوئی گاؤں کی آبادی نے ایک مضبوط مرکز کے لیے دولت جمع کی ... تجارت بھی ترقی پر تھی" لیکن اجناس کی ٹکس پیداوار اور نقد تجارت کم تھی: "باوجود اس کے کہ ڈھیر سارا سونا چاندی اور ہیرے جواہرات جو پوشیدہ تہ خانوں میں بند تھے ... جو بیشتر بڑے پیمانے پر اجناس کی پیداوار کرتے تھے، زوال پذیر تھے۔ ٹکس کے عظیم الشان شہر جیسے پٹنہ جو اب پیداوار کے لیے ضروری نہیں تھا۔ گاؤں میں بدل گیا جس میں کھنڈر بکھرے ہوئے تھے اور جسے لوگ مافوق الفطرت عناصر کی کارروائی تصور کرتے تھے۔"

دوسرا اہم رویہ ہندو فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کا یہ ہے کہ اونچے طبقے کے ہندوستانی کلچر کی شناخت ہندو مت سے کی جاتی ہے حتیٰ کہ دوسرے ممالک کے بیانات میں بھی۔ چین اور ہندوستانی تہذیب کے آپسی تال میل کا حوالہ دیتے ہوئے بھارتی ودیا بھون سیریز جلد پنجم کے مصنف کہتے ہیں کہ چین ہندو کلچر کے اثر میں آیا اور ہندو نوآبادیات سیام میں قائم ہوئی۔ مصنف نے اس امر کے لیے معذرت مانگے بغیر کہ اس نے بدھسٹ یا ہندوستانی کی بجائے ہندو لکھا ہے۔ چین اور جنوبی مشرقی ایشیا میں بودھ مت کے فروغ کے متعلق تحریر کیا ہے۔ مزید برآں ال گوپال ——————
—————— ہمیں یاد دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہندوستان میں غربت مسلمانوں کے آمد سے شروع ہوئی۔ اسی طرح یہ سیریز جنوبی مشرقی ایشیا میں ایک اعلیٰ تہذیب کے زوال کے متعلق بتاتی ہے اور ساتھ ساتھ یہ

بھی اطلاع دیتی ہے کہ چشمے کا وہ منبع کہ جس نے ہندوستانی نوآبادیات کی تہذیب کو دور دراز علاقے میں تیار کیا تھا خشک ہوچکا تھا۔ اسے براہ راست شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی فتح سے ہم رشتہ کیے بغیر مصنف اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ ہندوستان سے کوئی ۔ ۔ ۔ نہیں اٹھایا گیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ سابق ہندچین ممالک کے مورخ اپنے قومی فن اور تہذیب کے متعلق کیا سوچتے ہیں لیکن اس سیریز کے مصنف یہ بتلاتے ہیں کہ دیسی زبان و فن کے پھیلاؤ نے ان ممالک میں تیزی سے تہذیب کے زوال کا سفر کیا۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستانی ثقافت، روایت اور اساطیر بشمول بدھ ازم نے جنوبی مشرقی ایشیا کے بہت بڑے حصے پر نیز مرکزی اور مشرقی ایشیا پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ لیکن اس اثر کی اہمیت ہر جگہ یکساں نہیں تھی۔ مقامی تہذیب اور روایتوں کو بہت زبردست رول ادا کرنا تھا۔ ہندوستانی بودھوں کی رسومات اور ان کے طور طریقے سے مختلف طور پر وہ لوگ ہزاروں دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے پجاری مچھلی اور گوشت کھاتے ہیں۔ اور بڑے چاؤ سے مندروں میں بودھ پر چڑھاتے ہیں۔ مزید یہ کہ مصنف کا سنسکرت پر اندھا غرور انھیں پالی کو مقدس زبان اور مقدس عبارتوں کی زبان تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اور یہ کہ پالی کو پجاریوں کی زبان تسلیم کرتے ہوئے وہ اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ دیسی زبانوں نے سنسکرت کی جگہ لے لی۔

فرقہ پرستوں کا جذبہ صرف مذہبی اعتقادات تک محدود نہیں ہے۔ زبان و ادب کے معاملے میں بھی وہ لوگ کافی ذاتی ہوتے جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے تصنیف و تالیف کے لیے عربی کو ترجیح دی جو کہ حیثیت اور مرتبے میں ہر طرح نوی دور میں لاطینی کا مرتبہ تھی۔ بہت سے لکھنے والوں نے یہی مقام سنسکرت کو دیا۔

سنسکرت ہندوستان میں نہیں پیدا ہوئی۔ آریہ اپنے ساتھ ایک ترقی یافتہ زبان لائے اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا وہ انتہائی خوبصورت ادب کے سبب ترقی یافتہ اور مالا مال ہوتی گئی۔ تاہم وہ آخر ارباب اقتدار پجاریوں کی زبان ہو کر رہ گئی۔ رگ وید کے عظیم اشلوک ان لوگوں کے لیے جنھیں ہم مشکل سے تعلیم یافتہ کہہ سکتے ہیں بچوں کے گیت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ معدودے چند پڑھے لکھے لوگوں کے لیے وجہ اثر پذیری بھی ہوتے۔ اپنشد اور دوسرے مذہبی ادب جو سنسکرت میں ہیں صرف کچھ عالموں کے لیے ہیں یا ان لوگوں کے لیے ہیں جو عالم ہونے والے ہیں ان کے علاوہ پجاریوں کے لیے ہیں۔ عنقریب پجاری منتر پڑھیں گے بچے کی پیدائش پر اور شادی بیاہ میں بالکل ہی اجنبی زبان میں۔

فارسی اور انگریزی کی طرح سنسکرت جو کہ دیوتاؤں کی زبان کہلاتی تھی حملہ آوروں کی زبان بھی تھی۔ سنسکرت

بولنے والے آریوں کی تعداد نے جنوب میں ہندستان کو اپنا گھر بنا لیا تھا۔ ممکن ہے فارسی بولنے والے وسطی ایشیائی لوگوں
سے کہ انھوں نے بھی ہندستان کو اپنا گھر بنا لیا تھا کہیں زیادہ ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کی زبان کبھی عوام کی زبان
نہیں ہوئی۔ تاہم بہت سارے ہندوستانی اہل قلم ہر زبان کے لیے مختلف طریقے بولتے ہیں۔ وہ ایجون سیریز کا معاملہ
عجیب و غریب ہے، جبکہ یورپی اسکالر اس بات کا ذکر فخر سے کرتا ہے کہ لاطینی کو تیاگ دینے سے جدید یورپی زبانوں کو فروغ
حاصل ہوا۔ ہندستانی اہل قلم جنوب مشرقی ایشیا میں سنسکرت کے بجائے دیسی زبان کے رائج کیے جانے پر افسوس کا اظہار
کرتا ہے اور دنا کلر زبانوں کے عروج کو زبردست انحطاط سے تعبیر کرتا ہے۔

یہ اسکالر اس بات کی طرف دھیان نہیں دیتے ہیں کہ تامل الفاظ گریک اور مشرقی ایشیائی زبانوں میں داخل
ہو رہے ہیں جس سے صاف صاف یہ معنی ہیں کہ دور دراز کے علاقوں میں ہندستان کے اثرات نرم قسم کے رہے ہیں۔ یقیناً
... دور میں سنسکرت کا احیا ہوا پھر بھی غریب دہقان اپنی مادری زبان نہیں بھولتے تھے۔

کالی داس نے اپنے ناٹک سنسکرت میں لکھے۔ لیکن ان کے کردار شودر، عورتیں اور دوسرے لوگ جو سماج کے
پچھڑے ہوئے لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں پراکرت میں بولتے ہیں۔

ماقبل تقسیم کی فرقہ وارانہ تاریخ نویسی نیم پختہ تاریخ تھی۔ لیکن مابعد تقسیم کی تاریخ نویسی بشمول سیکولر تاریخ
نویسی کی بلوغت سے اور وہ پورے طور پر پختہ ہیں۔ ہر چہار جانب بہت سے تحقیقی کام کیے گئے ہیں۔ ذیل کے پیراگرافوں میں
سوچتا ہوں کہ رواداری کے مسئلے کی جانچ پڑتال کروں جس کی جانچ پڑتال بھی ہم پہلے رومیلا تھاپر، ہربنس مکھیا اور بپن
چندر کر چکے ہیں۔ تسلسل کے خیال سے ممکن ہے کہ کچھ نکتوں کو دہرانے کی ضرورت محسوس ہو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے
اذیت رسانی اور نارواداری کی مثالیں جو کہ اکثر دیکھنے میں آجاتی تھیں پھر بھی مستثنیات میں تھیں اور ایک وسیع تر مذہبی
سوسائٹی میں ... تھیں۔ اور برداشت عالمگیر یا عام تھی سوائے ان حالات میں جبکہ ایک گروہ، ذات اور طبقے کا ذریعہ معاش
خطرے میں پڑ جائے۔ لاکھوں آدمی شہر سے میلوں دور رہتے ہیں اور جہاں شہر نہیں ہوتے وہاں سیاسی صدر مقام سے بہت
دور رہتے ہیں۔ وہاں انھیں یہ جاننے کا بھی موقع نہیں ملتا کہ سیاسی اقتدار کس کے ہاتھ میں ہے۔ اور حکمراں جو بھی ہو
حکمراں رہے گا۔ اور ظلم ظلم رہے گا۔ کسان کا جو بھی مذہب ہو انھیں اپنی ناندا یا وہ سرکاری عملے زمیندار یا مہاجن
کو دینی پڑتی ہے۔ سماجی تصادم رام راجیہ کے دور میں بھی ہوتے تھے۔ کہیں تو یہ خالصتاً معاشی ہوتے ہیں لیکن بیشتر
حالات میں یہ نسل اور مذہب کا لبادہ اوڑھ کر آتے ہیں۔ محمود غزنوی کے حملے جو آج بھی ہندستانیوں کے احساس کو مجروح
کر رہے ہیں بالآخر حملے ہی تھے۔ اس نے ہر اس شے کو جو اس کی راہ میں آتی تھی تباہ و برباد کر دیا۔ دوسرے حملہ آور بھی

کچھ مختلف نہیں تھے۔ زر پرست جہاں عربوں اور ترکوں کے حملے سے بیزار ہیں وہاں وہ ساکاس، ہنس اور گریک کے
حملوں کے سلسلے میں غیر جانبدار ہیں لیکن آریوں کے حملے جو طوفانوں کی طرح یکے بعد دیگرے ہوتے تھے اور جو تقریباً ستر بار
ہوئے ہیں۔ ان کے لیے مسرور کن ہوتے ہیں۔ آریوں کے حملے ان کے لیے باعث افتخار ہیں کیوں کہ انھوں نے ہندستان کو دیوتاؤں
کے سماج میں پہنچا دیا اور اسے دھرم کی پوتر دھرتی بنا دیا۔ اور جنت کے لیے نیز نجات کیلیے ایک راہ بنادی جو ورن کی
حفاظت کی جو کہ دیوتاؤں کا نافذ کردہ سماج کا چارگنا نظم ہے۔ اور سنسکرت کو دیوتاؤں کی زبان بنا دیا اور اس ملک کو ایک
ترقی یافتہ شہری سماج بنا دیا جو کہ آریوں کے حملے کے وقت موجود تھا۔ ان کے شہروں میں مندر ہوا کرتے تھے۔ جیسے ہڑپا کے
کھنڈروں میں دیکھے گئے تھے۔ اسکول کی درسی کتابیں نیز دوسری کتابیں یہ باتیں بتانے سے قاصر ہیں کہ آریوں نے ہمارے
وطن میں کون کونسی تباہیاں مچائیں۔ کتنے شہروں کو انکے مندروں کے . . . . . نے تباہ و برباد کیا۔ خدا اس کون
تھے؟ ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا گیا۔ اس نوع کے مطالعے کے لیے ہمیں کوئی ماخذ نہیں ملتا۔ بجز آثار قدیمہ اور ہندو دور
کی مقبول الہامی کتاب رگ وید کے۔ ڈی۔ کوسامبی نے رگ وید سے معلومات حاصل کیں اور انھیں مختصراً ایک جملے میں بیان
کیا: آریوں نے ہندستان کی تہذیب کی مکمل بیخ کنی کی۔ رگ وید بتاتا ہے کہ اندر نے شہروں کو تباہ کر دیا۔ داسوں کے بنائے
ہوئے بندھ کو توڑ دیا لیکن انھوں نے تعمیر نہیں کی اور نہ زراعت کے لیے نہریں کھودیں۔

مختلف مسلم خاندانوں نے عظیم ہند کے مختلف علاقوں پر حکومت کی۔ ان میں سے کچھ حکمراں یقیناً متعصب تھے۔
وقتاً فوقتاً معبد کے مارے گئے اور ان کے مندروں کو تباہ کر دیا گیا لیکن وہی متعصب مسلم حکمراں تھے جنھوں نے مسلمانوں کو
بھی بے دریغ مروایا۔ شبلی اور فاروقی نے اورنگ زیب کو فقیر منش لکھا ہے جبکہ ہندو مصنفین نے انھیں سنگدل اور متعصب
شیطان لکھا ہے۔ بہرحال ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب یہ فقیر صفت، بادشاہ اپنی فطرت کے ساتھ شاہجہاں آباد دہلی
کے لال قلعے میں ہزاروں روپے کے تخت طاؤس پر جلوہ افروز ہوا تو اس وقت اس کے باپ قلعہ اور تخت کے معمار نہایت ہی
ذلت سے اپنے بیٹے کے قیدی کی حیثیت سے آگرہ کے قلعے میں زندگی گذار رہے تھے اور مزید یہ کہ اورنگ زیب کا بڑا لڑکا جو اس کے
لڑکوں میں سب سے زیادہ قابل تھا۔ اسی طرح ذلت آمیز طریقے سے گوالیار کے قلعے میں قید تھا۔ اورنگ زیب کی لالچ
کا یہ حال تھا کہ اس نے بلا اس بات کا مطالبہ کیا کہ بیش بہا ہیرے جواہر جو اس وقت تک شاہجہاں کے ہاتھ میں تھے اس کے
حوالے کیے جائیں۔ اپنے دور حکومت کے دوسرے حصے میں بلاشبہ اس نے ہندوؤں کے خلاف امتیازی قانون نافذ کیے لیکن
اس کا ایک دوسرا رخ بھی تھا۔ اس نے بڑی فیاضی سے ہندوؤں کے مندروں کے لیے عطیات دیے اور بڑی تعداد میں ہر جگہ
پر ہندو افسروں کو بحال کیا اور یہ تعداد مشہور زمانہ اکبر کے عہد سے بہت زیادہ تھیں۔ انسانی جذبات کے سلسلے میں اس

کی تشویش کی بڑی شدید تھی اور اس نوع کی مراعات اپنے ان قیدیوں کے ساتھ بھی روا رکھتا تھا جن سے وہ سخت نفرت کرتا تھا۔ مثال کے طور پر بہ شیوا جی کے پوتے اور اس کی ماں کا نام لے سکتے ہیں جو اورنگ زیب کے قید میں تھے۔ اس نے اسے قید میں ضرور رکھا لیکن برسوں تک اس بات پر خاص توجہ دی کہ ہندوؤں کے رسم و رواج اور کھانے پینے میں ممنوعات کا خیال رکھا جائے۔

راسخ العقیدہ متعصب کٹر سنی مسلمان حکمراں مسلمانوں سے بھی تعصب برتتے تھے۔ فیروز شاہ اور اورنگ زیب نے پارسا صوفی فقیروں کی گردن مروا دی۔ اورنگ زیب کی یہ پالیسی کہ اس نے مندروں کو ——— منہدم کرایا اور پھر دوسری طرف سب نے مندروں کو بیش بہا عطیات سے نوازا۔ اس قدر آپس میں متضاد ہیں کہ انھیں نہ تو فرقہ پرست تاریخ دانوں کی زبانیں متعصبانہ کہیں گی اور نہ قوم پرور دانشوروں کی زبانیں رواداری کہیں گی۔ اورنگ ایلورا کے پہاڑوں والے مندر کے حسن اور اس کی عظمت سے اس درجہ متاثر ہوا تھا کہ اس نے حیرت زدگی کے عالم میں اسے صنعت صناع حقیقی قرار دیا ہیں اور نگ زیب کی طرف سے معذرت خواہ نہیں ہوں لیکن میں مخالف ہوں ان باتوں کا جو دونوں جانب کے فرقہ پرست اہل قلم لوگ کہتے ہیں۔ جادو ناتھ سرکار جیسے اعلیٰ مرتبت سوانح نگار نے مندر کے انہدام کے سلسلے میں کئی ایک اصل متن میں تحریر کیا ہے۔ لیکن کیلاش مندر کے لیے جو اس کے دل میں عقیدت تھی اسے ایک جگہ حاشیہ میں شامل کیا ہے۔ (سرکار - - - - - - - - - -) مسلمان فرقہ پرست اہل قلم اس کے برعکس لکھتے ہیں۔

قتل اور غارتگری عہد وسطیٰ میں بالعموم جنگوں میں ہوا کرتی۔ یا پھر کسی حملہ آور فوج کے ہاتھوں۔ لیکن حملہ آور یا جن پر حملہ کیا گیا ہو یا جنگ کے دونوں فریق کلی طور پر نہ ہندو ہوتے اور نہ کلی طور پر مسلمان ہوتے اور نہ جنگ میں قتل یکطرفہ ہوتے ہیں۔ فاتح فوج میں بھی کافی جانیں تلف ہوئیں۔ شہروں کی آبادی اور فوج کی تشکیل بالعموم ملی جلی ہوتی۔ حتیٰ کہ ہندو مسلم سپہ سالاروں کے مابین یعنی محمد بن قاسم اور راجہ داہر کے مابین جو جنگ ہوئی اس میں دونوں طرف کی فوج میں ہندو اور مسلمان ملے جلے تھے۔ داہر کی فوج میں مسلمان بھی تھے اور اسی طرح محمد بن قاسم کی فوج میں بھی ہندو فوجی شامل تھے۔ ان حالات میں وِدیا بھون سیریز میں تحریر شدہ یہ عبارت مناسب نہیں دکھائی دیتی کہ ان جنگوں میں ہندو مارے گئے اور انھیں غلام بنایا گیا۔ شہروں کو مسمار کر دیا گیا اور مندروں کو برباد کر دیا گیا۔ ہمارے پاس کوئی ایسی شہادت نہیں کہ قتل کرتے وقت یا غلام بناتے وقت سپہ سالاروں نے یا فوجیوں نے (اور یہ بات ممکن بھی نہیں تھی) مذہب کی بنیاد پر تفتیش کی ہو۔ قتل کرنا اور غلام بنانا ہندوستان میں مسلمانوں کی فتح بھی عام تھا اور ان لوگوں کے درمیان جو پورے طور پر مسلمان تھے جنگ اور لڑائی کے طور طریقے یکساں رہے۔

ہوس پرستی بادشاہت کی خمیر میں ہوتی ہے۔ اقتدار کی ہوس نیز مال و متاع کی لالچ اور سلطنت کی توسیع کا سودا دماغ میں ایسا بھرا تھا کہ اس کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ یہی اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سبھی بادشاہوں نے ایک ہی طریقے سے حکومت کی۔ اگر ضرورت ہوئی تو انھوں نے مذہب کا استعمال کیا ورنہ اسے نظر انداز کیا اور اگر جب انھوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کی حکمت عملیوں کو بروئے کار لانے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مذہب کی مخالفت کی جائے تو انھوں نے اس کی مخالفت بھی کی۔ ہندو اور مسلمان حکمرانوں کو جب دولت کی ضرورت ہوتی تو وہ مندروں کو لوٹ لیتے چونکہ مندروں میں دولت کا انبار لگا رہتا۔ دوسری طرف مندروں میں سوائے اینٹ اور پتھروں کی دیواروں کے کچھ نہ ہوتا۔ اسلیے حملہ آوروں کی نگاہ کبھی مسجد کی طرف نہیں اٹھتی البتہ اس وقت وہ مسجدوں پر بھی حملہ کرتے جب انھیں یہ معلوم ہوتا کہ وہاں دشمن پناہ گزیں ہیں اور یہی سبب ہے کہ کعبہ جو خانۂ خدا ہے اسے بھی نہیں چھوڑا گیا۔ رسول اللہ کی وفات کے کوئی پچاس سال بعد امیوں نے جو رسول اللہ کے رشتہ مندوں میں تھے، کعبہ کو ڈھا دیا۔

حد تو یہ ہے کہ کعبہ میں نصب شدہ سنگِ اسود جسے لاکھوں مسلمان ہر سال چومتے ہیں وہ اب سالم سیاہ اور بھورا پتھر نہیں ہے اس حملے میں یہ بھی چکنا چور ہو گیا تھا۔ متعصب مسلمانوں نے اپنے تعصبات میں کچھ مندروں کو مسمار کیا ہوگا لیکن یہ مثالیں مستثنیات میں ہیں۔ مقدس سنگِ اسود کی جو کہ واحد پتھر ہے جسے مسلمان بوسہ دیتے ہیں اور قابلِ احترام گردانتے ہیں کی لوٹ بھی مستثنیات میں ہے۔ ایک بار جب طاقتور دشمن - - - مسلمان ایسے کسی دور افتادہ مقام پر بھاگ گئے تو بیس برسوں سے زیادہ عرصے تک غزوہ مسلمانوں نے دنیا پر خدا کے اس عظیم شے کو بوسہ دیے بغیر حج کے فرائض انجام دیے۔ اگر مسلمان حملہ آور کعبہ پر حملہ کرتے ہیں تو اپنے مفادات کو بار آور بنانے کے لیے وہ دنیا میں کسی بھی عمارت کو منہدم کر سکتے ہیں۔

عہد وسطیٰ یا قدیم ہندوستان کے حکمراں آزاد خیال، جمہوریت پسند اور سیکولر نہیں ہوتے تھے۔ آج کے دور کی ان خوبیوں کو ان کے نام سے منسوب نہیں کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے دور کی قدروں کے زیرِ تحت حکمرانی کرتے تھے۔ وہ استبداد پسند تھے۔ دینی حکومت جس نے اس کے اختیارات کی حدیں باندھ دی تھیں، ان کے مفاد کے خلاف تھی۔ اقتدار ان کا دین تھا۔ قصر کرسی کا ان کی ساری سیاست تھی۔ اقتدار کے لیے رسہ کشی، مذہبی معاملات میں وہ روادار ہو سکتے تھے، متعصب ہو سکتے تھے یا غیر متعلق رہ سکتے تھے۔ فرقہ پرستانہ عمل ایک ترقی پذیر اور مضبوط عمل سلطنت کے لیے سود مند ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس پر کاربند نہیں ہوتے لیکن اگر ضرورت پڑی تو بادشاہ اپنے فرقے کو بھی خواہ وہ نسلی ہو یا مذہبی دبانے سے باز نہیں آتا۔ تعصب، استبداد، بالخصوص مسلمان بادشاہوں کے ان کا تعصب اور تشدد ان کی ہندو رعایا کے لیے اتنے وسیع پیمانے پر اور پر جوش طریقے سے مشہور کیا گیا کہ گویا اس کو اس میں کوئی عار نہیں تھا کہ وہ ساری مسلم قوم کو بشمول دستکار، مزدور اور کسان،

خون جگر، خون چوسا، لٹیرا، بحری قزاق، دشمن، تباہ کار طاقت، پرانے حملہ آور، بدخواہ اور ہمارے پرانے دشمن اور ہمارے کٹر دشمن کہیں، اسی طرح کی دشنام طرازیاں عام ہیں۔ یہ شعور اس لیے بیدار ہوا کہ تاریخ کی جگہ ایسی تاریخ رواج پاگئی جو نیم صداقت پر مبنی تھی۔ یہ سچ ہے کہ چتوڑ کے قلعے مغل اقتدار کے خلاف دفاعی جنگ کی گئی۔ یہ صحیح ہے کہ رانا سنگرام سنگھ نے بابر کی مخالفت کی اور اس سے نبرد آزما ہوا۔ ان کے لڑکے اودے سنگھ نے اکبر سے شکست کھائی اور ان کے پوتے رانا پرتاپ سنگھ نے ساری زندگی اکبر سے جنگ کی۔ یہ سچائی غلط بیانی میں بدل کر فرقہ پرستانہ ہو جاتی ہے۔ اگر آپ وہی کہیں جو ٹاڈ اور دوسروں نے کہا، تب ہم انھیں ”ہندو مزاحمت کا مرد میدان“ کہیں۔ یہ امر نیم صداقت بن جاتا ہے اور مہمل تاریخ کہلانے لگتا ہے۔ اگر آپ اس بات کو نظر انداز کریں کہ سنگرام کی تقریباً نصف فوج مسلمانوں کی تھی جس کی کمان محمود لودی اور حسن خاں میواتی کے ہاتھوں میں تھی۔ چتوڑ کے محاصرے میں ٹوڈرمل اور بھگوان داس اکبر کے ساتھ تھے۔ اور اسمٰعیل خاں پیدل فوج کا سپہ سالار اودے سنگھ کی طرف تھا۔ ہلدی گھاٹی کی مشہور لڑائی میں حکیم سور رانا پرتاپ کی طرف سے لڑا۔ اور مان سنگھ اور دوسرے بہت سارے لوگ اکبر کی طرف سے۔ یہی بات خسرو شاہ اور غیاث الدین تغلق کی لڑائی کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے جو کہ دلی میں لڑی گئی تھی۔ دونوں طرف فوج ملی جلی تھی۔

ہندو فرقہ پرست اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ سیاست سیاست تھی لیکن مذہبی تنگ نظری اور ظلم و استبداد ذاتی وجوہ کی بنا پر نہیں تھی بلکہ بنائے مذہب تھا۔ وہ کہتے ہیں۔

> ”مذہب اسلام ایک قاتل کو قابل احترام سمجھتا ہے اور ایک ... کی طرف قابل پرستش گردانتا ہے۔ یہ مذہب اپنے اہل مذہب کو دوسرے مذہب کے لوگوں کو مارنے کی ترغیب دیتا ہے اسلام کے عقیدے کے مطابق کافر کو قتل کرنا یا دوسرے مذہب والوں کے قتل کرنے اپنے ہم مذہبوں کی نظر میں بلند مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔ بصورت دیگر وہ شہید ہو جاتا ہے اور اس پر جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔“

مندرجہ بالا سطریں تحریر کرتے وقت فرقہ پرست یہ بھول جاتے ہیں کہ بھگوان کرشن نے اپنے عقیدت مندوں سے کہا تھا کہ وہ ان کے لیے لڑیں اور اس بات کا یقین دلایا کہ ”اگر تم قتل کر دیئے گئے تو تمہیں جنت (شہید) ملے گی اور اگر جیت رہے تو دنیا تمہاری ہوگی۔“ تاریخ مذہبی اعتقادات اور مذہبی قانون کی کسوٹی پر نہیں پرکھی جا سکتی ہے۔ دھرم شاستر کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے کہ جسے رامائن اور مہابھارت کی کہانی میں نہ توڑا گیا ہو اور شریعت کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسے نام نہاد اسلامی دنیا نے چیلنج نہ کیا ہو۔ اگر عہد وسطیٰ میں مسلمانوں کے دور میں عصبیت تھی تو قدیم ہندوستان میں ہندوؤں کے

دور میں معاملہ مختلف نہیں تھا۔ لیکن جیسا کہ پیشتر کہا جا چکا ہے کہ یہ باتیں مستثنیات میں تھیں۔ رواداری قدیم ہندستان میں اور معصیت عہد وسطیٰ کے ہندستان میں یہ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی ہے۔ ہم لوگ بالعموم اسی نوع کی تاریخ نویسی کے مارے ہوئے ہیں اسلیے ضرورت اس کی ہے کہ قدیم ہندستان میں جو ادھر ادھر تاریخ کی مثالیں ملتی ہیں ان پر روشنی ڈالی جائے۔

رواداری اشوک کے ریاستی پالیسی کی روح تھی جسے انھوں نے آخری دم تک برتا۔ تاہم اپنی حکومت کے آخری زمانہ میں بودھ مت دوستی کی پالیسی میں اتنا متشدد ہوگیا کہ اجیوکا اور جین جنھیں اس کی سرپرستی اور آزادی حاصل تھی پریشانیوں میں گرفتار ہوگئے۔ آخر کار اس نے منحرف بودھ راہبوں اور راہباؤں کو اس طرح دبانا شروع کیا کہ حکومت کی حمایت واپس لے لی اور سنگھ سے ان کے اخراج کا حکم دیدیا۔

زیندر گپت نے جو کہ گپتا خاندان کے آخری حکمرانوں میں تھے مگدھ پر حملہ کیا اور بودھوں کے مقدس بودھی درخت کو گیا میں کٹوا دیا اور جہاں تک ممکن ہو سکا بودھ مت کی بیخ کنی کی۔ تامل پرانوں کی رو سے سیوا دھرم کو جینیوں پر مظالم ڈھا کر مضبوطی سے قائم کیا گیا۔ آٹھ ہزار جینیوں کو ستونوں کے سہارے کھڑا کر کے ان کے جسم پر میخیں ٹھونک دی گئیں۔ حتیٰ کہ لالچ کو بھی جلادوں کے ہاتھوں اذیت اٹھانی پڑی۔

جے سنہا نے (۱۱۲۸ - ۱۱۵۵) جو کہ کلہانا کا ہم عصر تھا (مصنف راجہ ترنگنی) اور جو کشمیر کی خوبصورت وادی پر راج کرتا تھا بودھ کو توڑوایا اور سرینگر کے نزدیک ان لوگوں میں دو رکو جلوا دیا۔ اس سے بھی مورتیوں کو توڑنا اور مندروں کی جائیداد میں مداخلت بے جا کرنا روپے کے لیے نہ کہ مذہب کے لیے عام تھا۔ کشمیر میں آٹھویں صدی میں جے پیڈ کے دور میں یہ واقعہ پیش آیا۔ حتیٰ کہ اگرہارا کی زمین جو پجاریوں کے قبضے میں تھی حکمراں نے لے لی۔ دوسرے حکمراں سمکرا اور منے (۸۳۰ - ۹۲) مندروں سے وہ منافع لے لیا جو ـــــ صندل کی لکڑی اور دوسری چیزیں جو پوجا میں کام آتی ہیں کو بیچ کر ہوا تھا۔ (کلہانا)۔ اس نے جو سٹھ مندروں کو لوٹا اور مندروں سے متعلق گاؤں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ ہندستانی تاریخ کا سب سے بڑا بت شکن ڈی۔ ڈی کوسامبی کے قول کے مطابق مہرشی (۱۰۸۹ - ۱۱۰۱) تھا جس نے کشمیر میں سوائے چار مورتیوں کے سب کو توڑ ڈالا۔ یہ کام بڑے بے ضابطہ طور پر ایک مستقل راج منتری دیوت پرتنانگ کی نگرانی میں کیا گیا۔ کوسامبی مزید تحریر کرتے ہیں کہ مہرشی نے یہ کام اس طرح شروع کیا کہ سب سے پہلے اس نے ایک خیر آباد بھیمک سیدا مندر (نزد بیجبہرا) کہ جسے بیم ساہی نے قائم کیا تھا کے خزانے کو ہنگامی طور پر ضبط کرلیا۔ اس کے بعد راجہ مہرشی نے دوسرے مندروں کے خلاف راست عمل شروع کردیا۔ کوسامبی نے کشمیر کے سلسلے میں کلہانا کے بیان کو تسلیم کیا ہے۔ کلہانا لکھتا ہے کہ لالچی راجہ نے مندروں سے تمام نادر خزانے لوٹ لیے جنھیں اس کے پیشرو راجاؤں نے عطیہ کیا تھا۔ جب خزانے لوٹ لیے گئے تو بھگوان کی مورتیوں

پر قبضہ کرنے کے لیے اس نے اودے راج کو مقرر کیا۔ جو کہ دیوتاؤں کی مورتیوں کو تہ و بالا کرنے میں بڑی مشاق رکھتا تھا۔ مورتیوں کی بے حرمتی کرنے کے لیے ننگے گداگروں سے کہ جن کی ناک اور دست و بازو گل چکے ہوتے دیوتاؤں پر بول و براز پھکوایا کرتا۔ کلہانا مزید اس بات کی توثیق کرتا ہے کہ کوئی گاؤں کوئی قصبہ اور کوئی شہر ایسا نہیں تھا جہاں کے مندروں کی مورتیاں اس تروشکا راج مہرشی کے ہاتھوں لوٹی نہیں گئی ہوں۔

بت شکنی کی ایک طویل روایت ہے۔ رگ وید کے زمانے میں آریاؤں نے شہروں کو بغیر بے تباہ و برباد کیا۔ ہڑپا تہذیب میں بھی مندر ہوں گے جنھیں یقیناً حملہ آوروں نے برباد کر دیا جیسا کہ بعد کے حملوں میں ہوا۔ موریوں کے عہد میں جو مورتیاں بنائی گئی تھیں وہ بعد کے موریہ راجاؤں نے حصول زر کے لیے پگھلا دیں۔

مذہبی تعصب تو بہت کم تھا لیکن کسی خاص مذہب کی سرپرستی قدیم عہد میں بھی اسی طرح عام تھی جس طرح عہد وسطیٰ میں عام تھی۔ موریہ خاندان کے جلوکا نے بودھ مت کے ماننے والوں پر مظالم ڈھائے۔ اور سائیوزم کا پرچار کیا۔ اشوک راہبوں کو تحفے دیا کرتا۔ اے وکاس کو تحفے میں گپھیں نہیں ملی۔ دشرتھ کی آجوشکوں کے فوراً بعد۔ سلوسوکا نے جین مت کی طرفداری کی۔ کوٹلیہ نے اس بات کی وکالت کی کہ ریاست کو بھٹکتے ہوئے جوگیوں پر روک لگانے کے لیے طاقت کا استعمال کرنا چاہیے۔ برابر ہوچکا نے جینیوں کو ذلیل کیا۔ تعصب کی مثالیں اور مندروں کو مسمار کرنے کی مثالیں قدیم ہندستانی تاریخ میں کم ملتی ہیں کیوں کہ ایسے واقعات تعصب کے جو کشمیر میں مہرشی کے دور میں وقوع پذیر ہوئے بہت ہی مستثنیٰ ہیں۔ عہد وسطیٰ کی تاریخ میں تعصب کے ایسے واقعات کچھ زیادہ ہی ہیں۔ بہر کیف ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ قدیم ہندستانی تاریخ کے سلسلے میں ہمارے علم کی بنیاد صرف ایک مستند تاریخی تصنیف پر ہے اور وہ ہے "راج ترنگنی" برخلاف اس کے عہد وسطیٰ کے ہر بادشاہ پر کئی کئی کتابیں ملتی ہیں۔ مورخین کو اس امر پر غور و خوض کرنا چاہیے کہ کیا واقعی قدیم ہندستان میں عصبیت کے واقعات اور مندر شکنی کے واقعات کم ہوتے ہیں یا یہ کہ ہم ایسے واقعات سے بے خبر ہیں۔ یوں کہ ہمارے پاس کوئی تاریخی ماخذ نہیں ہے۔ سچائی جو بھی ہو فرق مزاج کا نہیں ہے درجے کا ہے۔ کیفیت کا نہیں ہے کمیت کا ہے۔ عام طور پر وہ عصبیت اور فرقہ وارانہ جنون جو آج دیکھنے کو ملتا ہے۔ قدیم ہندوستان یا عہد وسطیٰ کے ہندستان میں نہیں ملتا۔

عصبیت ان دونوں مذہبی فرقوں میں یوں نہیں تھی کہ دو تبلیغ کرنے والی جماعتیں اس دور میں ناپید تھیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس دور میں سماجی تصادم ضرور تھا۔ شودر اور دوسرے نچلے طبقے جن کی ہندستان میں اکثریت تھی وہ ادنیٰ محکومی کی زندگی گذار رہے تھے جن میں شاذ ہی کبھی اوپر جانے کی سماجی حرکت پذیری ہوتی۔

عہد وسطیٰ یا عہد قدیم میں وہ لوگ دائمی طور پر محکومی اور ذلت کا شکار تھے۔ چار ورنوں کی تقسیم جن کا

دعویٰ کرشن کرتے ہیں خود ان کی تخلیق کردہ ہے۔ وہ عورتوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ویش اور شدر کی ناجائز اولادیں برہمن کسانوں کو جنگجو طبقے کی غذا تصور کرتے ہیں۔ یہی وہ اعتقادات تھے جن کا برسراقتدار جماعت نے پرچار کیا بیٹ کچھ قدیم ہندوستان میں نچلے طبقے میں سنگدلانہ استحصال کے متعلق لکھا جا چکا ہے۔ اور یہ ایسا موضوع ہے جسے فرقہ پرست مورخوں اور ماہر عمرانیات نے فراموش کیا ہے۔ چنانچہ میں اس بات کو سوامی وویکانند کی تحریر کے اقتباس کے ساتھ ختم کرتا ہوں جو یہ سمجھتے تھے کہ اس ملک کی تاریخ برسراقتدار جماعت کی اس کوشش سے عبارت ہے کہ وہ مزدور پیشہ عوام پر اپنی برتری کو لازم قرار دیتے ہیں جن کے پسینے سے ان کی زندگی خوشگوار بنی اور اس میں آسودگی اور فراوانی آئی۔

جب کبھی برہمنوں نے دستاویزات تحریر کیں انھوں نے دوسروں کی آزادی اظہار کو سلب کر لیا۔ ویاس (مہابھارت کے مصنف) نے ویدوں کی غلط تشریح پیش کی تاکہ وہ اس طرح غریبوں اور رشتہ داروں کی حق تلفی کریں۔

.... اور وہ لوگ کہاں ہیں جن کی کرتوز جسمانی محنت نے تنہا برہمنوں کے اخلاقی مرتبے کو ممکن بنایا نیز چھتریوں کی فوجی طاقت اور ویشوں کی دست کے قیام میں مدد کی۔ انسانوں کے اس طبقے کی تاریخ کہاں ہے جو نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ ہندوستانی سماج کا بہت بڑا سہارا ہیں اور پھر بھی ان کا ذکر ملک کی زندگی کے کسی عہد میں نہیں ملتا۔ جب کبھی شدروں نے اوپری طبقے سے چھوٹی مانگ کی یہ اپنے حصے کے سلسلے میں۔ تو اس وقت اوپری طبقے نے جس کی علم پر اجارہ داری ہے۔ ان کی زبان کاٹ دی اور ان کے جسم پر کوڑے برسائے۔"

فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی دونوں کام کرتی ہے۔ وہ فرقہ پرستی کی پیداوار بھی ہے اور اسے پیدا کرتی ہے۔ ہندو سماج اور مسلمان سماج کا ذکر بغیر ذات پات طبقے، ور اور نسلی امتیازات کے فرقہ پرستی پیدا کرتا ہے۔ ہندو اور مسلمان فرقہ پرست مورخوں کے خیال کی نیز برطانوی سامراجی اسکول کے خیال کی یکسانیت پاکستان کے قیام میں آنے کے بعد ختم نہیں ہوئی اور وہ اب تک فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی پر کاربند ہیں۔ مورخوں کا ایک طبقہ یہ دعویٰ کرےگا کہ ہندوستان میں اسلام عربوں اور ترکوں کی خون کی پیاسی تلوار کے سبب پھیلا۔ دوسرا طبقہ اس قول کو چیلنج کرےگا وہ کہےگا کہ اسلام نے ملک میں امن و امان پھیلایا۔ مسلمان صوفیا جنگ کے کشتوں کو اپنی محبت اور اپنی پاکیزہ زندگی سے قابو میں رکھتے اور اس طرح وہ اسلام کو فروغ دینے میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔ یہ دونوں طبقے یہ بھول جاتے ہیں کہ تمام فوجی، سیاسی اور روحانی سرگرمیوں کے نئے مراکز میں ہندوؤں کی بالادستی تھی۔ شاہی دارالخلافہ دہلی، آگرہ، اورنگ آباد اور گلبرگہ علاوہ ازیں

ریاستوں کے دارالخلافہ یا صوبے مثلاً احمد آباد، احمد نگر، بیجاپور، حیدرآباد، الہ آباد، لکھنؤ، پٹنہ وغیرہ اور ان کے ساتھ صوفیوں کے مراکز جیسے اجمیر، گلبرگہ، گوالیار اور فتح پور سیکری زندہ مثالیں ہیں۔ اس بات کو پیش کرنے کے لیے کہ مذہب کی تبدیلی سے حکمرانوں کا کوئی واسطہ تھا اور صوفیوں کو برخلاف اس کے اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے مخالف نہیں تھے، وہ نہ صرف یکساں تھے بلکہ آج بھی ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں ساتھ رہ رہے ہیں ہر چند کہ فسادات کا سلسلہ جاری ہے۔ مزید یہ کہ فسادات فرقہ وارانہ نہیں ہوتے ہیں۔ دوسری نوعیت کے فسادات بھی ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً مسلم ریاست میں مسلمانوں کے درمیان مہاجروں اور پٹھانوں کے فسادات ہوتے ہیں اور ایک سیکولر ریاستوں میں ہندوؤں کے درمیان دلتوں اور غیر دلتوں کے فسادات ہوتے ہیں۔ سوسائٹی کبھی بھی انتشار سے آزاد نہیں ہوئی۔ لیکن تنہا مذہب اس کی ترغیب بہم نہیں پہنچاتا ہے۔

عہد وسطیٰ کے سماج کی حدوں میں، رہ کر اکبر نے ایک ایسی قدم کی بنیاد ڈالی جو کسی خاص فرقے کی جاگیر نہیں تھی۔ بہت سارے تعلیم یافتہ مسلمان پر زور احتجاج نہیں کرتے اگر وہ یہ سوچتے ہیں کہ انھیں وہ مقام نہیں ملا جس کی وہ پہلے کے دور میں تمنا رکھتے تھے۔ لیکن اکبر کے معاملے میں انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کو نظر انداز کرنے کی صحیح وجہ اکبر کا صلح کل ہے۔ ایسے دانشوروں نے جن کے ساتھ غفلت برتی گئی اور جو ہزار کوششوں کے باوجود کسی بڑے سرکاری عہدے پر نہیں پہنچ سکے جیسے عبدالقادر بدایونی اور شیخ احمد سرہندی نے اکبر کی حکومت کی بے جا تنقید شروع کر دی۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے فرقہ پرست مورخوں کی روحانی رہنمائی کی۔ اشتیاق احمد قریشی یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ احمد سرہندی نے اسلامی تعلیمات سے گندگی نکال باہر کی اور اصلی عقیدے کی تبلیغ و اشاعت کی۔ مزید وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ صحیح العقیدہ لوگوں کے سچے رہنما ہیں۔ اور ان کے اس مرتبے کو لوگوں نے بالاتفاق مان لیا ہے۔ شیخ احمد سرہندی کے خیالات کی اشاعت سے نیز ان جیسے اور دوسرے فلسفیوں کے خیالات کو عام کرنے سے لوگوں نے یہ عقیدہ استوار کر لیا کہ اسلام ہی تنہا صحیح مذہب تھا۔ اپنے اور اس کے پیروکار رہے ہیں انھیں رہنا چاہیے آقاؤں کی طرح اور دوسرے لوگوں کو ذلت و رسوائی میں رہنا چاہیے۔ ایسے دانشور نہ اپنے دور میں مقبول تھے، اور نہ آج مقبول ہیں۔ اور یہ وہ بات ہے جسے فرقہ پرست نہیں ماننے کو کہتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ مقبول تھے۔ سماج میں مقبول وہ تھے۔ جو امن و آشتی کا پیغام سناتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے اور شیخ احمد سرہندی کے مزار سے کہیں زیادہ لوگ اس پر حاضری دیتے ہیں۔

شیخ احمد سرہندی اس بات سے مطمئن نہیں تھے کہ انھوں نے اکبر کی غلط کاریوں کی نشاندہی اکبر کے عہد میں کر دی بلکہ وہ اس سے بھی کہیں زیادہ شدت سے ہندوؤں سے اور ان مسلمانوں سے بھی نفرت کرتے جو ان کے تصور اسلام کو نہیں مانتے۔

تھے۔ ایسے مفکر کو مثالی بنا کر پیش کرنے کے معنی یہ تھے کہ آپ ہٹلر اور . . . کو مثال بنا رہے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے دیوتاؤں کی کوئی عزت نہیں کرتے تھے اور ہندوؤں کے سب سے زیادہ پوجا کیے جانے والے بھگوان رام اور کرشن کی بھی بے عزتی کرتے اور انھیں اس دور کے نام نہاد ادنیٰ اور نیچی ذات کے مرتبے تک پہنچا دیتے، ادنیٰ ترین بھنگیوں کے مرتبے تک۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ سب ہی انسان آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔ لیکن سرہندی ایک بڑی تعداد میں آدم ——— کی اولاد سے نفرت کرتے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اسلام کی عظمت اس بات میں ہے کہ بے دینوں اور بے دین کو ذلیل و خوار کیا جائے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انھیں (ہندو) ایک مقام دینا اپنی سوسائٹی میں (ہندوؤں کو) اور (مسلمانوں) کو ان کی سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے سے اسلام کو رسوائی ہوتی ہے۔ ہندوؤں کو اتنے ہی فاصلے پر بٹھانا چاہیے جتنے فاصلے پر کتوں کو بٹھاتے ہیں۔ ہندوؤں سے اس کے نفرت کا جذبہ ساری حدوں کو توڑ پھوڑ کر نکل جاتا ہے۔ جب وہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ جزیہ عائد کرنے کا صحیح مقصد یہ ہے کہ انھیں ذلیل کیا جائے اور ان کی ذلت و خواری اس مقام پر پہنچ جائے کہ نہ تو وہ اچھے ملبوسات پہن سکیں اور نہ انھیں ساری زندگی ذہنی سکون مل سکے۔ ہندوؤں کو جو مسلمانوں کی طرح آدم کے بچے ہیں، مستقل ظلم اور خوف میں رکھنا ایک مسلمان بادشاہ کا فرض ہے۔ سرہندی کو ان مسلمانوں سے بے پناہ غصہ اور دشمنی ہے جنھیں وہ غیر مقلد اور رافضی سمجھتے ہیں۔ خاص طور پر شیعوں سے جن کے یہاں رسول ﷺ کے بعد سے امامت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سائنس (قرآن کے باہر) بیکار بھی ہے اور نقصاندہ بھی۔ سرہندی مسلمانوں کے ذہن کو مذہبی رسومات کی قید میں بند کرنا چاہتے ہیں اور ان ساری چیزوں پر زہر چھڑک دیتے ہیں جو ان کے فہم و ادراک سے باہر تھی۔ ان کی اسکیم میں سیکولر اور سائنس علم طلبا کو نہیں دینا چاہیے۔ مزید یہ کہ خود ان کی سماجی علوم کی واقفیت بے حد محدود تھی۔

شاہ ولی اللہ جو شاید ہندوستان میں سب سے بڑے مذہبی مفکر ہیں وہ بھی شیخ احمد سرہندی کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ انھیں امام مجدد الف ثانی کے خطاب سے یاد کرتے ہیں گو مذہبی معاملات میں انھیں اختلاف ہے وہ وحدۃ الوجود کے معاملے میں لیکن ہندوؤں کے سلسلے میں ان کا بھی رویہ وہی ہے۔ "امام (شاہ یا حاکم) ان سے (ہندوؤں سے) محکوموں اور پسماندہ لوگوں کی طرح فصل کٹوائی، غلہ پھٹکوائیں اور دوسرے محنت کا کام لیں۔ اسی طرح جس طرح . . . کے جانوروں سے لیتے ہیں۔ ان نوع کے خیالات حاکموں اور محکوموں دونوں نے نظر انداز کیے لیکن ہمارے دور کے فرقہ پرست مورخوں کے لیے یہ نمونہ بن جاتے ہیں۔

فرقہ پرستانہ تاریخ نویس کا جوہر یہ ہے کہ ہندو عہد امن اور رواداری کا عہد تھا۔ برخلاف اس کے مسلم عہد تباہیوں اور بربادیوں کا عہد تھا۔ مکمل طور پر مسلمانوں کی بحیثیت طبقے کے ساتھ شناخت قائم کر کے مسلمانوں کے فرقہ پرست مورخ مسلمان

بادشاہوں کا دفاع کرتے ہیں۔ دونوں قسم کے دانشوران لوگوں کو نظر انداز کرتے ہیں جو مال ومتاع کی افزائش میں پیش پیش تھے اور جن کی دولت نے حملہ آوروں اور سیاحوں کو اس ملک کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ اوپری طبقے پر سوامی دویکانند کی سخت تنقیدوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ہندو عوام کی بڑی تعداد . . . دلیش اور ایسے لوگ جن کا تعلق کسی بھی طبقے سے نہیں تھا، یکساں ذلت اور غربت کی زندگی ہندو عہد اور مسلم عہد میں گزار رہے تھے۔ مسلمانوں کی اکثریت کے ساتھ بھی جو اسی طبقے سے ابھری تھی، کم و بیش مسلم عہد میں وہی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ غریب مسلمان بھی غربت اور ذلت کی زندگی گذارا کرتے تھے۔ بہت سارے ایسے لوگ جو ہندوستان میں اسلام کے مشعل بردار تھے، ہندوؤں کے لیے زہر بھری زبان رکھتے تھے اور کم ذات مسلمانوں کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے۔ ضیاء الدین برنی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انھیں ہر حال میں تعلیم سے الگ تھلگ رکھا جائے۔ ان کی نصیحت: وہیں کہ جس میں انھوں نے مرکز میں سچائی کے قیام کی بات کی ہے، برنی کہتے ہیں: ہر نوع کے مدرسین کو سنجیدگی سے یہ حکم سنانا چاہیے کہ وہ کتوں کے گلے سے قیمتی پتھر نہ نکالیں اور نہ یہ کہ سور اور ریچھ کی گردن میں سونے کا پٹہ ڈالیں۔ مطلب یہ کہ کمینوں، رذیلوں، اور نا کاروں کو دوکانداروں اور کم ذاتوں کو نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے قاعدے کے علاوہ قرآن کی کچھ سورتیں اور مذہبی احکام سکھا دینے چاہئیں اور کہ ان کے بغیر ان کا مذہب درست نہیں ہوگا اور صحیح نماز پڑھنے کے اہل نہیں ہو سکیں گے۔ لیکن ان چیزوں کے علاوہ انھیں اور کچھ نہ پڑھایا جائے ورنہ ان رذیلوں کی روح تفاخر محسوس کرے گی۔ ان لوگوں کو لکھنا پڑھنا نہیں سکھانا چاہیے، کیوں کہ کم ذاتوں کے علم میں دسترس حاصل کرنے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مذہبی معاملات اور حکومت کے معاملات میں جو ابتری پھیلی ہے، وہ ان میں کم ذاتوں کے سبب سے جواب ہنر مند ہو چکے ہیں۔ کیوں کہ علم کے سبب وہ گورنر (والی) بن گئے ہیں۔ دیوبند کے تحصیل دار (عامل) بن بیٹھے ہیں۔ اگر مدرس نافرمان ہے اور چھان بین کے وقت یہ معلوم ہو کہ انھوں نے علم کی تعلیم کی ہے۔ اور کم ذاتوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا ہے تو یہ بات ناگزیر ہوگی کہ انھیں حکم عدولی کی سزا دی جائے۔ شیخ احمد سرہندی نے علم کی اجازت دی لیکن صرف مذہبی علوم کی لیکن شاہ ولی اللہ اس بات کیلئے بھی تیار نہیں ہیں کہ عام مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ مذہبی تعلیم دی جائے۔ انھوں نے یہ اعلان کیا کہ اہل اقتدار سختی سے ہدایت کردہ تجویزوں کو نافذ کریں اور اپنا مقصد بتائیں اور انھیں یہ حق نہ دیں کہ کسی شرعی آئین کی طرف دیکھیں۔ انھیں (بادشاہ، قائد، اقتدار) چاہیے کہ وہ شریعت کے راز کے علم کو جو کہ تفصیلی آئین کا ایک ذریعہ ہے۔ عوام کے لیے راز بنائے رکھیں . . . ورنہ ان کے فکر کا دائرہ وسیع ہو جائے گا اور وہ لوگ تنازعہ میں پھنس جائیں گے۔ وہ اندھی تقلید کا حکم دیتے تھے۔ سید احمد خاں البتہ ایک جدید اصلاح پسند تھے۔ وہ اس بات کے لیے کوشاں تھے کہ کم ذات مسلمانوں کو بھی مغربی تعلیم بہم پہنچائی جائے۔ تا کہ وہ برطانوی نوکریوں کے حصول میں دوسرے ہندوستانیوں کا مقابلہ کر سکیں۔ لیکن نوکریاں

ایک مسلم مسلمان کی جو لطے تعلیم یافتہ ہو، ذہین اور طباع ہو، سوا رج بھتیں۔ اقتدار کے مدارج اور فیصلے لینے والے عہدے سید احمد کے بقول انھیں اس وقت تک نہیں سونپے گئے تھے یا ستحقاق اونچے گھرانے کے اشرافیہ کے لڑکوں کو حاصل ہے۔ مرکزی طور پر رہنمایان قوم ضیاء الدین برنی تا سید احمد خاں جنھیں خاص سرپرستی حاصل تھی اور جو کہ فلسفی تھے ایک خاص قسم کے مورخوں کے جو کہ مسلم اشرافیہ کی نمائندگی کر رہے تھے۔ مسلم اکثریت یا مسلم عوام کی نہیں۔ اور یوں مسلمانوں کی فرقہ وارانہ تاریخ نویسی بھی مسلم اقلیت کے مفاد کی نمائندگی کرتی ہے مسلم عوام کی نہیں۔

پاکستان کی تقسیم اور بنگلہ دیش کا وجود میں آنا، کراچی میں نسلی فسادات، افغان مجاہدین کے درمیان شیعہ سنی تنازعہ اور ہندستان اور پاکستان میں غیر مذہبی مسائل کا ہجوم۔ یہ سارے امور اس بات کے متقاضی ہیں کہ دونوں جانب کے دانشوروں کو ہمارے شاندار ماضی کی پرتجسس چھان بین کرنی چاہیے۔ یہ باشعور اور محتاط چھان بین اس لیے اور بھی ضروری ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے سیکولر اہل قلم، سوویت یونین کے مارکسی اہل قلم اور مغرب کے ___ مصنفین بالواسطہ یا بلاواسطہ برعظیم میں فرقہ پرستی کی ہمت افزائی کر رہے ہیں۔ - - - - - - - - - - نیویارک میں ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ ایک عجیب مثال ہے مغربی ___ تاریخ نویسی کو فرقہ وارانہ تاریخ نویسی کی محکوم بنانے کی۔ یہ ایسی صیات ہے جس میں ہندستان نیز سوویت کے مارکسی مصنفین پیچھے نہیں رہتے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں برنی، بدایونی، شیخ احمد سرہندی اور علی ہمدانی مسلمانوں کے ہیرو، اور ہندو تاریخ نویسی کے شیطان کافی جگہ پاتے ہیں جبکہ ابو الفضل اور دارا شکوہ ہندوستان کے اتحاد کے نمائندوں کو معمولی سا مقام دیا جاتا ہے اور عبدالرحیم خانخاناں، امیر خسرو، ملک محمد جائسی اور نور الدین رشی کو جو کہ مخلوط تہذیب کے شعرا ہیں، کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

بہت سی تصنیفات میں فرقہ پرستی اور پاکستان کے قیام کی مکمل طور پر مسلمانوں کی ساخت کی جاتی ہے۔ فرقہ پرستی اور علیحدگی پسندی سید احمد خاں سے شروع ہوتی ہے۔ اور محمد علی جناح پر ختم ہوتی ہے۔ عہد وسطی کی ہندستانی تاریخ کا ایک سوویت ٹکسٹ بک میں مذہب کی بنیاد پر مطالعہ کرایا جاتا اور جدید ہندوستانی تاریخ خاص طور پر مابعد ۱۸۵۷ء کی تاریخ بھی اسی طرح نقصان اٹھاتی ہے۔ فرقہ وارانہ تاریخ نویسی کے نمونے کے لیے دیکھیں منیر

ضمیمہ 11 A

سرسید نے تقسیم کا بیج ڈالا

از: بی۔ آر۔ نندا

ایک ایسے بیان سے جو کہ تین سو صفحوں کا احاطہ کرتا ہے اور احاطہ کرنے والا ایک بہت بڑا دانشور اور بزرگ مدبر ہے قاری یہ توقع رکھتا ہے کہ اس میں تقسیم ہندوستان کے اسباب کا گہرا تجزیہ کیا جائے گا۔ لیکن مولانا آزاد خود کو کچھ واقعات تک محدود کرتے ہیں اور کچھ شخصیتیں تقسیم کرتے ہیں۔ ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہم اس بات پر یقین کرتے کہ اتنا بڑا انقلابی واقعہ جیسے تقسیم ہند اسلیے ہوا کہ جواہر لال نہرو نے ۱۹۳۷ء میں یو پی کی کانگریس وزارت میں مسلم لیگ کو دو سیٹ دینے سے انکار کیا تھا یا ۱۹۴۶ء میں نہرو نے کیبنٹ مشن پلان پر غیر مناسب جملے یا ولبھ بھائی پٹیل کا عبوری حکومت میں وزارت داخلہ کو اپنے ہاتھ میں رکھنا۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلم علیحدگی پسندی جس کی انتہا تقسیم وطن پر ہوئی۔ اس کی جڑیں اس عشرے میں پیوست نہیں ہیں جس کا ذکر مولانا نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ان کی تلاش ہمیں شملہ وفد، علیحدہ حق رائے دہندگی اور ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قیام میں ڈھونڈنی ہوگی۔ بلکہ اس سے بھی پہلے ہمیں سرسید احمد خاں تک جانا ہوگا۔ جنہوں نے اس بات کے لیے زبردست دباؤ ڈالا کہ ان کی قوم قومی تحریک سے الگ ہو جائے۔ تحریک اس وقت رفتار میں آگئی کہ سرسید احمد نے بہت بڑا سوالیہ نشان کھڑا کر دیا جس نے ہندوستانی سیاست پر اگلے ساٹھ برسوں کے لیے سایہ ڈال دیا۔ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی کیا پوزیشن ہوگی؟ برطانوی استبداد کی جگہ ہندوستان جمہوریت لے لیتی ہے۔ تو کیا وہ ہندوؤں کے لیے کوئی دائمی منفعت کی صورت پیدا کرے گی کیونکہ وہ اپنی بھاری اکثریت کے سبب مسلمانوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔

برطانیہ دشمن جذبہ: پہلی جنگ عظیم کے کچھ ہی دنوں بعد جنگ بلقان اور ترکی کے مصائب نے ہندوستانی مسلمانوں میں برطانیہ دشمنی کا جذبہ پیدا کر دیا اور کچھ برسوں تک مسلم لیگ لکھنؤ کے ایک گروہ کے قبضے میں رہی جو کہ قوم پرستانہ رجحان رکھتا تھا ہندو مسلم اتحاد کو جنگ کے بعد ایک بڑھاوا ملا جب گاندھی نے ہندوستانی مسلمانوں کے اس مطالبے کی حمایت کی کہ ترکی کی علاقائی سالمیت کی حفاظت کی جائے۔ فرقہ وارانہ تنازعہ اگلے عشرے میں طوفانوں کی طرح اٹھ کھڑا ہوا جبکہ مسلم علیحدہ پسندی منظر پر چھا گئی اور اس نے ہندوستان کی سالمیت کی راہ کو مسخ کر دیا۔ اس ڈرامے کا جو اگلے عشرے میں کھیلا جانے والا تھا ایک مرکزی کردار جناح تھے۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے جناح کو ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں زبردست شکست ہوئی تھی نہ صرف یہ کہ مسلمان ووٹروں نے ان کی پارٹی کو مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہرا کر ان پر حکومت کے دروازے بند کر دیئے۔ بلکہ مسلم اقلیتی صوبے میں بھی

ان کی پارٹی ہار گئی۔ بہرحال وہ ایسے آدمی نہیں تھے کہ وہ تاریخ کو اپنے سر سے گزرنے کا موقع دیتے۔

وہ پروپیگنڈے اور نشرو اشاعت سے وہ چیز حاصل کرنا چاہتے تھے جو انھیں بیلٹ بکس سے نہیں ملی۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ مذہبی جذبات کی بارود کو استعمال کریں تاکہ سیاسی اثرات اور اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔

کانگریس حکومتیں چند ہفتے کی بھی نہیں تھیں جبکہ انھوں نے ان پر یہ الزام عائد کرنا شروع کیا کہ وہ مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہے ہیں۔ ان کے الزامات مولانا آزاد کے قول کے مطابق بے بنیاد تھے۔ لیکن انھوں نے بے انتشار پھیلایا اسلام خطرے میں ہے کی پکار کانگریس کے مظالم کی داستانیں اور ہندو راج کا خیال لے کر ان باتوں نے ایسی فضا قائم کردی کہ جناح ایجاد دو قومی نظریہ نیز تقسیم ہند کی تیاری کرلی۔

آزاد مسلم ہند کا تصور بر عظیم میں گویا یادگار رہا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت پارینہ کا۔ یہ دل لبھانے والے امکانات ایسے نہیں تھے کہ عام انسانوں کی نظر میں نہ آتے۔ مسلمانوں کا متوسط طبقہ جو کہ تاریخی اسباب کی بنا پر سرکاری نوکریوں تجارت اور صنعت کی دوڑ میں کچھ علاقوں میں پیچھے رہ گیا تھا اسے اس مسلم ریاست کا خیال بڑا ہی کشش انگیز محسوس ہوا۔ بنگال اور پنجاب کے زمینداروں نے دیکھا کہ جواہر لال نہرو جیسے ترقی پسند سیاست دانوں سے نجات ملے گی جو کہ زمینداری ختم کرنے کی خطرناک بات کرتے ہیں۔ مسلمان افسر اس بات پر خوش تھے کہ کچھ ریاستوں میں وہ ہندو خلافت کے بغیر کھوئے ارض و سماے دوچار ہوں گے۔ ۲۰-۱۹۱۹ء میں ہندو مسلم اتحاد کا پانی بلند ترین نشان پر پہنچ گیا تھا۔

بہرحال یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ قومی جدوجہد نے نہیں بلکہ ترکی اور اسلام کے چند مقامات مقدسہ کی فکر نے خاص تڑپ پیدا کی اور اس نے دونوں فرقوں کو ایک دوسرے کے قریب بھی کیا تھا۔ یہ مذہبی جذبہ عمیق بھی تھا اور اس میں خلوص بھی تھا لیکن یہ وہ ایک مقصد سے جڑا ہوا تھا جسے ترکوں نے خود ہی سلطان خلیفہ کے ادارے کو منسوخ کر کے ایک شرمناک انجام تک پہنچا دیا۔ چنانچہ مسلم فرقے کو قوم پرور تحریک کے قلب میں پہنچانے کا جو تجربہ تھا وہ اپنی نفسیاتی علیحدگی کو ختم کرنے میں ناکام رہا۔ اور اس نے اس بات کی تصدیق کردی کہ اس کے اندر ایک رجحان یہ ہے کہ وہ سیاسی مسائل کو مذہبی زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔

ہندو مسلم اتحاد کے تانے بانے جس پر گاندھی نے بہت محنت کی تھی۔ تحریک عدم تعاون اور خلافت تحریک کے زوال کے بعد تار تار بکھر گئے۔ ان کی آواز جس میں کبھی بڑی طاقت تھی، دونوں جانب کے متعصب لوگوں کی فرقہ پرستانہ الزام تراشیوں کے شور میں گم ہو گئی تھی۔ ایک مناسب نسخہ مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد، جو ۱۹۲۰ء کے منشور میں تھا وہ ایک آل پارٹیز کانفرنس کا منظور شدہ فرقہ وارانہ معاہدہ تھا۔ بہت ساری سیاسی پارٹیوں کے رہنما اور مذہبی تنظیموں نے

سرکاری نوکریوں کی تقسیم کی کوششیں کی۔ نیز مجلس قانون ساز میں سیٹوں کی۔ یہ سوراج کا مال غنیمت تھا۔ انھیں یہ بات بہت مشکل دکھائی دی کہ وہ اپنے معاندانہ دعووں پر کوئی تصفیہ کر سکیں۔

ادنیٰ سیاستیں: گاندھی یہ فریب کاری کی سیاست کو ناپسند کرتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ ہندو ایسی فراخ دلی دکھائیں کہ مسلمانوں کے دل سے خوف نکل جائے۔ ان کی مسلمانوں کو بلینک چیک کی پیشکش کا مسلمانوں نے مذاق اڑایا۔ اور ہندوؤں نے اس پر احتجاج کیا۔ بدقسمتی سے ہندو سیاستدانوں میں فراخدلی کی اتنی ہی کمی تھی جتنی مسلمانوں میں جرأت کی۔

وہی ایک بیکار نمونہ اتحاد کانفرنس کا گول میز کانفرنس لندن میں دہرایا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں حکومت برطانیہ نے کمیونل ایوارڈ کی صورت میں ایک حل نافذ کیا جس نے مجلس قانون ساز کی تعداد اور طریقۂ نمائندگی طے کر دیا۔ کمیونل ایوارڈ میں علیحدہ حق رائے دہندگی کی استواری کانگریس کی پالیسی کے منافی تھی۔ لیکن اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے نامنظور نہیں کرے گی اگر کوئی ایسا حل نکل آئے جس پر سبھی فرقے اتفاق کر سکیں۔

گو کہ کمیونل ایوارڈ نے مسلم لیگ کے سبھی سیاسی مطالبات کو مان لیا تھا، ہندوؤں کے بالمقابل، مسلم سیاست پرانی ڈگر پر چلتی رہی۔ مسلمانوں تاجروں اور صنعت کاروں نے خالی میدانوں کے خواب دیکھنے شروع کیے۔ ایسے میدان جہاں وہ ہندوؤں کے مقابلے سے آزاد ہو کر شاندار بزنس کریں گے۔

علیحدگی پسند نظریہ: ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ چھڑ جانے سے علیحدہ پسندی کے نظریے کا خوب پرچار کیا گیا۔ لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند اور ان کے مشیر ہو کانگریس کی پسپائی کی پیش بندی کر رہے تھے، دوستوں کی تلاش میں تھے۔ جنگ کے زمانے میں جناح نے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ وہ کافی محتاط تھے اس بات میں کہ انگریزوں سے ناچاقی نہ پیدا کی جائے۔ اور انھوں نے داؤں پیچ میں فضل الحق اور سکندر حیات جیسے جہاں دیدہ صوبائی سیاستدانوں کو پچھاڑ کھایا تھا اور انھیں قابو میں لے آئے تھے۔ جب کانگریس ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑو، تحریک کے لیے خود ساسی جلاوطنی میں چلی گئی تو جناح برطانوی گورنروں کی مدد سے اس بات میں کامیاب ہو گئے کہ مسلم لیگ کی وزارت آسام، سرحد، سندھ اور پنجاب میں قائم کر دی جائے۔ اس کوشش میں کہ آئین تعطل کا (۱۹۳۹ء — ۱۹۴۶ء) کوئی حل نکالا جائے انھوں نے کوئی نہ کوئی سیاسی فائدہ اپنے لیے یا اپنی پارٹی کے لیے حاصل کیا ہے۔ کرپس مشن ۱۹۴۲ء میں انھیں اہمیت یوں دی تھی کہ صوبوں کے عدم الحاق کی گنجائش کے معنی تھے یا بالواسطہ طور پر تقسیم کے اصول کی تصدیق کرنا۔ بد انجام بھولا بھائی لیاقت علی پیکٹ کو انھوں نے رد کر دیا تھا۔ لیکن انھوں نے کانگریس اور لیگ کے درمیان ایک عبوری حکومت میں مساوات کا خیال پیش کیا۔ گاندھی جناح مذاکرات جو ۱۹۴۴ء میں ہوئے لیگ لیڈر کے لیے اتنے سود مند تھے کہ انھوں نے ان کے حلقہ والوں میں ان کا رتبہ بلند کر دیا

ان کے حق نامنظوری کے استعمال نے ۱۹۴۵ء کی شملہ کانفرنس کو ناکام بنا دیا۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں آزادی کی طویل جنگ میں جو کانگریس اور حکومت برطانیہ کی جنگ تھی۔ برطانیہ نے مسلم لیگ کے لیے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا کر لیا تھا۔ وہ خوش تھے کہ اب وہ مسلم علیحدہ پسندی کو استعمال کر سکتے تھے۔ جس طرح انھوں نے راجواڑوں کو استعمال کیا۔ تاکہ قوم پرور ہندوؤں کو بند کر دیں۔ جیسا کہ برطانوی مورخ پیٹر ہارڈی اپنے عالمانہ خطبے میں سیاست کے متعلق بتلاتے ہیں۔ ان سے (برٹش) یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ غیر فرقہ وارانہ قوم پرستی کے مقاصد کی ہمت افزائی کریں گے اور اس طرح خود بحیثیت فرمانروائے ہندوستان اپنی موت کی جلدی کریں گے۔ یہ معنی رکھتا ہے کہ یہ دنیا میں برطانوی سیاسی اور اقتصادی مرتبے کا ایثار ہی نہیں ہوگا، بلکہ حکومتوں کی تاریخ کی دنیا میں ایک پیغمبرانہ بصیرت بھی ہوگی۔

دو قومی نظریہ اور اُس کی ابتدا

رفیق زکریا

میں بی۔ آر۔ نندا کی بڑی عزت کرتا ہوں۔ میں ان کی عالمانہ بصیرت اور تحقیقی کاموں میں ان کی انتھک محنت کا بڑا قائل ہوں۔ اسلیے مجھے ان کے اس الزام پر کہ سرسید نے مسلم علیحدہ پسندی کا بیج ڈالا تھا۔ سخت حیرت ہوئی۔ یہاں بیشک وہ ہندوستان اور پاکستان کے بہت سارے مورخوں کے نقش قدم پر چلے ہیں جو علی گڑھ تحریک کے بانی کو 'دو قومی نظریہ' کا بانی سمجھتے ہیں۔

ڈاکٹر لپنے تحقیقی کام

میں یہ نتیجہ برآمد کیا ہے کہ سید ہندوستان میں فرقہ پرستی کے پیشرو تھے،
اور مسٹر نوال چنتامنی کا خیال ہے کہ سید نے سب سے برا کام یہ کیا کہ اپنے افعال اور افکار سے اپنے ہم مذہبوں کو اس بات سے باز رکھا کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ ملک کے عوامی کاموں میں مشترکہ پروگرام بنائیں۔

ہندوؤں کے دشمن: اسی طرح ڈاکٹر کے۔ بی۔ کرشنا نے اپنے مقالے میں یہ تحریر کیا ہے کہ یہ سرسید تھے جنھوں نے سب سے پہلے ہندوستان میں ایک مسلم قوم کی بات کی تھی۔ ہندو دانشور اپنے سارے معاملات میں برطانیہ کے پیچھے صف بندی کر لیتے ہیں۔ جو سرسید کو ہندو دشمن کی حیثیت سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ حیرت تو یہ ہے جو ایک ممتاز مورخ ہیں۔ یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ سرسید کا مجموعی رویہ نظریہ پاکستان

کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پاکستانی کچھ زیادہ ہی خوش ہیں کہ سرسید کو وہ تصور پاکستان کا بانی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ پاکستان کے بانی جناح آخر آخر تک اس کی بالکل صحیح تعریف نہیں کر سکتے تھے۔ اور جب اس کا قیام عمل میں آگیا تو انھوں نے دو قومی نظریے کو خیر باد کہہ کے نئی مملکت کو سیکولر مملکت قرار دیا۔ لیکن اس نے پاکستان کی سرکاری اشاعت

پر روک نہیں لگائی جو مسرت انداز میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ سرسید پہلے مسلمان تھے جنھیں یہ احساس ہوا اور جنھوں نے اس بات کا اعلان کیا کہ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیں تھیں جن کے علیحدہ اور بسا اوقات متصادم معاشی، سیاسی اور تہذیبی مفادات تھے۔ وہ پہلے آدمی تھے جنھوں نے اپنی قوم کے لیے ایک علیحدہ ریاست کا دھندلا دھندلا سا خواب دیکھا تھا۔ یوں وہ پہلے پاکستانی تھے۔

سرسید اس پیش رفت کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن انھوں نے اسے تسلیم کر لیا۔ جلد ہی وہ راجہ شیو پرشاد کی حکمت عملی سے بدظن ہو گئے۔ جو کانگریس کی نفرت میں ایک مرکزی تنظیم سے یہ چاہتے تھے کہ وہ حکومت سے یہ مطالبہ کرتے کہ جلد سے جلد کانگریسی رہنماؤں پر حیثیت مجرم کے مقدمہ دائر کرے اور اگر ضرورت پڑے تو تعزیرات ہند میں مزید کچھ دفعات کا اضافہ کر دے۔ سرسید نے اپنے ہندو رفقا سے اتفاق نہیں کیا اور پرانی مجلس کی از سر نو ایک نئے نام سے تنظیم کی۔

اس اثنا میں پریس میں ایک

متنازعہ فیہ مسئلے زور و شور سے چل پڑا کہ قوم کی تشکیل کس طرح ہوتی ہے۔ (یہ دو لفظ کا بڑی آزادہ روی سے تبادلہ ہوا۔) سرسید نے اپنے موقف کی صفائی میں ایک خط مورخہ ۱۰ نومبر ۱۸۸۸ء کے "پائنیر" میں شائع کر دیا۔

"لفظ قوم اور نیشن سے میں ہندو اور مسلمان دونوں لیتا ہوں اور لفظ قوم کے بھی یہی معنی میں سمجھتا ہوں میرے نزدیک یہ بات بالکل ہی غیر اہم ہے کہ لوگوں کا مذہبی عقیدہ کیا ہے۔ کیوں کہ مجھے یہ چیز بہت کم نظر آتی ہے۔ لیکن جو بات ہمارے مشاہدے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم سب لوگ، خواہ اس میں ہندو ہوں یا مسلمان ایک ہی سرزمین پر رہتے ہیں اور ایک ہی حاکم کی رعایا ہیں۔ ہم سبھوں کے لیے گذر اوقات کے ذرائع بھی ایک ہی ہیں۔ اور قحط کے مصائب سے بھی ہم یکساں پریشان ہوتے ہیں یہی کچھ اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم ان دو فرقوں کو جو ہندوستان میں بستے ہیں ہندو کہتے ہیں۔ یعنی کہ ہندوستان کے بسنے والے، اور اس زمانے میں جبکہ لیجسلیٹو کانفرنس کا ممبر تھا میں ان کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہا۔"

سرسید کا کردار: جواہر لال نہرو نے سرسید کے کردار کے متعلق بہت صحیح لکھا ہے "سرسید اس امر میں حق بجانب تھے

کہ انھوں نے سارا زور مغربی تعلیم پر صرف کیا اور مسلمانوں کو اس راہ سے ہٹنے کی اجازت نہیں دی اور نہ اس بات کی اجازت دی کہ وہ سیاست میں حصہ لیں کیوں کہ وہ اس نئے قسم کی ہندستانی قومیت کی تشکیل میں کوئی موثر رول ادا کر سکتے ہیں اور وہ ہندوؤں کے ہاتھوں میں کہ جن کے پاس اعلیٰ تعلیم ہے اور جن کی معاشی حالت بھی نہیں اچھی ہے، کھیلنے سے تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

سچائی کیا ہے؟ اس میں شبہے کی گنجائش نہیں کہ سرسید مسلمان نوجوانوں کو جو اپنے ہندو مقابل سے انگریزی تعلیم اور مغربی خیالات کے حصول میں بہت پیچھے تھے، اس بات کے لیے منع کرتے تھے کہ وہ نئی تشکیل شدہ انڈین نیشنل کانگریس میں شریک ہوں اور ایسا کرتے ہوئے وہ یہ کہتے تھے کہ ہندو اور مسلم تو علیحدہ قوم اینشتر ہیں۔ وہ نمائندہ اداروں کی مخالفت کرتے لیکن ان کی مخالفت فرقہ وارانہ نہیں تھی بلکہ انگریزوں کی دوستی اور وفاداری کے سبب تھی۔ لکھنؤ میں ۲۸ر دسمبر ۱۸۸۷ء میں اپنی تقریر میں جو کہ کانگریس کے تیسرے سیشن منعقدہ مدراس کے موقع پر کی گئی تھی کہ جس کی صدارت بدرالدین طیب جی نے کی تھی۔ سرسید نے بڑے تلخ لہجے میں اس کی مخالفت کی تھی۔ اور یہ کہا تھا کہ اس سے چند بنگالیوں کے علاوہ کسی کا بھلا نہیں ہوگا۔ جن کا یہ حال ہے کہ کھانے کی میز پر چھری دیکھ کر اپنی کرسی تلے دبک جائیں گے۔ جس کا نتیجہ بے مقصد شور شرابے کے کچھ اور نہیں نکلے گا۔ اور اس سے حکومت کے ایوانوں میں شک و شبہے کی فضا پیدا ہو گی۔

طویل جوابِ دعویٰ:

کے ممتاز مصنف

کو اس بات کی فکر تھی کہ مسلمان مخصوص طور پر انگریزوں کی نگاہ میں مشتبہ نہ قرار دیے جائیں۔ بہت ساری اخباروں نے سرسید کی مذمت کی۔

نے ان کی تقریر کو مشتبہ، حماقت آمیز، بچکانہ اور خوشامدانہ کہا اور

بے ان کی سال خوردہ ذہانت پر افسوس کا اظہار کیا تھا۔ ان حملوں کا سرسید نے ایک

ایک طویل جوابِ دعویٰ دیا تھا اور اس بات کی وضاحت کی تھی کہ وہ ہندو مسلم دشمنی کے نقیب نہیں ہیں، برخلاف اس کے وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہندوستان ایک ایسی دلہن ہے جس کی ایک آنکھ ہندو ہے دوسری مسلمان؛ اور نہ کہ وہ بنگالیوں کے مخالف ہیں کہ جن کی ترقی اور جن کی عالی مرتبتی پر دراصل انھیں فخر ہے۔

بہر کیف وہ ہنگامہ و اشتعال کی سیاست کے مخالف تھے، اور انھوں نے ایک سرکلر ایسے بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے نام جاری کیا تھا جو کانگریس کے مخالف تھے اور ان سے اپیل کی تھی وہ یکجا ہو کر برطانیہ کو یہ دکھا دیں کہ نہ صرف مسلمان بلکہ بہت سارے ذی اثر اور طاقتور ہندو بھی اس تحریک کے ساتھ نہیں ہیں۔ انھوں نے

کی بنا اسلیے ڈالی کہ برطانیہ کو اس بات کا پمفلٹوں اور دوسرے طریقوں سے یقین دلایا جائے کہ بھی

فرقے اور سبھی طبقے کے ہندوستان ملک کے وفادار ہیں۔ ان ساری سرگرمیوں میں سرسید کو بنارس کے امور تعلقدار راجہ شیو پرشاد سے بڑی مدد ملی۔

ابتدا میں ایسوسی ایشن نے متحدہ طور پر کام کیا لیکن بعد میں، سرسید کی کوششوں کے باوجود راجہ نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک ہندو اور دوسرا مسلمان اور ان میں ربط پیدا کرنے کے لیے ایک تنظیم قائم کی گئی جس کا نام
تھا جس کے صدر مہاراجہ بنارس تھے اور جس کے دو سکریٹری تھے سرسید اور
راجہ بھنگا۔

نہرو نے کہا تھا کہ ان کا پیغام صحیح تھا اور اپنے وقت کے لحاظ سے ضروری تھا لیکن ایک ترقی پذیر گروہ کے لیے کوئی آخری فکر کی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ ہیں ممکن ہے کہ اگر وہ ایک نسل تک اور زندہ رہ جاتے تو دوسرا نیا ہی سمت کا تعین کرتے۔

بنیادی طور پر سرسید اپنے مطمح نظر میں ترقی پسند تھے۔ وہ کٹرپن اور بنیاد پرستی سے بہت دور تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ملاؤں نے ان پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ ان کی تفسیر قرآن مولانا آزاد کی تفسیر سے بہت پہلے کی چیز ہے۔ قرآنی نزولوں کی انھوں نے بے حد آزادانہ تاویل کی ہے، سود لینے کو جائز قرار دیا ہے بے لگام کثیر الزوجیت پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ شریعت کا ایک قومی راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

ملا حضرات ان سے اس قدر برہم تھے کہ انھوں نے امام کعبہ سے ایک معتبر فتویٰ حاصل کیا جنھوں نے اپنے فرمان میں یہ کہا تھا کہ یہ شخص غلطیوں کا ارتکاب کر رہا ہے اور لوگوں کو غلط کاموں پر آمادہ کر رہا ہے بلکہ یہ شیطان کا دلال ہے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اور مزید یہ کہ اس کے کالج کی حمایت کرنا گناہ ہے اور بانی پر خدا کی لعنت۔ اور اگر یہ کالج ختم کر دیا جاتا ہے تو اس کو تہ و بالا کر دیا جائے اور اس کے بانی اور اس کے حامیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا جائے۔ بانی اسلام ازم کے بانی جمال الدین افغانی کے نزدیک مردود تھے۔ علیگڑھ کے حالیہ سفر میں جہاں مجھے سرسید میموریل لکچر دینے کے لیے بلایا گیا تھا، میں نے یونیورسٹی کے وائس چانسلر سید ہاشم علی اور سرسید اکیڈمی کے ڈائرکٹر پروفیسر عتیق احمد کے ساتھ یہ تجویز پیش کی کہ سرسید کی تفسیر قرآن کا انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہیے لیکن پھر دیکھا کہ وہ پس و پیش میں مبتلا ہیں یوں کہ انھیں اس بات کا خوف ہے کہ ہیں ممکن ہے کہ وہ بنیاد پرستوں کو اس بات کیلیے مشتعل کر دے کہ وہ پیچھے کی طرف لوٹتے ہوں۔

پنڈت گووند ولبھ پنت نے مسلم یونیورسٹی میں کنووکیشن ایڈریس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ سرسید نہ تو علیحدگی پسند تھے اور نہ تو فرقہ پرست تھے۔ ہندستانی آزادی اور وسیع تر انسانیت کیلیے کوشاں تھے۔

ہم آج اتنے زمانے بعد بھی تعلیم کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے بہت سے جالوں کو صاف نہیں کر سکے ہیں۔ تاریخی

صداقت کے حق میں ہمیں اس بات کے لیے تیار ہونا چاہیے کہ بار بار دہرائے ہوئے اساطیری قصوں کو بار دو کی تردید کر دیں جس طرح سرسید کے متعلق کہا جاتا ہے اسی طرح یہ خیال بھی عام ہے کہ یا تو چودھری رحمت علی یا پھر شاعر فلسفی اقبال پاکستان کے بانیوں میں تھے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ان دو حضرات کی وکالت سے بہت پہلے لالہ لاجپت رائے نے تیرہ مضامین کی قسطوں میں جو کہ The Tribune (ٹریبیون) میں نومبر ۲۶ سے دسمبر ۱۳، ۱۹۲۴ء تک شائع ہوئیں، بڑے پرجوش انداز میں فرقہ وارانہ طور پر تقسیم پنجاب اور تقسیم بنگال کی وکالت کی ہے۔

ضمیمہ - B

شعبہ تاریخ و ثقافت

فیکلٹی آف Humanities & languages

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

M.A. (Previous/Final) Syllabus w.e.f. 1982-83

PAPER VIII (C)

Communalism in Indian Politics 1857-1947

(۱) ہندوستان میں مسلم فرقہ، تقسیم آبادی (۱۹۲۱ء) سماجی ڈھانچہ، تعلیمی نظام۔ مسلمانوں پر برطانوی اقتدار کے اثرات اور ان کا ردعمل۔ فرائض اور بریلوی تحریکات۔ دارالعلوم دیوبند، احمدیہ اور علیگڑھ تحریک۔

(۲) مسلم لیگ کی بنیاد اور فرقہ وارانہ سیاست کا بطور برطانیہ کا کردار، ہندوستانی قومی تحریک کا مزاج اور اس کے خدوخال، ہندو احیاء پرست تحریکات کے ساتھ کانگریس کی راہ و رسم۔

(۳) پہلی جنگ عظیم کے اثرات اور ہندو مسلم اتحاد کی نشوونما، لکھنؤ پیکٹ، ہوم رول تحریک، رولٹ ستیہ گرہ،

(۴) پان اسلامک تحریکات اور اس کے تاریخی گذشتہ واقعات۔ عوامی ترتیب و تنظیم کی اہمیت، پریس کا رول، خلافت کمیٹیاں، صوفیوں کی درگاہیں، علماء ہندوستانی سیاست میں بطور خاص خلافت تحریک، خلافت اور عدم تعاون کی تحریکات، محمد علی کا رول۔

(۵) فرقہ وارانہ کشمکش کی افزائش، کانگریس خلافت معاہدہ کا خاتمہ۔ فرقہ پرست تنظیموں کا احیاء۔ شدھی، سنگٹھن، تبلیغ، تنظیم، فرقہ وارانہ تشدد خاص طور پر بنگال، پنجاب اور یوپی کے فسادات۔

(۶) کانگریس لیگ گفت و شنید (۱۹۲۲ء — ۱۹۳۰ء) مصالحتی کانفرنس، دہلی تجویزات، نہرو رپورٹ، گول میز کانفرنس۔

(۷) مسلم لیگ کا عروج اور پاکستان کا مطالبہ، مسلم لیگ کی قیادت کا مطالبہ، پارٹی کی طبقاتی تشکیل... ان کی سیاست او راثرات، پاکستان کے مطالبے پر مختلف مسلم گروہوں کا رد عمل، دو قومی نظریے کا تنقیدی جائزہ۔

(۸) برطانوی حکمت عمل اور کانگریس مسلم لیگ تعطل کو ختم کرنے کی کوششیں، شملہ کانفرنس، کرپس تجویزات اور کیبنٹ مشن پلان۔

(۹) فرقہ وارانہ تناظر میں، سماجی اور اقتصادی عوامل، مذہبی نظریات کا رول اور فرقہ وارانہ شعور کو فروغ دینے میں برطانیہ کا رول۔

(۱۰) تنقیدی جائزہ، فرقہ وارانہ مسائل کے مطالعہ کے مختلف طریقوں کا، ثانوی ادب پر تبصرہ اور متبادل طریقہ کار۔

قابل مطالعہ کتب:

(۱) پیٹر ہارڈی — The Muslim of British India

(۲) ڈبلو. سی. اسمتھ — Modern Islam in India

(۳) مشیر الحسن — Nationalism & Communal Politics in India - 1916-1928

(۴) ایضاً — Mohamed Ali : Ideology & Politics

(۵) ایضاً — Communal & Pan-Islamic Trends in Colonial India

(۶) ایف. رابنسن — Separatism among Indian Muslims

(۷) آر. احمد — The Bengal Muslims, 1871-1906 A Quest for Identity.

(۸) پی. براس — Language, Religion and Politics in North India

(۹) ڈی. لیلیولڈ — Aligarh's First Generation

(۱۰) سی. ڈبلو. ٹرال — Sayyid Ahmad Khan: A Reinterpretation of Muslim Theology

(۱۱) ایس. آر. واستی — Lord Minto &The Indian Nationalist Movement

(۱۲) گیل مینالٹ — Rise of Muslims in Indian Politics 1885-1906

(۱۳) آر. زکریا — Hindu Muslim Relations in British India

(۱۴) جی۔ آر۔ تھرسبے — The Khilafat Movement

(۱۵) ایچ۔ وی۔ ہڈسن — The Great Divide

(۱۶) پی۔ مون — Muslims and Indian Nationalism

(۱۷) یو۔ کورا — The Emergence of the demand for India's Partition, 1928-1940.

(۱۸) پی۔ مون — Divide and Quit

(۱۹) زیڈ۔ ایچ۔ فاروقی — The Deoband School and the Demand for Pakistan

(۲۰) آئی۔ ایچ۔ قریشی — Ulema in Politics - 1556-1947

مضامین

این۔ جی۔ بیریر — 'Muslim Politics in the Punjab 1810-1890' the Punjab Past and Present, April 1971

بپن چندر — 'Indian National Movement and the Communal Problem in. Nationalism and Colonialism in Modern India

ایرا پاسم — Articles in B.R.Nanda (ed.) Essays in Modern Indian History

پرتھا چٹرجی — Agrarian Relations and Communalism in Bengal, 1925-1935 in R. Guha (ed). Subaltern Studies I.

آرا۔ گورڈن — The Hindu Mahasabha and the Indian National Congress, 1915-1926, Modern Asian Studies, July 1973.

ایم۔ حسن — The Delhi Proposals: A study in Communal Politics Ieshr, Vol.17, No.4, 1981.

جنرل

ایم۔ مجیب — The Indian Muslims

ایم۔ ٹی۔ ٹائٹس — Indian Islam: The Religious Quest of India.

جے۔ ایچ۔ فارقوہر — Modern Religious Movements in India.

اے۔ احمد — Islamic Modernism in India and Pakistan, 1857-1964.

تجزیہ

قابلِ مطالعہ کتابوں کی مجموعی تعداد	۱۹	فرقہ پرستی پر کتابیں (جنرل)	۰۶
مسلم مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	۱۳	ہندو مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	NIL

جنرل کتابوں کی مجموعی تعداد،

فرقہ پرستی پر کتابیں (جنرل)	۰۳	مسلم مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	۰۱

ہندو مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	NIL		
مضامین کی مجموعی تعداد	۰۶	فرقہ پرستی پر مضامین (جنرل)	۰۴
مسلم مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	۰۱	ہندو مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	۰۱

قابل مطالعہ کتابوں اور مضامین اور عام پڑھنے والی کتابوں کی مجموعی تعداد ۲۹

فرقہ پرستی پر (جنرل)	۱۱	مسلم مذہبی سیاسی رہنماؤں اور تحریکات پر	۱۷
ہندو مذہبی سیاسی رہنماؤں اور تحریکات پر ۱۔			

ضمیمہ ـ C

ایک سوویت مورخ عہد وسطیٰ کے ہندستان پر

ذیل میں کچھ منتخب جملے درج کئے گئے ہیں جن کی خاصیت فرقہ وارانہ ہے اور جہاں تک سیاسی تجزیوں میں مذہب کو
خاص مقام دیا گیا ہے۔ ذیل مطالعہ کتاب درسی نوعیت کی تصنیف ہے جسے بائیں بازو کے طلبا بی۔ اے (آنرز) کے امتحانوں کیلئے
استعمال کرتے ہیں۔ اس کا عہد وسطیٰ کا حصہ کے۔ انٹونووا کی تصنیف ہے اور اسے شائع کیا ہے Progressive Pub
llishers اس کے سنہ اشاعت ۱۹۷۸ء ہے اور کتاب کا نام ہے A History of India, Vol.I
شمالی ہندوستان میں ترکیوں کی فتح کو مذہب سے منسوب کیا گیا ہے۔ جہاں یہ دیکھنے میں آیا کہ ابتدائی حملوں کا عہد
قدیم کے مصنفوں نے ملک یا نسل سے رشتہ قائم کیا ہے۔

- ہندو قبائل کا حملہ: مشرقی ہندوستان میں یونانی فوج کی پیش قدمی: شمال کے ایران قبائل وسط ایشیاء سے شمال مغربی ہندستان میں داخل ہوئے: منگول طاقتیں: ۱۲۹۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔
- ترک نژاد مسلم فاتح کے حملے: شمالی ہندوستان میں آہستہ آہستہ مسلم فاتحین کی عمرانی میں ایک بڑی ریاست کا قیام عمل میں آیا... اور وہ نام نہاد مسلم دنیا کے دائرے میں داخل ہو گئی۔ منگولوں کے خطرے نے مسلم اشرافیہ کو چنگیز خان کے ہندستان سے جانے کے بعد بھی تخت کے ارد گرد جمع کر رکھا تھا: التمش کے عہد میں مسلم کا اندر شرقی ہندستان پر غالب تھے۔ سنی اسلام کو حکومت کا مذہب قرار دیا گیا۔
- ہندستان میں مسلمانوں کی فتح سے پہلے ہندستان میں وقائع نگاری کا سلسلہ بس شروع ہوا تھا:

صفحات ۲۴۳، ۲۲۶

مصنف کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی ایک مذہبی ریاست قائم ہو گئی تھی اور ہندو محکوموں کی طرح رہتے تھے۔ اس قسم کے نتائج مندرجہ بالا جملوں کی بنیاد پر نکالے گئے یا پھر مندرجہ ذیل جملوں کی بنیاد پر۔

• علاء الدین کے عہد میں ہندوؤں کے لیے ہتھیار لگا کر چلنا، عمدہ پوشاک استعمال کرنا اور رتھ سواری کرنا ممنوع تھا۔ یہ اقدامات اسلیے اٹھائے گئے تھے تاکہ پُرجوش مسلمان خوش ہو جائیں علاء الدین کی ہندوؤں کو پریشان کرنے کی پالیسی سے۔ بڑے پیمانے پر بے اطمینانی پھیلی۔ مسلمان فوجی افسروں کو بہت سی رعایتیں دی گئیں لیکن اس سے صرف یہ ہوا کہ علیحدگی پسندی کا رجحان بڑھا۔" فیروز نے ہندوؤں اور شیعہ مسلمانوں کو عقوبت کا شکار بنایا۔ ہندو علاقوں کے خلاف کارروائی میں اس نے مقامی آبادی کو غلامی بنایا۔" صفحہ ۲۰۰، صفحہ ۲۰۱۔

یہ بات قابل غور ہے کہ مصنف نے علاء الدین پر تعصب اور جانبداری کا الزام عائد کیا ہے جبکہ جماعت اسلامی کے ایک ممتاز رہنما جناب افضل حسین نے اسے مذہبی معاملات میں اکبر جیسا احمق قرار دیا ہے۔ (آئینۂ تاریخ ذیل ۸۸۰، صفحہ ۱۰۲)۔ اسی طرح کچھ حکمرانوں پر فیروز کے حملے مصنف ہندو رجحانات نے لکھا ہے۔ لیکن ایسا شخص شیواجی کے حملوں سے متاثر ہونے والوں کیلیے نہیں قائم کیا گیا ہے۔

اقتصادی تاریخ میں بھی مصنف اکثر ہندو اور مسلم استعمال کرتا ہے۔ زمین کو بھی ہندو قرار دیا گیا ہے۔ ذیل کے جملے خود وضاحتی ہیں: " دہلی سلطانوں کے پورے عہد میں ہندوؤں کی زمین ثابت و سالم رہیں... علاء الدین کے اصلاحات... جس میں یہ بھی شامل تھا کہ عوام پر بڑے سے بڑا ٹیکس لادا جائے اور ہندو جاگیرداروں پر زائد ٹیکس کا بوجھ ڈال دیا جائے۔" صفحہ ۲۱۱۔

• وسط ایشیا اور ایران سے جو مفتوحین جنوب کو بھگا دیئے جاتے تھے وہ بیچ دیئے جاتے اور ہندوستان میں بسنے والے لوگ جن کے خلاف جہاد یا مقدس جنگ کا اعلان کر دیا جاتا تھا انھیں بھی غلام بنا دیا جاتا تھا۔"

یہ جملہ ہندوستان کے فرقہ پرست مورخوں کی ذہنی افتاد کی عکاسی کرتا ہے۔ ایسے ممالک جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے وہاں کے غلام ایرانی اور وسط ایشیائی کہلاتے ہیں اور برخلاف اس کے ہندوستانی علاقوں کو ہندو ریاست کے باشندے کہا جاتا ہے۔

بعض امراء کے گروہی تنازعات جو کہ دیسی اور بدیسی اور عراقی اور تورانی کے درمیان ہوا کرتے تھے۔ اس شیعہ سنی دشمنی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ بعض کا تنازعہ مسلم مالوہ کے ساتھ دو مملکتوں کا تنازعہ قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن وہ مملکتیں جن پر ہندو حکمرانوں کی حکمرانی تھی وہ مختلف انداز سے دیکھی جاتی ہیں۔ ذیل کے جملے ملاحظہ ہوں:

"بعض بادشاہوں نے مالوہ پر فتح پائی۔ نیز گولکنڈہ کے بہت سے ہندو شہزادوں پر بھی فتح پائی۔" صفحہ ۲۱۵

دکن کی پانچ مملکتوں کے متعلق مصنف لکھتا ہے: "گرچہ ان ریاستوں کے حکمراں کٹر مسلمان تھے جو زیر نگیں علاقوں کی ہندو آبادی کو ستم کا نشانہ بناتے۔ پھر بھی جنگ سیاسی بنیادوں پر لڑی جاتی ... جب اس دور کی ریاستوں کو مسلم ریاستوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ بات ریاست کے مذہب کے حوالے سے کی جا رہی ہے جسے عوام پر تھوپا جاتا تھا اور جس کی حمایت حکمراں او امراء کرتے۔" مصنف دوسری مسلم مملکتوں پر جانبداری اور تعصب کا الزام عائد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ گولکنڈہ میں بسنے والے ہندو قاعدے کے مطابق اس طرح کے مظالم کا نشانہ نہیں بنائے جاتے تھے۔ جس طرح کے مظالم دکن کی دوسری ریاستوں میں ہندوؤں پر روا رکھے جاتے تھے۔" صفحہ ۲۱۶، صفحہ ۲۱۷۔

مصنف صاف صاف آر سی مجمدار اور اشتیاق حسین قریشی کے تیار کردہ فرقہ وارانہ خطوط پر چلا ہے۔ شاید کسی حد تک ان سے زیادہ فرقہ پرست ہو گیا ہے۔

"دہلی سلطانوں کے عہد میں اسلام کو ریاست کا مذہب قرار دیا گیا تھا اور اسے مقامی آبادی پر زبردستی تھوپا گیا تھا۔ ہندوؤں کے کچھ طبقے نے نیا مذہب قبول کیا تھا۔ ایک چھوٹے گروہ نے تو بخوشی اسلام قبول کیا۔ اور کچھ لوگوں نے اس خیال سے اسلام قبول کیا کہ انھیں اس طرح بہت سارے حقوق اور بہت ساری رعایتیں مل جائیں۔ اسلئے بھی کہ بڑے عہدوں پر صرف مسلمان ہی فائز ہو سکتے تھے ... ملک کے بیشتر حصوں میں مسلمان حکمراں طبقے کی تشکیل کرتے تھے ... قاعدے کے مطابق کسان بھی ہندو رہ گئے۔" صفحہ ۲۲۳۔

"اس میں شک ہے کہ اسلام واقعتاً ریاست کا مذہب تھا۔ مسلمانوں کے درمیان امیر اور غریب اور آقا اور غلام تھے۔ مزید یہ کہ ہندو صرف چند بڑے عہدوں کے لیے اپنا مذہب نہیں بدلتے تھے کیوں کہ ایسی بڑی آسامیاں بہت ہی کم تھیں۔ زمیندار جو بیشتر راجپوت تھے وہ دیہی علاقوں پر اپنا اقتدار قائم رکھتے تھے اور ہندو تاجر شاید امیر تر تھے۔ کسانوں میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے۔ سندھ اور بنگال میں مسلمان کسان مضبوط تھے۔ دربار میں سنیوں کی جانب سے مطلق مزاحمت بھی ہے۔ یوں کہ بیرم خان شیعہ تھا اور بہتوں کو بڑے عہدے اور عطیات سے نوازا جو اس کے ہم مذہب ہوتے۔" صفحہ ۱۲۹۔

"راجپوتوں کی وفاداری کی تبدیلی اور ان کا مسلمان حکمراں کی طرف جانا یہ وہ عمل تھا جس کے سبب شدت پسند راجپوت حلقوں میں احتجاج بلند کیا گیا۔ جہاں یہ بات بھی کہی گئی ہندوؤں نے دربار میں پہنچ کر خود کو ذلیل کیا ... ان لوگوں نے (مسلم امراء) نے اکبر کی مختلف ہندو شہزادوں کے دربار میں شمولیت

کی مخالفت کی تھی۔" (ص۲۲۲، ص۲۲۳)۔

"اکبر نے جو اگلا قدم اٹھایا وہ تھا اپنے خاندان کے اقتدار کو مضبوط کرنا اور ہندوستان میں مسلمان جاگیرداروں کی بالادستی قائم کرنا۔ ساتھ میں اس نے ہندو آبادی کی حمایت اس طرح حاصل کی کہ ان پر جو مظالم ڈھائے جاتے تھے ان میں کمی کر دی۔ اس کی اس پالیسی سے مسلمان جاگیرداروں اور شیخوں کے درمیان انتشار پیدا ہوا... (یاتری ٹیکس اور جزیہ) مسلمان جاگیرداروں کے زور پر دوبارہ نافذ ہوا لیکن ایک بار پھر اسے ۱۵۸۰ء کے عشرے کی ابتدا میں ختم کر دیا گیا۔" (ص۲۳۰۔ ص۲۳۱)

"جہانگیر کی تخت نشینی سے مذہبی رواداری کی اس پالیسی میں تھوڑی سی تبدیلی آئی جس کا اعلان اکبر نے کیا تھا۔ اس سے ہندو جاگیرداروں کی اکثریت اور مسلمانوں کے کچھ حلقے میں بے اطمینانی پھیلی۔" ص۲۳۴

مصنف نے یہ قیاس آرائی کی ہے کہ مذہبی جبر و تشدد جاری تھا جسے اکبر نے اپنے عہد میں کم کیا تھا۔ جہاں مسلمانوں کو ظالم بنایا گیا وہاں مصنف نے اس کی مذہبی شناخت سے دامن بچایا ہے۔ لیکن ایسے سارے مواقع پر جب ظلم کا نشانہ کوئی ہندو بنا تھا مصنف نے نام کا اعلان کر دیا ہے۔ اس طرح عہد وسطیٰ میں ظالم بتانے کے تاریخی عمل کو ہندوستان میں مسلمان عملداری کے دور کا فرقہ وارانہ جبر و ستم بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ بات جب ایک اسکول کے بچے کے ذہن میں گھس جاتی ہے تو بے حد تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔

"اورنگ زیب کے تخت نشین ہونے کے یہ معنی تھے کہ جاگیرداروں کے رجعت پسند حلقے کو اب دربار میں فیصلہ کن اقتدار حاصل ہو گیا ہے۔ یہ سرد طبع، خود غرض سیاست داں بڑا کٹر مسلمان تھا... وہ اس پالیسی کو اہم جانتا تھا جس کی رو سے ہندوؤں کے حقوق سلب کیے گئے تھے۔ اور شیعہ مسلمانوں پر مظالم روا رکھے گئے تھے۔ اس خیال سے کہ قومی زندگی کو اسلامی شعار میں ڈھال دے۔ اورنگ زیب نے شراب خواری پر پابندی لگا دی اس کے علاوہ اس نے موسیقی، رقص و سرود اور بھنگ کی کاشت پر بھی پابندی عائد کر دی۔ ۱۶۶۵ء تا ۱۶۶۹ء کے زمانے میں اس نے یہ حکم صادر کر دیا کہ مندروں کو مسمار کر دیا جائے اور ان کے بجائے مسجدوں کی تعمیر عمل میں لائی جائے۔ ہندوؤں کو کسی قسم کے اعزازی نشان کے استعمال کی اجازت نہیں تھی اور نہ پالکی پر سوار ہونے کی اجازت تھی۔ (یہ پابندیاں) کبھی پورے طور پر نافذ نہیں ہوئیں۔" ص۲۵۵

مصنف نے صرف ایسے مواد کو پیش کیا ہے جو سامراجی مورخوں کے لیے سود مند ہے۔ جو لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر گامزن رہے ہیں۔ یا پھر ہندو فرقہ پرستوں کیلیے مراٹھا ریکارڈ کے غیر تحقیق شدہ مواد کو قبولیت کا درجہ دینے سے یہ ہوا کہ انھوں نے یہ تحریر کیا کہ بیجاپور کے سالار افضل خان شیواجی کو دھوکے سے مارنا چاہتا تھا۔ لیکن خود ہی مارا گیا۔ لیکن مصنف صورت میں دھوکے

ے شیواجی کے داخلے کا اور اسی کے ہاتھوں ایسے ترقی یافتہ شہر کی لوٹ کا کوئی ذکر نہیں کرتا ہے۔ آگے اس کے بعد کے حالات کے بیان میں مصنف نے مستقل طور پر ہندو فرقہ پرستوں کے طریقہ کار کو اپنائے رکھا ہے۔ سوویت تاریخ داں فرقہ پرست نہیں ہیں لیکن فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کی ہندوستانی تاریخ نویسی پر اتنی گہری چھاپ ہے کہ صرف ایک باشعور مصنف ہی ان کے اثر سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ سوویت اسکالر کا دوسرا کام بھی ان ہی خطوط پر چلتا ہے۔ دیکھیے۔

Kalara Z. Ashrafyan

The Historical Significance of the Turkish Conquest of Northern India in Horst Kruger (ed.) Kunwar Mohammad Ashraf, Delhi, 1969, pp. 67-83.

1. S.S.Pirzada (ed.) Foundation of Pakistan Karachi, 1970, Vol.II, pp. 557-558, see also p.560. see also M.A.Jinnah, Speeches and writings, (ed.) Jamiluddin Ahmed, Lahore, 1960, vol.1, pp.72-73, 77-88, 91-92, 122-123, 139, 141, 152-153, 185-186, 204-205, Passim, Z.A.Suleri, My Leader, pp. 12, 38, 42, 52-53, 55-56, 193, S. Gopal, Jawahar Lal Nehru A Biography, Vol.I, pp.238, Ram Gopal, Indian Muslims, A Political History 1858-1947, Bombay 1959, pp. 257-258, W.C.Smith, Modern Islam in India, Lahore, 1963 Reprint of 1946, pp 282, 285-286.

Bipan Chandra, Communalism in Modern India, Delhi 1984. یہ حوالے قابل غور ہو۔

ٹائمز آف انڈیا سوموار ۔ ۹ ۰ ۱۹۸۹ء نے بالاصاحب دیورس کی ایک تقریر شائع کی جو انھوں نے وشال ہندو سمیلن میں دی تھی۔ آر ایس ایس کے سربراہ نے کہا کہ کانگریس سرکار نے اپنے عطا کردہ مفادات کے لیے اقلیتوں کو خوش کرنے کی وہی پالیسی اختیار کی جو برطانیہ نے اپنائی تھی۔ اگلا صفحہ

2. Lal Chand, Self Ab egation in Politics, Lahore, 1938 pp. II, V, VI etc.

3. V.D.Savarkar, Hindu Rashtra Darshan, Bombay, 1949, pp.71. Also 28, 125, 260, 280, for detail see M.S. Golwalker, We or Our Nationhood Defined, Nagpur, 1947, pp. 20, 52, 68, 70-73; V.D. Savarkar, Hindu Sangathan, Bombay, 1940, pp. 205, 212; Bhai Parmanand, The Tribune June 27, 1936; Mushirul Hasan, Communal and Pan-Islamic Trend in Colonial India, 1916-28, New Delhi,1979, p.209.

Bipan Chandra - op.cit. یہ حوالہ قابل غور ہو۔

4. U.N.Ghoshal, Bhartiya Vidya Bhawan, History and Culture of the Indian People, Vol.V, p.498 hereafter R.C.Ma umdar, op.cit.

5. J.N.Sarkar, History of Aurangzeb, Calcutta, 1912, 1924, Vol.V, pp.487-488.

6. R.C.Ma umdar, op.cit Vol.VI. pp.616-617.

7. K. M. Panikar, A Survey of Indian History, Bombay, 1966, pp.125,164,167-168

8. S. M. Ikram, History of Muslim Civilization in India and Pakistan, Lahore, 1982, P.xxxiii. See also Ishtiaq Hussain Qureshi, The Muslim Community in India-Pakistan sub-continent, New York.

مصنف کا خیال ہے کہ مسلمانوں نے اپنا امتیازی کردار برقرار رکھنے کی شعوری کوشش کی۔

9. Aziz Ahmad, Studies in Islamic Culture in the Environment, Karachi, 1970, pp.73-74

10. Percival Spear, India, Pakistan and the West, London, 1958.

11. W.W.Hunter, Indian Musalman, Delhi, 1969.

12. Murry Titus, Indian Islam, London, 1930.

13. F.W.Thoman, Mutual Influences of Muhammadan and Hindus in India.

14. M.A.Jinnah, Speeches and Writings, Vol.1, p.78

15. Indian Annual Register 1924-46, Calcutta, 1937, Vol.II, pp.204-206

16. Bipin Chandra, op.cit. pp.209-236.

ہندو فرقہ پرستوں نے مسلمان بادشاہوں کی حکومت کو غیر ملکی حکومت اور مسلمانوں کو ہندوستانی سوسائٹی میں غیر ملکی عناصر قرار دیا۔ ہندو اور مسلم فرقہ پرست صاحب قلم نے بھی یہ سمجھ رکھا ہے کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں مسلمان حکمراں تھے اور ہندوؤں کا تعلق محکوم نسل یا غلاموں سے تھا۔ مسلمانوں کے سارے طبقے اور جتنے حتیٰ کہ غریب دہقانی بھی حکمراں تھے اور ہندو راجہ زمیندار اور امراء محکوم تھے۔ کچھ مسلمان رہنماؤں نے یہاں تک کہا کہ ہندوستان ہندوؤں کا نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ ایک ہزار سال تک دبے ہوئے رہے ہیں۔

ہندو اور مسلمان دو مختلف سماجی اکائیاں تھیں جو آپس میں ایک دوسرے میں ضم نہیں ہو سکتی تھیں۔ مسلمانوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ دونوں مختلف قوم تھے۔ (دو قومی نظریہ) انھوں نے ہندوؤں کو ایک قوم کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ دوسری طرف فرقہ پرست ہندو مسلمانوں کو اتنا بھی مرتبہ دینے کو تیار نہیں تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ ہندوستانی ہندو ایک قوم ہیں، اور مسلمان جو کہ انگریزوں کی طرح رہتے ہیں غیر ملکی ہیں۔ حکمرانوں نے ریاستوں کے مرتبے کا تعین کیا تھا۔ اگر حکمراں یا سردار ہندو ہے تو وہ ریاست ہندو ریاست کہلائے گی۔ اور اگر سربراہ مسلمان یا سکھ ہے تو ریاست مسلم ریاست یا سکھ ریاست کہلائے گی۔ مختصر یہ کہ اونچی ذات، طبقاتی تہذیب ہندوؤں اور مسلمانوں کی ہندو یا مسلم بن گئی۔

ہندو تہذیب ہندو فرقہ پرستوں کے قول کے مطابق گپتا سمراٹ کے عہد میں چوٹی پر پہنچ گئی۔ مسلم عہد میں یہ تہذیب
گرائی گئی۔ یورپی لوٹا یا دکاروں یا   شہنشاہیت کے معماروں کے تہذیبی   سے متاثر ہو کر ہندوؤں نے یہ سوچا کہ یہ لوگ
وہ ہیں جنھوں نے پہلی بار ایک عظیم تہذیب و ثقافت کو فروغ دیا اور اسے دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلایا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اندر پرکاش۔

A review of the History and work on the Hindu Mohammadan and Hindu Sanghatan Movment, New Delhi.

17. A. J. Syed, State, Religon and Society in Medieval India. op.cit.

صدارتی خطبہ، عہد وسطیٰ کا ہندوستان سکشن

M. Habib, Politics and Society during the Early Medieval period, Vol.I, pp.1096-98 Passim.

Tara Chand, History of Freedom Movement in India, Vol.II, pp. 484-85

۱۸۵۷ء کے غدر سے تقریباً دس سال پہلے ۱۸۴۹ء میں کتاب The History of India

as told by its own Historian, ایلیٹ نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا کہ اس کتاب میں ان
ہندوؤں کا بیان ہے جنھیں قتل کیا گیا۔   کے عام پابندی کی پوجا اور ممانعتوں کے متعلق ہندوؤں کے متعصبانہ اقدامات،
کے متعلق بتوں کی بے حرمتی، ہندوؤں کو تہہ و بالا کرنا، جبری تبدیلی مذہب اور شادی، جلاوطنیاں اور ضبطیاں، قتل اور قتل
عام، ہوس رانیاں اور بلانوشیاں ان غداروں کی زبان سے مثلاً اٹھاتے ہیں۔

J. Syed, op.cit.

18. Satish Chandra, Communal Interpretation of Indian History, New Delhi.

Irfan Habib, The Contribution of Historians to the Process of National Integration in India Medieval Period, Proc. Indian History Congress, 1961.

Harbans Mukhia, Communalism a study in its Socio-Historical Perspective, Social Scientist, Vol.I, Aug.1972.

N. Barrier and N. Gerald, Roots of Communal Politics Romila Thapar, Harbans, Harbans Mukhia, Bipan chandr, Communalism and the writing of Indian History, New Delhi, 1978.

A. N. Vidyalankar

C. G. Shah, Marxism, Gandhism, Stalinism, Bombay, 1973.

Romlia Thapar, Past and Prejudice, Insterpretations of Ancient Indian History.

Kanpur Riots Enquiry Report, 1931.

Tara Chand, Society and státe in Mughal Period.

19. History in annals of the Bhandarkar oriental Research Institute, Vol. xxxv, Poona- 1954,55, PP.194-201 or A.J. Syed D.D. Kosambi on History and Society, Bombay, 1985 PP. 65-71, Here after A.J. Syed, Kosambi, op.cit.

K.M. Munshi's Ideas of Aryavarta consiousness Sacred land of Dharma the high road to heaven and to salvation the Chatur Varnya, The divinely Ordained four fold order of Society, Sanskrit the language of the Gods, In his forwards in the series of History & Culture of Indian people (R.C. Mazumdar, op.cit.)

20. A.J. Syed Kosambi, op.cit, p.68.

20(A) R.S. Sharma, Problems of Social formations proc. Indian History Congress, 1975, Address, p.7.

20(B) A.J. Syed, Kosambi, op.cit, pp.179,80,25.
20(C) R.C.Mazumdar, opp. cit, Vol.V. P.759,
20(D) Ibid, pp. 764,
20(E) Ibid, p.265

21. A.J.Syed, Kosambi op.cit, p.82

22. For Shaho, See H.N. Sinha, Rise of Pehwas, pp.12,13, also Bipan Chandra, op.cit, p.199

23. Idira Prakashan, op.cit, p.4.

24. Geeta, ii,37, Kosambi quotes from the divine scripture "Kill your brother if duty calls, without passion" see for details A.J. Syed, Kosambi, op.cit, p.173.

25. Kantondva, G. Bongard levin and Kotousky, History of India, Vol. I, Moscow, 1979, see chapter on Asoka.

26. A.J. Syed, Kosambi, op.cit, p.179
نے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ بات قابل غور ہے کہ ہندوستانی کردار ہمیشہ اس قدر روادار
نہیں تھا ایسے بھی زمانے گذرے ہیں کہ لوگ عقیدوں، رسوم و رواج اور طرز عبادت پر کھلے بازی شروع کر دیتے تھے۔

27. R.C. Manzumdar, op.cit, Vol.V, p.404
جنوب میں مشرقی شیو کے ماننے والوں اور وشنو کے ماننے والوں کے مابین تعصب کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ یہ نہیں
کہا جا سکتا کہ ابتدائی عہد میں آریاؤں نے مندر نہیں بنوائے۔ بہر حال بدھوں نے مندر بنوائے اور ان میں پوجا کی، وہ سارے
بدھ مندر کہاں ہیں؟

28. S.N.Das Gupta, in R.C.Mazumdar, op.cit, Vol.V, p.149.

29. A.J. Syed, Kosambi op.cit, p.124.

30/31 Ibid, p.179. Kalhana 5,168-70, 1089,1090-1092, pp.631-633, 638-39, 1080-1098, vide Ibid R.S. Sharma, Qadeem Hindustan (Urdu) NCERT, New Delhi, p.124.

قدیم عہد میں بھی ایسی بے شمار مثالیں مل جاتی ہیں جہاں راجاؤں نے ہر ذات کی عورتوں کی عصمت دری کی۔ راجہ چکر ورمن نے ایک برہمن کی بیوی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کیا تھا۔ A.J.Syed Kosambi, op.cit. p.116.

32. Geeta, 2.37; 4.13

33. A.J.Syed Kosambi, op.cit., p.83.

34. Binoy Kumar Roy, Socio-Economic Thoughts of Swami Vivekanand vide The Sunday observer December 6, 1987. See also D.D.Kosambi, Myth and Reality, V. Khandekar, Agarkar, his personality and thought: Dhanjay Keer 'Collected Works of Mahatma Phule'.

اس میں ودیا بھون سیریز کی پہلی دوسری اور تیسری جلدوں پر R.C. Mazumdar op.cit. تبصرہ کرتے ہوئے D.D. Kosambi کہتے ہیں "ہندوستانی تاریخ کی خصوصیت ہے۔ مزدوروں کا ترقی پذیر استحصال ذات اور طبقے کے دوہرے بوجھ تلے، زیادہ دنوں تک ہندوستان کی عظیم ثقافت اور اس کے عظیم الشان اخلاقی فلسفے کے بے سود ذکر میں خود کو غرق نہیں کر سکتا۔

35. A.J.Syed, Kosambi, op.cit, D.71

D.D. Kosambi ایک کشن، شاداب مذہبی خلفشار کو اقتصادیات کی زبوں حالی سے منسوب کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

"اب بھوں کے لیے کافی ہونے کا زمانہ نہیں رہا تھا کسی نہ کسی گروہ کو دیوار سے لگ جانا تھا۔ اسی طرح کی ایک مثال مشترکہ ہری ہر سالک کی ہے (جو نصف شیو اور نصف وشنو کی مورتی ہے) جس کا زمانہ بہت مختصر رہا لیکن گیارہویں صدی کے بہت بعد تک اس کا رواج قائم نہیں رہا۔ پجاریوں نے دیکھا کہ ان کے مفادات بہت زیادہ الگ الگ ہیں۔ اور اس کی بجائے وشنو کی جدوجہد ہے۔ جب مغلوں کا اقبال بلند ہو رہا تھا تو اکبر ایک ملے جلے مذہب دین الٰہی کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اورنگ زیب اپنے گرتے ہوئے کو سزا جبر و ستم اور ہندوؤں پر جزیہ نافذ کر کے بڑھا رہا تھا۔"

36. A.J.Syed, Kosambi, op.cit., p.180

عہد وسطیٰ یا عہد قدیم کی سوسائٹی یقینی طور پر آج کے معنوں میں سیکولر سوسائٹی نہیں تھی۔ عام طور پر بادشاہ اپنے ہم مذہبوں اور ہم نسلوں کی سرپرستی کرتا تھا۔ جب حکمراں مسلمان ہو تو یقینی طور پر مسلمان بہت زیادہ فائدے میں رہے۔ یہی معاملہ ہندوؤں اور سکھوں کا بھی۔ تاہم ایسی حالات میں اسے کچھ نہیں بنا سکتے تھے۔ فائدہ اٹھانے والے کچھ منتخب لوگ ہوتے ورنہ غریب اور اچھوت

لوگ جن کا تعلق حکمراں کے مذہب سے ہوتا حسبِ دستور غریب اور اچھوت رہ جاتے۔ اشوک بالعموم بدھوں کی حمایت کرتا تھا۔ دشرتھ خوبیہ نے اشوک کی پالیسی بدل دی اور اپنی تاجپوشی کے دن ناگ ارجن پہاڑیوں کی کھوہ اجیوکاس کو دیدیا۔ سمپرتی نے جینیوں کی سرپرستی کی۔ جلوکا نے شیومت کو پھیلایا اور بدھوں پر مظالم ڈھائے۔ سلیسوکا جو کہ ایک ظالم راجہ تھا، بدھوں کا سرپرست تھا ملاحظہ فرمائیں۔

K.A. Nilakanta and G. Srinivasachar, Advanced History of India, Bombay, Calcutta, Madras, New Delhi and Bangalore, 1970, pp.106-109.

37. Ishtiaq Husain Qureshi, Barr-i-Azim Pak o Hind ki Millat-i-Islamia, Karachi, 1987, p.194. See also pp. 97, 190, 192-195, 201, 203.

38. Maktubat-i-Imam Rabban, Vol.1, Letter no.69.
39. Ibid. Letter no.163.
40. Ibid. Letter No.56.
41. Ibid. Letter nos. 65 and 195

42. Irfan Habib, Political role of Shaikh Ahmad Sirhindi and Shah Waliullah - Proceeding of Indian History, 1959, pp.210-11.

43. Sibte Hasan, Pakistan mein Tahzeb ka Irtiqa (Urdu), Karachi, 1981, p.324 etc.

شیخ سمجھتے تھے کہ افلاطون مسیح کا ہم عصر تھا۔

44. Shah Waliullah, Hajjatulla il Baligha, Vol.1, 259, vide Irfan Habib, op.cit. p.222.

شاہ ولی اللہ اور شیخ احمد سرہندی جیسے پائے کے مفکر نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ان ممالک میں بھی جہاں مسلمانوں کی آبادی سو فیصد ہے اور جہاں غلام تک مسلمان ہیں۔ ایسے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو فصل کاٹیں غلے کی چھٹنی کریں۔ اور اسی سلسلے کے دوسرے کام کریں۔ مسلم مزدوروں اور غلاموں سے اسی طرح کام لیا جاتا ہے۔ جیسے بار برداری کے جانوروں اور بوجھ ڈھونے والے جانوروں سے لیا جاتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت عمر کی لونڈی زاہدہ جب جنگل سے لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھر اپنے آقا کے گھر لے جا رہی تھی تو خدا نے اس کی مدد کی تھی۔ ظاہر ہے کہ غلاموں (مسلمانوں) سے ان کی طاقت کہیں زیادہ کام لیا جاتا تھا۔ دارا شکوہ، سفینۃ الاولیاء (اردو)، کراچی ۱۹۸۶ء ص ۲۵۶۔

۴۵۔ ڈی۔ سی۔ گوپال کا خیال ہے کہ ہندستانی مسلمانوں کے اقتدار میں آنے کے بعد زیادہ غریب ہو گیا۔ نئے حکمراں بقالہ یا اچھوت لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا بڑے ہولناک طریقے سے بازار گرم رکھتے تھے اور نتیجہ یہ کہ ایک اقبال مند ملک غموں میں ڈوب گیا۔ دوسرے ذرائع میں گوپال نے نکتین (پندرہویں صدی کا ایک یورپی سیاح) کے خیالوں سے استفادہ کیا ہے۔ نکتین کہتا ہے۔

زمین (دہلی سلطنت) عوام سے بھری پڑی ہے۔ لیکن دیہاتوں کی آبادی بدقسمت آبادی سمجھی جاتی ہے۔ جہاں کہ امرا بے حد دولتمند ہیں اور عیش و آرام میں مست ہیں۔"

R.H. Major, India in the Fifteenth century, London, 1857, p.14.

اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ مسلم عہد میں عزت تھی۔ گوپال نکتین کی اس شہادت کو نظرانداز کرتا ہے کہ امرأ انتہائی الدار ہیں اور عیش و عشرت میں مست ہیں۔ برخلاف اس کے اس بات پر زور دیتا ہے کہ زمین پر عوام کی بھری پڑی آبادی ہے لیکن جو دیہاتوں میں ہیں وہ بدقسمت ہیں۔" نکتین کے اس تبصرے پر جو اس نے دہلی سلطنت کی دولت اور افلاس کی تصویرکشی کے سلسلے میں کیا ہے۔ گوپال بے حد خفا ہوتا ہے لیکن ہندو عہد میں ان میں حالات کی پیشکش ہوتی ہے تو وہ لفظ اقبال منیم استعمال کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ ہندستان ابھی تک بھرا پڑا ملک تھا لیکن اس کی خوش حالی پر حکمرانوں بشمول بڑے جاگیرداروں، تاجروں اور دستکاروں کی اجارہ داری تھی۔ عام دیہاتی بشمول عہد کار (اچھوت) بدحالی کی زندگی گذارتا تھا

Economic Life of Northern India, 700-1200, p.25).

ہندو عہد کی خوشحالی، مسلم عہد میں بدحالی، فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کی مثال ہے۔ اسی طرح K.S.LAL کا خیال ہے کہ مسلم عہد علامت ہے آبادی میں تخفیف کی لیکن وہ نکتین کی اس رائے کو نظرانداز کرتا ہے کہ زمین بے پناہ آباد ہے۔ گنجان آبادی اور غربت (دہلی سلطنت میں) کے مسئلے پر تفصیلی بحث کیلئے عرفان حبیب کو ملاحظہ فرمائیے۔

Economic History of Delhi Sultanate, An Essay in Interpretation, Indian Historical Review, 1980.

46. Mohd. Habib's Political History of Delhi Sultanate, p.49.

47. Shah Waliullah, op.cit., Vol.I, p.225.

جمہوریت کی مخالفت کرتے ہوئے سید احمد نے یہ عذر پیش کیا۔

"یہ اشد ضروری ہے کہ وائسرائے کا نسل کے ممبر اونچا سماجی مرتبہ رکھتے ہوں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہماری اشرافیہ اس بات کو پسند کرے گی کہ ایک نچلے طبقے کا فرد یا گمنام خاندان کا فرد، خواہ وہ بی۔ اے یا ایم۔ اے۔ میں کیوں نہ ہو اور یوں ضروری صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ کیا ان سے اپنے عہدے پر رہ سکتا ہے اور کیا وہ یہ اختیار حاصل کر سکتا ہے کہ قانون بنائے اور ایسے قانون بنائے جس سے ان کی زندگی اور ان کی ترقی متاثر ہوتی ہو؟ ہرگز نہیں کوئی بھی اسے پسند نہیں کریگا۔ وائسرائے کے کانسل کی کرسی انتہائی عزت و مرتبت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ وائسرائے اپنے شریک کار کی حیثیت سے کسی

اہل نسب نزدیکی کو لے سکتے ہیں۔ جس کے ساتھ وہ اپنے بھائی جیسا سلوک کریں۔ تفریحات میں اسے مدعو کریں۔ جہاں ڈیوک اور ارل کے ساتھ وہ شریک طعام ہو۔"

Saiyed Ahmad Khan, edited by Shan Mohd. Writings and Speeches, Bombay, 1972, p.204.

48. See Mohibbul Hasan, 'Lacunae in the Study of Indian History' in Horst Kruger, Kunwar Mohammad Ashraf, Delhi, 1969, pp. 119-120.

49. See Appendix A1, B.R.Nanda article published in Times of India, November 23, 1988. To be read with the thirty pages of Azad. As Dr.Rafiq Zakaria's comments on A1 Appendix-B M.A. Final Course on Communalism in Modern India, 1857-1947, p.56-58, 1982-83.

50. Appendix C - Extracts from K.A.Anjonova's and others, History of India.

51. See N.G.Barrier (ed.) Roots of Communal Politics, New Delhi, 1976. Refer therein report of the Kanpur Riots Enquiry Committee, 1931, and Bipan Chandra, Communalism in Modern India, Delhi, 1984, pp.11 No.10, 209-236.

مصنف کا نام ــــ ادارتی بورڈ بشمول چندا شیکھر بھنڈاری، عبدالمالک، مجوبن سنگھ، گپتا یادو، راسک بہاری وکشت اور دھرمیندر ناتھ چترویدی، یوپی گورنمنٹ کے لیے جملہ حقوق محفوظ۔

کتاب کا نام ــــ اتہاس اور ناگرک جیون بھاگ ۲، درجہ ۷ کیلیے پاٹھ پستک۔

ابواب ــــ ۲۳ ابواب تاریخ کے حصے میں (۱۸۳ صفحات) ۱۲ ابواب علم سماجیات کے حصے میں (۹۱ صفحات)

صفحات ــــ ۲۰۰۔ ناشر ــ گلشن پرنٹنگ پریس متھرا، ۱۹۸۶ء۔

تاریخ کی یہ درسی کتاب جو جامع ہے عہد وسطیٰ کے ہندستان کی تاریخ کو ۱۸۳ صفحات میں سمیٹ لیتی ہے۔ اس کا سائز ۸/۱۲×۱۸ کا ہے۔ بیانیہ کا کچھ حصہ تو غیر تاریخی دکھائی دیتا ہے۔ کچھ بیانات تو ایسے ہیں جو دیومالائی نظر آتے ہیں (مثلاً شیواجی کی افضل خاں سے لڑائی، یا شیواجی کی اورنگ زیب کے دربار میں ار ابی راجہ جے سنگھ کے ذریعے ہوئی تب دربار میں ان کی تذلیل اور وہاں ان کی گرفتاری کی غداری)۔ نہ صرف یہ کہ ایسے نازک موضوع کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا؟ لیکن جو ایک خاص مقصد کے تحت اور تعصب کے تحت اس عہد کی تاویل درجہ ششم کے طلبا کے آگے پیش کی جاتی ہے وہ اپنی نسل کی طرف جھکاؤ کے رجحان کی پشت پناہی کا جذبہ پیدا کرے گی اور وہ طلبا جن کا تعلق مسلم اقلیتی فرقے سے ہے وہ اپنی تاریخ اور تہذیب کے سلسلے میں خود کو مجرم گردانیں گے۔ اس کتاب کی ایسے لوگوں سے جانچ پڑتال کرانی چاہیے جو عہد وسطیٰ کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ واقعاتی غلط بیانیوں کی نشاندہی کر سکیں۔

چونکہ صوبائی تعلیمی انتظامیہ سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ اپنے نصاب میں ترمیم کرے یا غلطیوں کو خارج کرے۔ یہاں یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ یوپی گورنمنٹ پر یہ زور دیا جائے کہ ساتویں درجے کے عہد وسطیٰ کی تاریخ کی درسی کتاب جسے نے نئی درسی کتابوں کے اس سلسلے میں شائع کیا ہے۔ جو قومی تعلیمی پالیسی ۱۹۸۶ء کے زیر تحت آتی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ   کی درسی کتاب جس کے متعلق سفارش کی جائے گی اسے کل ہند پیمانے پر بحال کیا جائے۔ وہ عصبیتوں، تنگ نظریوں اور واقعاتی غلطیوں سے پاک ہوگی جو کہ صوبائی درسی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

تفصیلی جانچ پڑتال : ایک نمایاں خرابی جو عام طور پر درسی کتابوں میں ملتی ہیں کہ دیوناگری حروف
کو عربی حروف ف ز ظ ع غ خ ق کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناموں اور مقاموں کے تلفظ میں صحیح ادائیں
نہیں ہو پاتی ہیں اور ان کے استعمال میں کمل عامیانہ پن جھلکنے لگتا ہے۔ یہ خرابی کی درسی کتابوں میں نظر نہیں آتی
ہیں جہاں امتیازی نشانات اور نقطے صحیح سے استعمال کیے جاتے ہیں تاکہ صحیح تلفظ ادا ہو سکے۔ مثالیں:۔

(محمود گجنوی، محمود گوری۔ گجن۔ گدر۔ اجمل کھان۔ کرآن۔ شریعہ وغیرہ)۔

(۲) عہد وسطیٰ کے بادشاہوں اور سلاطین کے رشتے جعلی اور بے محل ہوتے ہیں۔

(۳) تاریخ کو مسخ کرنے کی مثالیں اور عہد وسطیٰ کی حکومت کو ہندو عوام کے ساتھ ناروا سلوک کرتی ہے۔ ص۴۸
ص۶۵، ص۷۰، ص۷۱، ص۵۲، ص۱۵۲، ص۱۵۳۔

(۴) تاریخی طور پر غیر مصدقہ اور متنازعہ فیہ واقعات کی پیشکش ص۱۵، ص۱۶، ص۱۸، (کیا یہ تاریخی طور پر صحیح ہے کہ
شیواجی راجہ جے سنگھ کے تعارف کرانے پر اورنگ زیب کے دربار میں مدعو کیا گیا تھا جہاں اس کی تذلیل کی گئی اور اسے دھوکے
سے گرفتار کیا گیا؟)

(۵) عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں ثقافتی ترقیوں کے لیے جو کچھ کیا گیا، اور جو کارہائے نمایاں اس سمت میں انجام
دیئے گئے انھیں چھوڑ کر کے پیش کرنا۔ مثلاً ص۱۰۰-۱۰۱ میں یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ سندھ میں عربوں نے جملہ سائنسی علوم اور فنون
لطیفہ کو لے لیا اور بعد ازیں وہ یوروپیوں کو منتقل کر دیئے گئے۔ سندھ میں ثقافتی فروغ کے لیے جو کچھ عربوں
نے کارنامے انجام دیئے انھیں یکسر نظر انداز کیا گیا۔

اس طرح عام روش ان درسی کتابوں کی یہ ہے کہ ان میں عہد وسطیٰ کے حکمرانوں کو غیر ملکی اور وطن دشمن کے طور پر
پیش کیا گیا ہے۔ سیاسی اتحاد اور ہندوستان کی علاقائی یکجہتی کے قیام کے سلسلے میں ان کی خدمات نیز قیام عمل اور انصاف کی
عملداری کے لیے جو کچھ انھوں نے کیا اسے قطعی طور پر بھلا دیا گیا ہے۔ ص۱۵۳ پر یہ درج ہے کہ اورنگ زیب نے ایک شاہی فرمان
کی مدد سے کچھ زمین برہمنوں کو دی اس طرح پر جیسے یہ کہنا چاہتے ہوں کہ یہ تنہا مثال مستثنیات میں سے ہے یہ کوئی ہمیشہ کا
کا اصل نہیں تھا۔ اسی طرح شیواجی کو ایک مثالی انسان بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ ص۱۶۱ وہ ایک بڑے قوم پرور اور عظیم
معمار قوم تھے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ قوم پرستی کا نظریہ ان دونوں وجود میں آچکا تھا۔ وہ مرکزی حکومت کا باغی نہیں
تھا بلکہ ایک قومی ہیرو تھا جو کہ ایک خیالی قوم کے مقصد کے لیے جنگ کر رہا تھا۔

مصنف ادارتی بورڈ۔ مسز اروسچدانند، دمن لال کھانڈی، وشنو دت مشرا، اندرا گھنہ، اونکار دت اپادھیائے

گرو پرشاد ترپاٹھی اور سریندر سنگھ چندیر (جملہ حقوق محفوظ اتر پردیش گورنمنٹ)

تصنیف:۔ ہمارا اتہاس اور ناگرک جیون، بھاگ ۲۔ کچھ جماعت کے لیے پاٹھ پستک۔

پبلیشر:۔ سنیش بک انٹرپرائز، آگرہ، ۱۹۸۶ء۔

ابواب:۔ تاریخ۔ ۱۳ ابواب (۱۰۰ صفحے) سیوکیس ۱۲ ابواب (۳۸ صفحے)۔

یہ درسی کتاب موجودہ ہندوستان کی تاریخ برائے درجہ ہشتم کو ۱۰۰ صفحوں میں پیش کرتی ہے۔ اس کا سائز ۱۸x۲۲/۸ ہے۔ یہ کتاب موضوع کا ایک سطحی نقشہ پیش کرتی ہے اور موضوع کے ساتھ پورا انصاف نہیں کرتی ہے۔ یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ جدید ہندوستان کی تاریخ برائے درجہ ہشتم   کی کتاب کے سلسلے میں یوپی گورنمنٹ پر زور دیا جائے کہ وہ اسے اپنے نصاب میں شامل کرے جو کہ نئی تعلیمی پالیسی کے زیر تحت تیاری کے مراحل میں ہے۔ مزید یہ کہ نصاب کی صوبائی کتابیں مستقبل قریب میں کی درسی کتابوں سے سبقت لے جائیں گی ایسی کوئی امید نہیں ہے نہ کیفیت کے لحاظ سے نہ مشمولات کے حساب سے اور نہ صحت کے لحاظ سے۔

تفصیلی چھان بین: کچھ مثالیں تاریخی غلط بیانیوں کی درج ذیل ہیں۔ صفحہ ۱۱ پر سر سید احمد خاں کو برطانوی وفادار کے طور پر پیش کیا گیا ہے نہ کہ قوم پرست اور قومی اتحاد کا حامی۔ ان کی اسباب بغاوت ہند کو اور کاؤنسل آف دی اسٹیٹ میں ہندستانیوں کی نمائندگی کے لیے ان کی زبردست وکالت کو سرے سے نظر انداز کیا گیا۔ اسی طرح انھیں ہندو دشمن قرار دیا گیا ہے کیوں کہ انھوں نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس میں شامل نہ ہوں۔ اس طرح مکمل طور پر اس تاریخی سیاق و سباق کو چھوڑ دیا گیا ہے جس میں انھوں نے مسلمانوں کو یہ سمجھایا تھا کہ وہ شورش پسند سیاست میں شرکت سے احتراز کریں۔

صفحہ ۱۱ تقسیم بنگال کو پورے طور پر وطن دشمن قرار دیا ہے اور بنگالی مسلمانوں نے بھی اس کی مخالفت کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ قابل ذکر بنگالی اور غیر بنگالی مسلم کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ انہی نے اس کی مخالفت کی تھی۔ برعکس اس کے ہند متوسط درجے کی پرتشدد جدوجہد نے تقسیم کی مخالفت میں، دونوں فرقوں کے درمیان نااتفاقی کا بیج بو دیا۔

صفحہ ۱۲ آل انڈیا مسلم لیگ کو برطانوی حکومت کی ایجاد قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات بھی غیر مصدقہ ہے اور اس کے لکھنے کے پیچھے کوئی مقصد ہے۔

صفحہ ۱۴ پر جہاں یہ لکھا گیا ہے کہ یوپی مسلم لیگ حکومت کی ہوگی تھی وہاں اس حقیقت کو نظر انداز کیا گیا ہے کہ ۱۹۳۷ء میں کانگریس نے لیگ کے ساتھ الیکشن معاہدے پر دستخط کیا تھا۔

ہمارا اتہاس حصہ دو: صفحہ ۲۰ آخری پیراگراف میں اس بات کو نمایاں کیا گیا ہے کہ عربوں نے علم ہیئت، ریاضیات

فن موسیقی اور فن طب کے میدانوں میں ہندستانیوں نے بہت کچھ حاصل کیا۔ بعد ازیں ایران میں عربوں کے ذریعے یورپ کو منتقل کر دی گئیں۔ (سندھ کے سماج اور سندھ کی ثقافت پر عربوں کے اثرات کو بالکل ہی چھوڑ دیا گیا ہے)

مسلمانوں کے ناموں کے تلفظ کے سلسلے میں ایک عامیانہ پن اختیار کیا گیا ہے وہ یوں کہ خاص امتیازی نشانوں کو جو عربی حروف کی نشاندہی کرتے ہیں چھوڑ دیا گیا ہے۔

محمود گجنوی، محمود گوری، بگمن، گدر، (یہ خرابی   کی کتابوں میں نہیں ملتی ہے)

ص۲۲، ص۲۸ زخمی مرتے جب بے محل ہیں، محمود گجنوی اور محمود گوری کی تشبیہیں۔ ص۲۳۔ غلط نقل الفاظ۔ کیقباد ص۴۹

غلط نقل الفاظ، نجلی کی بجائے غلزی ص۵۰ ممکن نقل الفاظ   ص۵۵   ص۵۹ عدم رواداری

علماء   ص۶۰ سرقند۔ کمبر کھان ص۶۰ عدم رواداری ص۶۷ عدم رواداری ص۶۹ سرکشی بک جاری اور زرکشی ص۷۰

ص۷۱   ص۹۳ مالک الرزق (لفظ کے نقل کی غلطی ص۹۸ برابر؟ ص۱۰۲ رد عائش۔ ص۱۰۳

ہندوؤں کے جزیہ پر جزیہ لگا دیا۔ مغل حکام نے اس ٹیکس کی وصولی میں ظلم کیے۔ ص۱۲۶ سینم کہاں؟ اورنگ زیب نے ایک زبان کی مدد سے کچھ برہمنوں کو زمین پردان کی۔ ص۱۵۰ کیا افضل خاں کا واقعہ صحیح ہے؟ ص۱۵۱ کیا راجہ جے سنگھ کی سفارش پر شیواجی کا اورنگ زیب کے دربار میں آنا اور وہاں اس کی تذلیل اور پھر قید صحیح واقعہ ہے۔ ص۱۵۱ شیواجی کو ایک عظیم قوم پرست اور قوم کا معمار کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

ہمارا اتہاس۔ حصہ تین، ص۲ ، ص۱۳ کتاب کے دوسرے حصے میں اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ ص۲۶ ؟ ص۴۸ ؟ برطانیہ پرست اور صرف وفادار۔ ص۱۱۱ سید احمد خاں اس واسطے قابل اعتماد ہوئے کہ وہ کمپنی ۱۸۵۷ء میں اسباب بغاوت ہند اور کونسلوں میں ہندستانیوں کی نمائندگی کے سلسلے میں ان کی کد و کاوش کو یکسر نظر انداز کیا گیا۔ ص۱۱۱ سرسید نے مسلمانوں کو خبردار کیا تھا کہ وہ کانگریس میں شریک ہوں۔ زیادہ تر اس کی شورپسند سیاست کے سبب نہیں منع کیا تھا چونکہ ان کے اس وقت کے حالات میں وہ ان کے لیے نقصاندہ ثابت ہوتی۔ یوں کہ ان کی پالیسی یہ تھی کہ انگریزوں کے ساتھ ایک مشترک مقصد کھڑا کیا جائے ہندوؤں کے خلاف۔ ص۱۱۹ اصل واقعات اس کے برعکس ہیں۔ کوئی قابل ذکر مسلمان تقسیم کے خلاف نہیں بولا۔ بلکہ سخت ترین مخالفت ہندوؤں کے اپر کلاس کے لوگوں کی طرف سے کچھ ایسی ہوئی کہ بنگالی مسلمان مستقبل میں اپنی پوزیشن کے سلسلے میں خاصے خائف ہو گئے۔ ص۱۲۰ مسلم لیگ کا قیام، نظریہ کہ مسلم لیگ برطانیہ کی رہنمائی میں قائم ہوئی اسے دلائل سے ثابت نہیں کیا۔ زیادہ معقول بات یہ نظر آتی ہے کہ یہ برطانوی عہد میں مسلمانوں کے سربرآوردہ طبقے کی سیاسی بیداری کے عروج کا دور تھا۔ ص۱۳۲ ترکی کی بجائے ترکستان۔ ص۱۳۵ ۱۹۱۹ کی بجائے ۱۹۰۹ء ہونا چاہیے۔ ص۱۳۱ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ۱۹۲۷ء میں اتحاد کی معاہدے کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ مسلم لیگ کو طاقت کے بھوکے قرار دیا گیا ہے۔

پروفیسر اکبر رحمانی
جلگاؤں

قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے

ابتدائی اور ثانوی جماعتوں کی تاریخ کی کتابوں کا تنقیدی جائزہ

تاریخ ماضی کے دلچسپ اور یادگار واقعات کی جستجو ہی کا نام نہیں جیسا کہ ہیروڈوٹس نے کہا تھا بلکہ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہم انسانی تہذیب کے عہد بہ عہد کے ارتقا کی تصویریں بھی دیکھتے ہیں۔ یہ انسانی جہد و جہد کی داستان پیش کرتی ہے۔ تاریخ اسلاف کے بیش بہا اور لازوال کارناموں کا ایسا خزینہ ہے جو آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرتا ہے، ان میں جوش اور ولولہ پیدا کرتا ہے۔ انھیں حرکت و عمل پر ابھارتا ہے اور ان میں اولوالعزمی، بلند ہمتی، بہادری، اخوت رواداری اور اعلیٰ مقاصد کے لیے تن من دھن لٹانے کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ اس لیے جو قوم اپنی تاریخ کو محفوظ رکھتی ہے وہ گویا بقائے دوام کا سامان مہیا کرتی ہے۔ تاریخ کے اسی کردار کے پیش نظر حکیم الامت علامہ اقبال نے کہا تھا:

قوم روشن از سوادِ سرگذشت — خود شناس آمد ز یادِ سرگذشت
ضبط کن تاریخ را پایندہ شو — از نفس ہائے رمیدہ زندہ شو

مولانا سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "تاریخ کے فن کو قوموں کے اسپرٹ اور میل میں بہت کچھ دخل ہے"[1]
یہ تاریخ کی درسی کتابیں ہی تھیں جس نے جرمن قوم میں نسلی تفاخر کے جذبے کو پروان چڑھا کر ان میں جارحانہ قوم پرستی کو فروغ دیا تھا۔ اس جارحانہ قوم پرستی کے جو تباہ کن نتائج برآمد ہوئے تاریخ کا ہر طالب علم ان سے اچھی طرح واقف ہے۔ دوسری طرف "ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے آزادی کے بعد اہل امریکہ نے تاریخ کے ذریعے ایسا قومی جذبہ اور اتحاد پیدا کیا جس نے امریکی قوم کو آج دنیا کی سب سے زیادہ قابل رشک قوم بنا دیا ہے۔ اگر تاریخ سے قومی اتحاد اور حب الوطنی کا جذبہ نہ ابھارا جاتا تو آج اس قوم کا بھی شیرازہ منتشر ہو جاتا"۔

ویویز (۱۴۹۲ء-۱۵۴۰ء) جو اسپین کا باشندہ تھا اور ایک اعلیٰ درجے کا ادیب تھا اس نے سولہویں صدی میں

[1] تاریخ کیسے پڑھائیں از خالد یار خاں ص ۱۱۔

تاریخ کو اسکول کے نصاب میں شامل کرنے پر بہت زور دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ جو قوم تاریخ سے بے بہرہ ہے اس کے بوڑھے بھی بچے ہیں۔ تاریخ ہمیں انسانی جذبات اور ان کے اتار چڑھاؤ کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے[1]۔ اس کے بعد سترہویں صدی میں کومینیس (Comenius) نے تاریخ کو اتنی اہمیت دی کہ یہ علم ابتدائی درجات سے لے کر یونیورسٹی کے اعلیٰ درجوں تک پڑھایا جانے لگا[2]۔

مقاصد تاریخ:۔ انگریزوں کے عہد میں تاریخ نویسی اور اسکولوں میں تاریخ پڑھانے کا بنیادی مقصد مختلف فرقوں کے درمیان نفرت پیدا کرنا، خاص طور سے مسلمانوں اور ہندوؤں کو آپس میں لڑانا اور ان میں دشمنی کے جذبات پیدا کرنا تھا۔ اس طرح اپنے اقتدار کو مستحکم کرنا تھا۔ اس کے جو مضر اثرات ہوئے وہ آج تک باقی ہیں۔ ان مضر اثرات کو مٹانے کے لئے آزادی کے بعد کوٹھاری تعلیمی کمیشن (۱۹۶۶) کی سفارشات کی روشنی میں تمام ریاستوں میں مختلف مضامین کے نصابات کی از سر نو تدوین عمل میں آئی۔ چنانچہ تاریخ کے جو مقاصد مقرر ہوئے وہ تھے[3]:

1) To help pupils to realise that they are heirs to a rich common social heritage.

یعنی طلبہ میں اپنے ملک کی شاندار مشترکہ ثقافتی ورثے کے وارث ہونے کا احساس پیدا کرنا۔

2) To help pupils in understanting the present against the background of the past.

یعنی ماضی کے پس منظر میں حال کو سمجھنے میں طلبہ کی مدد کرنا۔

3) To develop patriotism, a spirit of national unity and to bring emotional integration among pupils.

یعنی طلبہ میں حب الوطنی اور قومی اتحاد کے جذبے کو فروغ دینا اور ان میں جذباتی ہم آہنگی و یک جہتی پیدا کرنا۔

جب ہم اپنے ملک کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ انگریزوں کو اس ملک سے رخصت ہوئے چالیس سال کا عرصہ ہو چکا ہے مگر محبت و امن کی فردوس گاہ بننے کی بجائے ہمارا ملک آپسی لڑائیوں اور نفرتوں کا جہنم کدہ بنا ہوا ہے۔ پھر وہی تقسیم سے قبل کا ماحول بنتا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں اکیسویں صدی کی باتیں کرنا اپنا مضحکہ آپ اڑانا ہے، جگ ہنسائی ہے۔ آخر یہ بگاڑ کیسے پیدا ہوا؟ کون اس کے لئے ذمہ دار

---

۱ تاریخ کیسے پڑھائیں از خالد یار خاں ص ۳۳ ۲ ایضاً ۳۴-۳۳ ۳ syllabus for stds. I to VII (Govt. of Maharashtra) Ed. 1972 page 147

ہے ۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر غیر جانبداری اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔
ہمارے ملک میں منصف مزاج اور غیر متعصب اشخاص کی کمی نہیں ۔ ان میں سے ایک گوا کے گورنر ڈاکٹر گوپال سنگھ
ہیں۔ گزشتہ سال (۱۹۸۰ء) گوا میں منعقدہ انڈین ہسٹری کانگریس کا افتتاح کرتے ہوئے انھوں نے ان
الفاظ میں کہا تھا کہ :-

"آج ملک میں جو فرقہ وارانہ کشیدگی پائی جاتی ہے اس کی ذمہ داری تاریخ کی ان کتابوں پر ہے
جو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ تاریخی کتابیں تاریخ کے نام پر نفرت پھیلا رہی ہیں۔
یہ ہماری پھوٹ، شکست اور تذلیل کی تاریخ ہے۔ ہمیں پانی پت کی جنگوں میں اپنی شکستوں کی تاریخ
کا تو علم ہے لیکن اس کا علم نہیں کہ اس ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے غیر ملکی حملہ آوروں کے
خلاف متحد ہو کر مزاحمت کی تھی[۱]"

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ملک کے موجودہ بگاڑ کے جو اسباب ہیں ان میں سے ایک بڑا سبب
تاریخ کی وہ درسی کتابیں ہیں جو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جا رہی ہیں۔ یہ مبالغہ آرائی نہیں بلکہ سورج کی
طرح روشن حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں تاریخ سے تعمیر کے بجائے تخریب کا، دلوں کو جوڑنے کے بجائے
توڑنے کا، مختلف فرقوں میں محبت و دوستی کے بجائے نفرت و دشمنی کے جذبات پیدا کرنے کا کام لیا جا رہا ہے۔
آپ کسی بھی ریاست کی تاریخ کی درسی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے چاہے وہ ابتدائی درجے کی ہو یا ثانوی درجے کی، آپ
کو اس میں فرقہ وارانہ جذبات کو مشتعل کرنے والے، بالخصوص مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا
کرنے والے واقعات اور بیانات ملیں گے ۔

اتر پردیش کے اسکولوں کی نصابی کتابوں کی جائزہ کمیٹی کے صدر شری این سی سکسینہ نے اپنی رپورٹ تاریخ
کی درسی کتابوں کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

"تعلیمی اداروں کے ابتدائی اور ثانوی درجوں میں تاریخ کی جو کتابیں پڑھائی جائیں ان کے ذریعے
سے مختلف فرقوں میں مشترک ماضی کا شعور پیدا کیا جا سکتا ہے . . . بدقسمتی سے اب تک ہندوستان
کی تاریخ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان پر فرقہ وارانہ رنگ چھایا رہا ہے۔ اسکولوں میں تاریخ کی جو کتابیں
پڑھائی جاتی ہیں . . . وہ نسلی اور فرقہ وارانہ تعصب سے بھری ہوئی ہیں۔ ایک ہی فرقہ سے ہیرو کا

---

[۱] بحوالہ ماہنامہ آموزگار، قومی یکجہتی نمبر، نومبر ۱۹۸۰ء۔

انتخاب کیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہی مسلمان حکمراں اچھے تھے جو ہندوؤں پر مہربان تھے۔"

اس رپورٹ میں انھوں نے تاریخ کی درسی کتابوں سے مثالیں بھی دی ہیں جن کا آئندہ ذکر کیا جائے گا۔ لیکن اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ملک کی مختلف ریاستوں میں تاریخ کی جو درسی کتابیں رائج ہیں وہ تعصب اور فرقہ وارانہ زہر سے بھری ہوئی ہیں۔

عہد وسطیٰ کی تاریخ کا مسخ کرنا :- ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ جماعتوں کی تاریخ کی درسی کتابوں میں ہندوستانی تاریخ کے جس عہد کو ہدف تنقید و ملامت بنایا گیا، سب سے زیادہ مسخ کیا گیا اور جسے فرقہ وارانہ منافرت بالخصوص مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کا موثر ذریعہ بنایا گیا وہ عہد وسطیٰ کی تاریخ ہے۔ بالفاظ دیگر اس ملک میں مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ تاریخ کو خاص مقصد کے تحت منصوبہ بند طریقے سے مسخ کیا گیا، مسلم بادشاہوں کو ظالم، جابر، غیر منصف اور ناروادار بنا کر پیش کیا گیا اور یہ سوچنے کی کسی نے زحمت نہ اٹھائی کہ ایسے ظالم بادشاہوں نے یہاں ایک ہزار سال تک کیسے حکومت کی — عبدالمجید سالک کہتے ہیں کہ :

"حقائق کے اعتبار سے یہ مسئلہ بالکل خارج از بحث ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کے مسلم فاتحین، سلاطین، امرا اور حکام روادار تھے یا نہ تھے کیونکہ کالے کوسوں سے چل کر آتے ہوئے جن مٹھی بھر مسلمانوں نے اس ملک پر اپنی حکومتیں قائم کیں اور ہزار سال تک ان کو کامیابی سے چلاتے رہے ان کے لئے رواداری کے سوا اور کوئی طریقہ کار ہی نہ تھا اور ناروداری ان کے لئے ممکن نہ تھی . . . ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا طویل استحکام ہی اس امر کا روشن ثبوت ہے کہ مسلمان ارباب حکومت اپنی رعایا کی نظروں میں قدر و عزت رکھتے تھے[۱]۔"

اصل میں ہندوستان کی عہد وسطیٰ کی تاریخ کو مسخ کرنے کا کام انگریز مورخوں نے انجام دیا۔ انھوں نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی اپنائی اور اسی کے ماتحت ہندوستان کی تاریخ اس طرح مرتب کی کہ وہ "خونیں داستان" بن گئی اور انگریز "فرشتۂ رحمت"! انگریز مورخین نے واقعات کو توڑ مروڑ کر یہ بتانے کی کوشش کی کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں اسلامی تہذیب اور ہندو تہذیب کے دھارے ایک دوسرے سے ٹکراتے رہتے تھے اور ان دونوں فرقوں کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی زندگی میں کسی قسم کی

---

[۱] ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، جلد سوم ص ۲۲۲ [۲] مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص ۲۰۹
مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۷ء

مشترکہ قدریں نہیں تھیں۔

انگریز مورخین نے جس مقصد کے لئے تاریخ کی کتابیں مرتب کیں اسکا کہیں براہ راست اور کہیں بالواسطہ طریقے اظہار کیا ہے۔ مشہور انگریز مورخ ایلیٹ نے اپنی کتاب " History of india as told by its own historians " میں مقصد تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

" اس کے پیش نظر صرف یہ مقصد ہے کہ وہ اپنے پیشرو حاکموں (یعنی مسلمان بادشاہوں) کے غیر منصفانہ عہد کا تاریکیوں کو دکھا کر اپنی قوم کے عہد حکومت کی روشنی دکھائے تاکہ ہندوستان کے رہنے والے اس کو (یعنی انگریزی حکومت کو) سایہ رحمت سمجھ کر اسے اطاعت مندانہ اخلاص کا خراج ہمیشہ پیش کریں۔"

یعنی اس کا مقصد مسلمان حکمرانوں کو بدترین حکمران ثابت کرنا اور ان کے عہد کے ایسے کارنامے بیان کرنا جنھیں پڑھ کر ان کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں، چنانچہ ایلیٹ نے مسلم بادشاہوں کے عہد کے جو حالات اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں اس کے بارے میں وہ اپنی کتاب کی پہلی جلد کے عنوان پیش لفظ میں لکھتا ہے:

" . . . ایسے بادشاہوں کے حالات میں اگر ہم یہ پڑھیں تو تعجب نہ کریں کہ ان کے یہاں انصاف کا سرچشمہ بالکل ہی پراگندہ تھا۔ ریاست کے محصولات تشدد اور ظلم سے وصول کئے جاتے، گاؤں میں آگ لگا دی جاتی، لوگوں کے جسمانی حصے کاٹ دیئے جاتے . . . ہندو اگر مسلمان سے جھگڑا کرتے تو وہ قتل کر دیئے جاتے۔ ان کے لئے مذہبی جلوس نکالنا اشنان کرنا ممنوع تھا۔ ان کے خلاف طرح طرح کے غیر روادارانہ اقدام کئے جاتے۔ ان کی مورتیوں کو مسخ اور ان کے مندروں کو منہدم کر دیا جاتا۔ ان کو زبردستی مسلمان بنا لیا جاتا۔ ان کی لڑکیوں سے زور و ظلم سے شادی کر لی جاتی۔ انکی جائدادیں ضبط ہو جاتیں۔ قتل عام ہوتا رہتا۔ ایسے حاکم اپنی عیاشی اور شراب نوشی میں مست رہتے۔" اور پھر آخر میں وہ لکھتا ہے کہ " ان کی یہ مرقع آرائی مبالغہ سے نہیں کی گئی ہے۔"

ایلیٹ کی اس بد دیانتی پر مولانا سید سلیمان ندوی نے آل انڈیا ہسٹری کانگریس منعقدہ مدراس (دسمبر ۱۹۴۴) میں دیئے گئے صدارتی خطبے میں سخت تنقید کرتے ہوئے کہا تھا۔

" یہ کہنا پڑے گا کہ ایلیٹ نے ان ترجموں میں دیانت سے کام نہیں لیا۔ جن کتابوں کے ترجمے اور

---

۱ دیباچہ ص ۲۲ بحوالہ روزنامہ اردو ٹائمز بمبئی ۲۰ فروری ۱۹۸۸ تا ۲۹ جولائی ۱۹۸۸ کو راجیہ سبھا میں پروفیسر محمد کی تقریر، بحوالہ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد ۲ - ص ۳۱۳ -

اقتباسات اس نے اپنی کتاب میں شامل کئے ہیں ان میں جابجا علمی، تمدنی، عمرانی اور غیر سیاسی تفصیلات کچھ نہ کچھ ضرور ہیں۔ لیکن اس نے انھیں قصداً حذف کر دیا۔ اب فارسی سے نا آشنا اور ایلیٹ کی کتاب کو اپنا گائیڈ بنانے والا محقق، مسلمان سلاطین کے عہد کو صرف خون آلود اور خون آشام پاتا ہے جس کے ذہنی اثرات مدتوں کی تحقیقات کے بعد مٹ سکیں گے۔"

ایلیٹ کی مرتبہ تاریخ کو ماخذ بنا کر درسی کتابیں ترتیب دی گئیں اور انھیں اسکولوں میں رائج کیا گیا جس کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت پیدا کرنا اور آپس میں لڑانا تھا۔ اس کی تصدیق برطانوی حکومت کے مراسلات اور دستاویزات سے بھی ہوتی ہے۔ ۲۰ مارچ ۱۸۸۸ء کو سیکریٹری آف اسٹیٹ جارج فرانسس ہملٹن نے لارڈ کرزن کو لکھا تھا کہ:

"۔۔۔ میرے خیال میں ہندوستان میں ہماری حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن پچاس برس بعد یہ خطرہ ضرور سامنے آئے گا جب مغربی طرز کی شورش پسندی اور تنظیم کی قوت ابھرے گی لیکن ہم ہندوستانیوں میں تفرقہ پیدا کرتے رہیں تو اس سے ہماری حکومت مضبوط رہے گی۔ اس لئے ہم تعلیمی اداروں میں نصاب کی کتابیں ایسی پڑھائیں کہ یہاں کے مختلف فرقوں کے درمیان تفرقے کی مضبوطی پیدا ہوتی رہے۔"

۱۴ جنوری ۱۸۸۷ء کو کراس نے گورنر جنرل ڈفرن کو لکھا کہ:

"یہاں کے لوگوں میں مذہبی اختلافات پیدا کرنا ہمارے فائدے کے لئے ہے۔ اور آپ نے جو ہندوستانی تعلیم اور اس کے نصاب سے متعلق تحقیقاتی کمیشن بنایا ہے اس سے ہم اچھے نتائج کے متوقع ہیں۔"

اس طرح ایک خاص پالیسی کے ماتحت ہندوستان کی تاریخ سے متعلق نصاب کی کتابیں تیار کی گئیں۔

انگریزوں کی تاریخ نویسی سیاست کے تابع تھی۔ انگریز مورخین نے اپنی کتابوں میں مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا۔ اس کا سراغ اس دور میں ملے گا جب صلیبی لڑائیوں یا جہاد کی لڑائیوں کا دور کہتے ہیں جس میں عیسائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں شرمناک شکستیں اٹھانی پڑیں۔ اس کے علاوہ ۱۸۵۷ء کے غدر نے مسلمانوں کو انگریزوں کا سیاسی رقیب بنا دیا تھا۔

انگریزوں سے پہلے ہندوستان میں کسی حکمراں نے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے یہاں کے باشندوں کو آپس میں لڑایا نہ تھا۔ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" یہ مذموم اصول انھوں نے قدیم ناخدا شناس رومی حکومت سے اخذ کیا تھا۔ اور اس کا واحد مقصد انگریزی حکومت کو مستحکم کرنا تھا جس کی تصدیق بمبئی کے گورنر سر جان مالکم

۱۔ ۹ جولائی ۱۸۸۸ء کو ایجنسیوں میں بریفیہ۔ پاٹ شکل نقریرہ از ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد سوم ص ۱۵۲ تا ۱۵۳ ایضاً

سکہ ایک مراسلے سے بھی ہوتی ہے:

"اس قدر وسیع ملک میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر ہے کہ ہماری عملداری میں جو بڑی بڑی جماعتیں ہیں ان کی عام تقسیم ہو اور پھر ایک جماعت کے ٹکڑے مختلف ذاتوں، فرقوں اور قوموں میں ہوں۔ جب تک یہ لوگ اس طریقے سے جدا رہیں گے اس وقت تک غالباً کوئی بغاوت اٹھ کر ہماری قوم کے استحکام کو متزلزل نہیں کرے گا۔"[1]

سرسید احمد خاں کی مصالحانہ کوششوں سے پہلے تک انگریز حکمراں اور افسران مسلم دشمنی اور ہندو نوازی کی پالیسی پر عمل کرتے رہے۔ مسلم دشمنی کا یہ رجحان اس وقت نقطۂ عروج پر پہنچ گیا جب لارڈ ایلن برو (Lord Ellen Borough) نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا۔ اس نے ۴ جنوری ۱۸۴۳ء کو لارڈ ویلنگٹن کے نام جو خط لکھا ہے اس میں وہ لکھتا ہے کہ:

"میں اس حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا کہ یہ نسل (مسلمان) بنیادی طور پر ہماری دشمن ہے۔ اس لئے ہماری صحیح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کو خوش کیا جائے۔"[2]

مسلم دشمنی میں یہ انگریز گورنر اس قدر آگے بڑھ گیا کہ اس نے حکومت کی پوری مشنری ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے میں صرف کر دی۔ اس کی مثال سومنات کے جعلی دروازوں کی واپسی سے ملتی ہے۔

سومنات کے دروازوں کا واقعہ: پہلی افغان جنگ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں کو شکست ہوئی تھی اور انہیں بھاری جانی اور مالی نقصان کرنا پڑا تھا۔ فوراً ہی ایک دوسری فوج انتقام لینے کے لئے کابل روانہ کی گئی۔ فوج قندھار اور غزنی پر قبضہ کر کے کابل کی جانب بڑھی۔ جنرل ناٹ نے قلعہ غزنین کے دروازے کو اکھڑوا کر ہندوستان روانہ کیا تھا۔ عینی شاہد مرزا عطا محمد شکارپوری رقم طراز ہے کہ یہ اقدام اس لئے کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے لوگوں کو یقین آ جائے کہ خراسان دوبارہ فتح کر لیا گیا ہے۔ جب یہ دروازے ہندوستان پہنچے تو لارڈ ایلن برو نے اس کو ہندو مسلمان نفرت بڑھانے اور ہندو قوم پر عظیم احسان جتانے کا ایک سنہری موقع سمجھا۔ وہ شملہ سے فیروز پور پہنچا۔ دریائے ستلج کے پل کے پاس ایک عظیم الشان جشن منعقد کر کے اس نے کابل کے فاتح لشکر کا اور قلعہ غزنی کے ان دروازوں کا استقبال کیا۔ ان دروازوں کو اس نے سومنات کے مندر کے دروازے قرار دیا۔[3] اس موقع پر اس نے ہندو راجاؤں اور سرداروں کو خطاب کرتے ہوئے کہا: "آج بالآخر آٹھ سو سالہ پرانی بے عزتی کا بدلہ لے لیا گیا۔"[4]

---

[1] تاریخ تعلیم کمپنی کے عہد میں، از میہ باسو ص ۲۰۰ بحوالہ مسلمان اور مغربی تعلیم از سید محمد سلیم ص ۵۵ [2] مسلمان اور مغربی تعلیم ص ۱۰۰ [3] ایضاً ص ۹۲ [4] ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا عروج از رفیق ذکریا ص ۲۱ ۔

پھر اس نے ہندو راجاؤں سے مخاطب ہو کر کہا:[1] "اے سرہند، راجستھان، مالوہ، گجرات کے سردارو! میں یہ تحفہ اب آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ ان دروازوں کو جو صندل کے بنے ہوئے ہیں آپ بصد احترام لے جا کر سومنات کے مندر میں نصب کرا دیجئے۔"

اس تقریب کے عینی شاہد کلارک مارشمین نے لکھا ہے کہ:

"یہ دروازے جنرل ناٹ کی تحویل میں تھے۔ ان کو ایک بیل گاڑی پر لادا گیا۔ ان پر قیمتی شال دوشالے ڈالے گئے پھر گورنر جنرل کی قیادت میں ایک جلوس کی شکل میں سرہند سے ان کو آگرہ لایا گیا۔ راستے بھر دیہات کے ہزاروں ہندو ان کی پوجا کرتے تھے۔ ان کے آگے سجدہ کرتے تھے اور دیوتا سمجھ کر ان پر نذرانے چڑھاتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ دروازے آگرہ سے آگے نہیں گئے۔ وہاں ایک گودام میں ڈال دیئے گئے۔"[2]

بعد میں ماہر تعمیرات جیمس فرگوسن نے یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ دروازے دیودار کی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں جب کہ سومنات کے مندر کے دروازے صندل کی لکڑی کے تھے۔[3] مگر گورنر جنرل نے جلوس نکال کر سارے ملک میں مسلمانوں کے خلاف نفرت ضرور پھیلا دی۔ آج بھی ہمارے ملک میں اس منافرت انگیز طریقہ پر عمل کیا جاتا ہے۔ مذہبی جلوسوں کے جو تباہ کن نتائج احمد آباد اور دیگر مقامات پر برآمد ہوتے ہیں وہ آپ سب پر عیاں ہیں۔ شاید اسی لئے مذہبی جلوسوں کی مخالفت کے مسئلہ پر ایوان حکومت میں سنجیدگی سے غور ہو رہا ہے۔

تاریخ نگاری کا موجودہ رجحان:- انگریزوں کی اس کھلی منافرت انگیز پالیسی سے ہندوستانی مورخوں کو چوکنا ہو کر اس کا سدباب کرنا چاہیے تھا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو انگریز ۱۹۴۷ء سے کئی سال پہلے ہی ملک سے اپنا بوریا بستر لے کر چلے گئے ہوتے اور تقسیم کا زخم بھی سہنا نہ پڑتا۔ لیکن ہمارے مورخوں نے اپنے مجازی "استاد ازل" کے کہے ہوئے کو نہ صرف طوطے کی صفت دہرایا بلکہ مسلم دشمنی اور اسلام دشمنی میں وہ انگریزوں سے بھی آگے بڑھ جانے کی کوشش کرتے رہے۔ انھوں نے دور وسطیٰ کی تاریخ کو تنگ نظری اور تعصبات کے پھیلانے کا ذریعہ بنایا۔ ان ہندوستانی مورخوں میں سر جدو ناتھ سرکار اور پی۔ این۔ اوک کے نام سر فہرست ہیں۔

جدو ناتھ سرکار نے اورنگ زیب پر پانچ جلدیں، شیواجی پر تین جلدیں اور سلطنت مغلیہ کے زوال پر چار جلدیں لکھ کر مغل سلاطین اور خاص طور پر اورنگ زیب اور اس کے پس پردہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کام کے لئے برطانوی حکومت نے انھیں بہت سے اعزازات سے بھی نوازا۔[4] اس وقت بظاہر یہ معلوم ہوا کہ یہ ایک لائق مورخ کی مورخانہ تحقیقی کاوشوں کا محض خراج عقیدت ہے۔

۱؎ مسلمان اور مغربی تعلیم، ص ۹۲ ۲؎ ایضاً ۹۳-۹۲ ۳؎ ایضاً

مگر در اصل یہ انگریز حکمرانوں کی دلی خواہش کی تکمیل کا معاوضہ تھا۔[۱]

جدو ناتھ سرکار نے اورنگ زیب اور اس کے جانشینوں کی تاریخ کو کچھ ایسے متعصبانہ رنگ میں پیش کیا کہ ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات پیدا ہو گئے۔ پھر انہوں نے راجپوت اور مرہٹہ ذات کے ان سرداروں اور امیروں کو جنہوں نے مغل سلاطین کے خلاف جنگ کی ان کی بہادری اور شجاعت کے گن گائے اور انہیں قومی ہیرو کا درجہ دے کر مسلم دور حکومت کو غیر ملکی قرار دے دیا پھر انہوں نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ مالوہ، راجپوتانہ اور مہاراشٹر کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی جو تاریخ مرتب ہو ان میں ایسے واقعات ضرور شامل کئے جائیں جن سے مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلے۔ چنانچہ اپنے شاگرد اور راجپوت ریاست ستیامئو کے راجہ ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ کو ۱۵ اپریل ۱۹۳۰ء کے خط میں تاریخ مالوہ شائع کرنے کے بارے میں مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تم اپنے تحقیقی مقالے کو ہندی میں شائع کرنے کا جو خیال پیش کیا ہے وہ اچھا خیال ہے لیکن اس بارے میں چند مشورے دینا چاہتا ہوں: "....also add the reaction against Jaziya and temple destruction in the Malwa from my Volumes 3 & 5" یعنی تاریخ اورنگ زیب جلد ۳ اور ۵ میں درج اس مواد کو بھی کتاب میں شامل کر لیں جس میں صوبہ مالوہ میں جزیہ کے اور مندروں کے انہدام کے خلاف ہندوؤں کے رد عمل کا تذکرہ ہے۔"

"برطانوی حکومت کے زمانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں جو ناخوشگواری بلکہ ایک دوسرے سے جو بیزاری پیدا ہوئی اس کی آگ میں جدو ناتھ سرکار کی تاریخ اورنگ زیب کی جلدیں تیل چھڑکتی رہیں۔" لیکن برطانوی حکومت ختم ہو جانے کے بعد بھی یہ آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ اس دور آزادی میں تاریخ کو تفریقی سیاست کا آلہ کار بنانے کا رجحان نہ صرف باقی ہے بلکہ خاصا قوی ہے بقول ڈاکٹر ذاکر حسین:

آج بھی یہ دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم تہذیبوں میں کبھی میل نہ ہوا چنانچہ ٹکر ہوتی رہی اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی جب تک ایک تہذیب دوسری تہذیب میں جذب نہ ہو جائے۔[۲]

۱۹ جولائی ۱۹۷۷ء کو راجیہ سبھا میں جب یہ مسئلہ پیش ہوا کہ ہندوستان کی ازمنہ وسطیٰ کی تاریخ کا نصاب کیسا ہو کہ جس سے ثقافتی اور جذباتی ہم آہنگی پیدا ہو تو اس وقت پروفیسر بی۔ این پانڈے حال اڑیسہ کے گورنر میں نے

۱۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی رواداری، جلد سوم ص ۱۰۳ Making of a princely Historian by V.G.Khobrekar & Tikekar (1975) Page 44

۲۔ مذہبی رواداری، جلد ۳، ص ۴۔

جو تقریر کی اس سے بھی تاریخ نگاری کے موجودہ رجحان پر روشنی پڑتی ہے۔ انہوں نے کہا تھا:

"بدقسمتی سے ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں گذشتہ کئی نسلوں سے جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں وہ وہی ہیں جو یورپی مصنفوں کی لکھی ہوئی ہیں یا یورپی اساتذہ نے جو کچھ پڑھایا ہے اس کے اثرات کو ہندوستانی اب تک دور نہیں کر سکے ہیں۔ ایسی لکھی ہوئی تاریخوں سے جو اثرات پیدا ہوتے ہیں وہ ہماری قومی زندگی کے سرچشمے کو آلودہ کئے ہوئے ہیں۔ ان کتابوں میں ایسے اختلافات پر زور دیا گیا ہے کہ ہندو مسلمان کس طرح ایک دوسرے کے خلاف تشدد آمیز رویہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے علاقے کو فتح کر کے لوٹ مار کرتے اور مذہبی تعصب دکھاتے۔ ان تاریخوں میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے کلچر اور روایات کو تہس نہس کرنے میں مشغول رہے۔ ان کے مندروں اور محلوں کا انہدام کیا، ان کی مورتیاں توڑیں اور ان کے سامنے یہ خوفناک شرط پیش کرتے رہے کہ اسلام قبول کرو ورنہ تلوار استعمال کی جائے گی"

پروفیسر پانڈے نے مزید کہا کہ "بچپن میں جو چیزیں زندگی کے اس زمانے میں پڑھائی جاتی ہیں جب ذہن پر کسی چیز کا گہرا اثر پڑ جاتا ہے تو اس کا دور ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھنے کے عادی ہو گئے اور ان میں باہمی بد اعتقادی پیدا ہو گئی۔ ہندو یہ یقین کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومتیں محض ہوا تھیں۔ وہ مسلمانوں کی تاریخ پر کوئی فخر محسوس نہیں کرتے بلکہ اس کو نظر انداز کر کے اپنی قدیم تاریخ ہی سے سب کچھ سیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔ اسی طرح مسلمانوں سے جب مغرب کی ایک عیسائی قوم نے ان کی قوت و اقتدار کو چھینا اور ہندو ان کو حقیر اور کمتر سمجھنے کے عادی ہو گئے تو وہ اپنی خودداری اسی میں تصور کرنے لگے کہ یہاں کی تاریخ میں ان کے ہم مذہبوں نے جو شاندار کام انجام دیئے ہیں ان پر فخر کرتے رہیں اور اس سے پہلے کی تاریخ نظر انداز کر دیں جس کے سہارے ان کے تمدنی کارنامے ظہور پذیر ہوئے"[1]

پروفیسر پانڈے کی ان باتوں میں کافی سچائی ہے۔ آج اسکولوں میں پڑھائی جانے والی تاریخ کی درسی کتابوں سے یہی احساس ہوتا ہے کہ:

• ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر ۱۷۰۷ء تک جب انگریزوں کی حکمرانی رہی، مسلم دور حکومت میں ہندو مستقل

[1] مذہبی رواداری جلد ۲، ص ۱۳-۲۱۲۔

ایک غلام ملک تھا۔ مسلمان بادشاہ ظالم و جابر تھے اور ہندوؤں کے دشمن تھے۔ مسلمان بادشاہوں کا کام مورتیاں توڑنا، مندروں کو برباد کرنا اور ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانا تھا۔ پھر مغلوں کے ساتھ راجپوتوں اور مرہٹوں کی لڑائیوں کو اس طرح پیش کیا گیا کہ وہ قومی لڑائیاں (National wars) اور ہندو مذہب کے رکھشا کی لڑائیاں بن گئیں۔ ان جنگوں میں مارے جانے والے شہید آزادی کہلائے۔

تاریخ کی درسی کتابوں سے مثالیں :- اب تک میں نے آپ کے سامنے دورِ وسطیٰ کی تاریخ نگاری کا عمومی جائزہ پیش کیا اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ دورِ غلامی سے دورِ آزادی تک اسکولوں کی درسی کتابوں میں تاریخ نگاری کے کیا رجحانات رہے ہیں۔ تاریخ کی درسی کتابوں سے اب تک کوئی مثال نہیں دی۔ آئیے اب ہم دیکھیں کہ ابتدائی اور ثانوی درجوں میں مروجہ تاریخ کی درسی کتابوں میں ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کو کس طرح بحرِ طوفان خیز بنا کر پیش کیا گیا ہے تاکہ آپ میری باتوں کو بے دلیل نہ سمجھیں۔ ان مثالوں سے آپ خود فیصلہ کیجئے کہ آیا یہ کتابیں قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی راہ میں رکاوٹ ہیں یا نہیں؟

دہلی کی تاریخی کتابیں :- ۲۰ جنوری ۱۹۸۰ء کو نصابی کتابوں سے متعلق، ویں سالانہ کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں دہلی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر مونس رضا نے جو کلیدی خطبہ پڑھا تھا اس میں انہوں نے سنٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن دہلی کی شائع کردہ تاریخ کی درسی کتابوں میں پائے جانے والے خلاف قومی یکجہتی مواد کی نشاندہی کی تھی۔ ایک کتاب میں عنوان تھا "مسلمانوں کے حملے" ڈاکٹر صاحب نے کہا "اسے تاریخ نہیں کہا جا سکتا۔ اس قسم کی تاریخ نویسی قومی یکجہتی کے لئے بے حد خطرناک ہے۔ اس سے ہندو طلبہ کے دلوں میں نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ اپنے ہم جماعت مسلم طلبہ کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں کہ ارے یہ تو حملہ آوروں کی اولاد ہیں جنہوں نے عورتوں کی عزت لوٹیں اور طرح طرح کے ظلم کئے۔ اور جب کہیں فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑتا ہے اور مسلمان مارے جاتے ہیں تو آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کی تاریخ پڑھنے والے ہندو ایسے واقعات کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

" After all what they have done, now they are getting something in return good. "

"اچھا ہوا کہ جو کچھ انھوں نے (ہندوؤں) کے ساتھ کیا تھا اس کا کچھ بدلہ تو ملا۔"

آپ نے ایک اور مثال دی۔ تاریخ کی ایک کتاب میں درج تھا:

"فیروز شاہ تغلق مسلمان تھا پر تو بڑا دیالو تھا۔"

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ "اس جملے میں فیروز شاہ تغلق مسلمان تھا اور وہ دیالو تھا" یہ دو جملے تو درست ہیں لیکن لفظ 'پرنتو' لائق تحقیق ہے۔" واقعی اس ایک لفظ نے متعصبانہ ذہنیت کو پوری طرح آشکار کر کے رکھ دیا ہے۔
ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ اس قسم کی قابلِ اعتراض مثالوں سے یو۔ پی کی تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

<u>اتر پردیش کی تاریخ کی درسی کتابیں</u>:- اب ذرا ہندوستان کے سب سے بڑے صوبے اتر پردیش کی درسی کتابوں سے چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔ یہ مثالیں اس رپورٹ سے ماخوذ ہیں جو اقلیتی کمیشن کے جوائنٹ سکریٹری سری این۔ سی سکسینہ نے حکومت کو پیش کی تھی جس میں اتر پردیش کی تمام درسی کتابوں کا جائزہ لیا گیا تھا۔ یو پی کے اسکولوں میں چھٹے، ساتویں اور آٹھویں درجہ کے لئے نو بھارت حصہ اول، دوم اور سوم، ہمارا اتہاس اور ناگرک شاستر حصہ اول، دوم اور سوم یہ کتابیں حکومت کی جانب سے منظور شدہ ہیں۔

کتاب نو بھارت میں رانی درگاوتی اور اکبر، ہرش وردھن اور ہلدی گھاٹی کی لڑائی کا جس انداز میں ذکر کیا گیا ہے نہ صرف قابلِ اعتراض ہے بلکہ اس سے ایڈیٹر اور ناشر کا فرقہ وارانہ تعصب ظاہر ہوتا ہے۔ اس رپورٹ میں شری سکسینہ نے ایک اہم سوال کی طرف حکومت کی توجہ دلائی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"۔ ۔ ۔ کیا ہماری حکومت ایسی کتابیں پڑھا کر نوجوانوں کے ذہن کو مسموم کرنے کی عظیم غلطی نہیں کر رہی ہے۔ اگر ہندو یہ پڑھ کر جوان ہوں کہ ایک ہزار برس تک مسلمانوں کی حکومت بربریت اور ظلم سے بھری رہی۔ تو کیا ان کے دماغ میں انتقام لینے کا جذبہ نہ پیدا ہوگا۔ اور ان کو یہ احساس نہ ہوگا کہ ماضی میں ان کی زندگی شرمناک اور ذلت سے بھری رہی۔ اس جذبہ اور احساس کو پیدا کرنے کی ذمہ داری کس پر ہوگی، کسی پر نہیں بلکہ خود ہم پر ہوگی کہ ہم نے اپنے ملک میں فرقہ واریت کو پنپنے کا موقع دیا۔ ۔ ۔ ۔ اب جب ہم آزاد ہو چکے ہیں اور ہمارا ملک سیکولر بن گیا ہے تو مسلمانوں کے خلاف جو ہندو لشکری لڑے ان کو اچھالنا ہمارے قومی مفاد کے سراسر خلاف ہے۔"[۱]

تاریخ کی نصابی کتاب کے حصہ دوم میں شیواجی کے باب میں لکھا ہے کہ:

" بھارت کے اتہاس میں راشٹریہ اندولن کرتاؤں اور مغل سامراج سے لوہا لینے والے ویروں میں شیواجی کا نام اگرنیہ ہے جس پرکار سمراٹ اکبر کے شاسن کال میں میواڑ نریش رانا پرتاپ نے سوتنترتا کے یدھ کو جاری رکھا اسی پرکار مغل سمراٹ اورنگزیب کو مہاراشٹر وبھوتی

---

[۱] ماہنامہ مسلم انڈیا دہلی شمارہ دسمبر ۱۹۸۴ء بحوالہ ہندوستانی مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد سوم ص ۲۰۴۔

شیواجی نے ناکوں چنے چبوائے اور اپنا سوتنترا راجیہ استھاپت کیا۔"

سکسینہ جی کہتے ہیں کہ "اس میں زیادہ تر اس پر زور دیا گیا ہے کہ رانا پرتاپ اور شیواجی نے اپنے مادرِ وطن کی آزادی کے لئے مغلوں کے خلاف کیسی جد و جہد کی۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان میں مغلوں کی حکومت غیر ملکی حکومت تھی؟ اگر موجودہ ہندوستان کے مسلمان یہ تصور کریں کہ وہ ایک غیر ملکی حکومت میں رہ رہے ہیں تو، اس لئے کہ یہاں کا وزیر اعظم اور راشٹرپتی دونوں ہندو ہیں تو کیا ان کا یہ سمجھنا صحیح ہوگا؟ شیواجی ایک قومی ہیرو کیسے ہو سکتا ہے جب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ ایک فرقہ پرست مرہٹہ تھا۔ اپنے مذہب میں بہت کٹر تھا۔ تاریخ لکھنے والے اور ہماری حکومت کے ذمہ دار لوگ اس کا جواب دیں[1]"

شری سکسینہ نے مزید کہا کہ "ایسی کتابیں لکھنے میں بالخصوص اظہار بیان اور اصطلاحات کے ذریعے بھی تعصب کا اظہار کیا جاتا ہے اور یہ کوشش ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے کارناموں کو کمتر دکھایا جائے اور ہندو حکمرانوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے ...... ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمارے اساتذہ ابھی ایسی ہی تاریخ کی فرقہ وارانہ کتابیں پڑھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ وہ بھی فرقہ واریت سے خالی نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ نصاب کی کتابیں ایسی لکھی جائیں کہ ان کو پڑھ کر ہمارے لڑکوں میں مشترکہ جذبات اور مشترکہ خیالات پیدا ہوتے رہیں[2]"

شری سکسینہ کے پیش کردہ خیالات کی روشنی میں اگر تاریخ کی درسی کتابیں مرتب کی جائیں تو مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کو زبردست تقویت پہنچیگی۔ اس لئے ہمیں ایسے واقعات سے پرہیز کرنا ہوگا جن سے فرقہ وارانہ جذبات میں اشتعال پیدا ہوتا ہو۔ تاریخ میں ایسے واقعات کی بھی کمی نہیں جن کے پڑھنے سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں میل جول بڑھے اور اخوت کے جذبات پیدا ہوں۔ موجودہ حالات میں ہندوستان کی تاریخ کو ازسرِ نو لکھنے کی ضرورت ہے۔ "ہندوستان کی جو تاریخ لکھی جائے اس کا مقصد بقول مولانا سید سلیمان ندوی "ہندوستان کے متفرق اجزاء کو جوڑنا ہو، توڑنا نہ ہو۔ حال کو ماضی کی ناگواری کی تلخی سے پڑھا کر کیوں برباد کیا جائے اور کیوں مستقبل کے لئے یہ کوشش جاری رہے کہ وہ کبھی خوش آیند نہ ہو سکے[3]"

مہاراشٹر میں مروجہ تاریخ کی نصابی کتابیں:- ریاست مہاراشٹر میں مروجہ تاریخ کی درسی کتابیں

---

[1] ماہنامہ مسلم انڈیا، دہلی شمارہ دسمبر ۱۹۸۳ء بحوالہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد سوم ص۳۲۴-۳۲۵ [2] ایضاً ص ۳۲۷ [3] ایضاً ص ۳۲۸ -

سب سے زیادہ فرقہ وارانہ رنگ لئے ہوئے ہیں۔ یہ کتابیں پرائمری اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ جو کہ ناپختہ ذہن کے مالک ہوتے ہیں ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات پیدا کر رہی ہیں۔ ریاست میں بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ منافرت میں یہ نصابی کتابیں موثر رول ادا کر رہی ہیں۔ ان کتابوں میں تاریخی واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ بعض واقعات اور بیانات ایسے تحریر کئے گئے ہیں کہ جن کی صحت مشکوک ہیں اور بعضوں میں صرف زیب داستان کے لئے بڑھایا گیا ہے۔ دکھ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ مرکزی حکومت کے تعلیمی و تحقیق ادارے N.C.E.R.T نیشنل کونسل آف ایجوکیشن ریسرچ اینڈ ٹریننگ کی ریویو کمیٹی نے بھی ان درسی کتابوں کو قومی یکجہتی کے منافی قرار دیتے ہوئے انہیں فوری طور پر بدلنے کی سفارش کی ہے۔ مگر اسٹیٹ بیورو آف ٹیکسٹ بکس کی ہسٹری کمیٹی نے یہ عذر پیش کیا کہ مستقبل قریب میں نصاب تبدیل ہونے جا رہا ہے اس وقت تاریخ کی یہ کتابیں لازماً بدل دی جائیں گی لیکن NCERT نے اس عذر کو تسلیم نہیں کیا اور سختی سے ہدایت کی کہ وہ نصاب کی تبدیلی کا انتظار کئے بغیر قابل اعتراض مواد کو فوری طور پر کتابوں سے خارج کردے ورنہ قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی پر اس کے مضر اثرات مرتب ہوں گے۔ ہسٹری کمیٹی نے این سی ای آر ٹی کی ہدایتوں کو قابل اعتنا نہ سمجھا اور ان کتابوں کو بدلنا تو دور رہا، مخالف قومی یکجہتی مواد کو خارج کرنا تک گوارا نہ کیا۔

ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ واریت اور قومی یکجہتی کونسل میں تاریخ کی کتابوں کے بارے میں کی گئیں شکایتوں کے پیش نظر حکومت مہاراشٹر نے تاریخ اور مختلف زبانوں کی نصابی کتابوں کا جائزہ لینے کے لئے ۱۹۸۲ء میں مختلف ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی تھی۔ اس کمیٹی نے بھی تاریخ کی کتابوں کو ضرر دہ سمجھا اور قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے قابل اعتراض پایا اور ایسے تمام مخالف قومی یکجہتی مواد کی نشاندہی کر کے انہیں خارج کرنے کی پرزور سفارش کی لیکن ہسٹری کمیٹی کا سیکریٹری اور اس کے اراکین ٹس سے مس نہ ہوئے۔ کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ ہسٹری کمیٹی کی سربراہ اور اس کے اراکین مسئلہ کی نزاکت کو سمجھنے کے نااہل ہیں؟ کیا ان کا یہ منشا ہے کہ ریاست میں تشدد آمیز احتجاج ہو اور فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھے؟ بیورو کے اس رویے سے ریاستی حکومت اور NCERT دونوں کے وقار کو شدید مجروح کیا ہے۔ اگر اس معاملے کی پوری تحقیقات نہیں کی گئی تو آئندہ ان سیاسی اور تعلیمی اداروں پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ حکومت مہاراشٹر کی اسٹیرنگ کمیٹی کو اس ضمن میں بیورو سے باز پرس کرنی چاہئے تھی۔ قومی کونسل برائے تعلیمی تحقیق و تربیت (NCERT) کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا جائزہ لیتی رہے کہ اس کی ہدایتوں اور سفارشوں پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ ایسا لگتا

ہوتا ہے کہ اس معاملے میں قومی کونسل کا کام صرف نا صحانہ کار رہ گیا ہے یا پھر اسے قومی یکجہتی سے دلچسپی نہیں رہی یا وہ خود فریبی کا شکار ہے۔ نصابی ادارے کس طرح فریب دے رہے ہیں اس کی مثال ملاحظہ کیجیے۔

۳۰ اور ۳۱ جنوری ۱۹۸۸ء کو ٹیکسٹ بکس بیورو یوپی میں نصابی کتابوں سے متعلق ساتویں سالانہ کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کا اہتمام قومی کونسل کرتی ہے۔ مختلف ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے نصابی کتب کی اشاعت کے سرکاری اداروں کے نمائندے اس میں شرکت کرتے ہیں۔ مذکورہ کانفرنس میں قومی یکجہتی اور نصابی کتابوں کے موضوع پر بھی تبادلۂ خیال ہوا۔ اس کانفرنس میں کل ۱۴ سفارشات منظور ہوئیں لیکن تاریخ کی درسی کتابوں کے تعلق سے مندرجہ ذیل سفارشات بڑی اہمیت رکھتی ہیں:

The Conference recognised the role of text books in inculcating the ideals of national integration among the students. It was felt that textbooks may be continuously improved from the national integration point of view .... It was agreed that elimination of the passages from the textbooks that are prejudicial to the stand point of national integration was the first step. The conference felt that it is high time now that positive steps may be taken up to incorporate materials in the textbooks that promote national integration."

یعنی طلبہ میں قومی یکجہتی کے اصولوں کو ذہن نشین کرانے میں نصابی کتابیں جو کردار ادا کر رہی ہیں اسے یہ کانفرنس تسلیم کرتی ہے۔ کانفرنس نے یہ بات بھی محسوس کی کہ قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے نصابی کتابوں میں مسلسل اصلاح ہوتی رہنی چاہیے۔ اس سلسلے میں پہلا قدم جس پر سبھی نے اتفاق کیا درسی کتابوں سے مخالف قومی یکجہتی مواد کا اخراج ہے۔ کانفرنس محسوس کرتی ہے کہ اب کافی وقت گزر چکا ہے اس لئے نصابی کتابوں میں موافق قومی یکجہتی مواد شامل کرنے کے لئے مثبت اقدامات کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

کیا ریاستی ٹیکسٹ بکس ایجنسیوں نے اس سفارش کی تعمیل کی؟ اگرچہ اس کانفرنس میں اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا گیا کہ اکثر ریاستوں نے قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے نصابی کتابوں کا جائزہ لے کر اصلاح کی۔ مگر یہ اطمینان، خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ اکثر ریاستوں کی تاریخ کی درسی کتابوں میں آج بھی مخالف قومی یکجہتی

اسباق موجود ہیں۔ جس مقام پر یہ سالانہ کانفرنس ہوئی تھی وہاں کی تاریخ اور دیگر زبانوں کی درسی کتابوں میں گذشتہ ۱۰ سال میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ مہاراشٹر اسٹیٹ ٹکسٹ بکس بیورو نے یہ کہہ کر کانفرنس اور کونسل کو گمراہ کیا کہ:

The Bureau has already taken a positive step in this direction. The Bureau has adopted a continuous process of evaluating its textbooks. In the programme of this current year, all Geography textbooks from std. III to VII are being evaluated from national integration point of view using the guidelines provided by NCERT. (from Compliance Report)

یہ سچ ہے کہ جغرافیہ کی نصابی کتابوں میں اصلاح ہوئی ہے مگر تاریخ کی کتابیں جو تعصب اور فرقہ وارانہ منافرت کے زہر سے بھری ہوئی ہیں، نہ انھیں بدلا گیا اور نہ First step کے طور پر (جیسا کہ سفارش کی گئی تھی) مخالف قومی یکجہتی مواد کو خارج کیا گیا۔

اس کانفرنس میں تاریخ کی نصابی کتابوں سے متعلق مندرجہ ذیل سفارشات منظور کی گئی تھیں:

The Conference felt that history textbooks should give a balanced picture of historical developments of the whole country. Wherever regional histories are included, they may be presented in the context of the whole national history of the country.

"The Conference was of the opinion that historical facts are not to be concealed but judicious selection of facts has to be made according to mental maturity of the students. The facts selected have to be presented in a manner that children could appreciated historical developments in proper perspective."

ان سفارشات کی روشنی میں جب مہاراشٹر اور دیگر ریاستوں کی نصابی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں تو سخت مایوسی ہوتی ہے۔ ہر ریاست کی نصابی کتابوں میں عدم توازن ملتا ہے کہیں مسلمانوں کے کارناموں سے صرف نظر کیا گیا یا انھیں کمتر دکھایا گیا اور ہندو حکمرانوں کے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے کہیں

ہر علاقے کی غالب لسانی جماعت نے اپنی گزشتہ کامرانیوں کا ذکر مبالغہ آمیزی سے کیا جنہیں پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہر چھوٹا سا علاقہ پورا ہندوستان ہے۔ اس طرح وطن پرستی کی بجائے علاقہ پرستی (Provincialism) کو ترجیح دی گئی۔ پھر تو عام شکایت ہے کہ ان کتابوں میں حقائق مسخ کئے گئے۔ تاریخی حقائق کے انتخاب انصاف سے کام نہیں لیا گیا اور مواد اس انداز سے پیش کیا گیا کہ فرقہ وارانہ رنجش اور تناؤ پیدا ہو۔

میرا پختہ خیال ہے کہ تاریخ کی نصابی کتابوں کی اصلاح کے لئے اب تک جتنی بھی سفارشات پیش کی گئی ہیں وہ سب کاغذ کی زینت بن کر رہ گئی ہیں۔ اور ریاستوں کا تو علم نہیں مگر ریاست مہاراشٹر میں یہی حال دوسری ریاستوں میں بھی ہو) یہ بہانہ تراشا گیا کہ آئندہ جب نصابی کتابیں تبدیل ہوں گی تو ان سفارشات کو عمل میں لایا جائے گا اور ان کی روشنی میں تاریخ کی درسی کتابیں ترتیب دی جائیں گی۔ جیسا کہ بیورو کی کمپلائنس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

" A programme of giving a balanced picture of historical development in the history textbooks has been worked outby the History Subject Committee of the Bureau. The same will be implemented while preparing new series of text books which will replace the exisiting series. While preparing the new series of textbooks all the recommendations of 7th National Conference will be taken into considera tion ".(Compliance Report page 10)

میرے خیال میں موجودہ صورت حال حوصلہ شکن اور مایوس کن ہے اور یہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک نصابی کمیٹیوں اور ہسٹری کمیٹیوں میں ایسے افراد اور ماہرین نہ لئے جائیں جو دل سے ہندو مسلم اتحاد کے خواہاں ہوں، جو غیر متعصب، وسیع النظر، انصاف پسند اور سیکولر نقطۂ نظر رکھتے ہوں۔

ایسے وقت جبکہ ملک معاشی اور سیاسی انتشار سے دوچار ہے۔ مذہب، تہذیب، زبان، علاقے اور نسل کے نام پر علاحدگی پسندی کے رجحانات فروغ پا رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات، دہشت گردی، قتل و غارت گری میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے قومی اتحاد اور ملک کی سالمیت کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ موجودہ حالات ان تمام ہندوستانیوں کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے جو اپنے وطن سے دلی محبت رکھتے ہیں، اس کے اتحاد و یکجہتی کو چاہتے ہیں اور یہاں مختلف فرقوں کے درمیان اخوت اور بھائی چارگی کو دیکھنا پسند کرتے ہیں۔

قومی یکجہتی کے لئے پہلا اور نہایت ضروری اقدام یہ ہے کہ تاریخ کی موجودہ درسی کتابوں سے مخالف قومی یکجہتی

اسباق اور عبارتوں کو فوری طور پر خارج کر کے انھیں اس طرح ترتیب دیا جائے کہ ان کتابوں کو پڑھ کر طلبہ کے دلوں سے کدورت دور ہو ، ایک دوسرے سے محبت و ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں ، ہندوستان کے مشترکہ ثقافتی ورثے کا احساس پیدا ہو اور ان میں رواداری ، انصاف ، صداقت اور اخوت کے جذبات پیدا ہوں ۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے طلبہ میں مختلف تہذیبوں کو سمجھنے اور ان کی قدر کرنے کی قابلیت پیدا ہو ۔ دورِ وسطیٰ کی تاریخ کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ وہ اپنی انفرادیت کی شان برقرار رکھتے ہوئے بھی وسیع تر قومی تہذیب کا ایک جزو لاینفک معلوم ہو ۔

آخر میں سابق صدرِ جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی تقریر کا ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں ۔ یہ تقریر انھوں نے دار المصنفین اعظم گڑھ کے جشنِ طلائی کے موقع پر کی تھی ۔ انھوں نے مورخین سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا :

" میرا یہ پختہ خیال ہے جسے تاریخی نظریہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن ذہنی عقیدہ کہہ سکتا ہوں کہ صرف ہندوستان ہی میں ہندو مسلم تہذیبوں ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں کہیں بھی دو تہذیبوں میں ٹکراؤ نہیں ہوا ۔ تہذیبیں ٹکرایا نہیں کرتیں ، وحشتیں ٹکرایا کرتی ہیں ۔ انسان کا وجود اس دنیا میں اربوں سال سے ہے ۔ اس میں تہذیب کے چند ہزار سال نکال لیجئے تو باقی سارا زمانہ وحشت کا زمانہ تھا ۔ اس لیے آج بھی ان افراد اور قوموں میں جنھیں ہم مہذب کہتے ہیں ، تہذیب کی ایک ہلکی سی پرت کے نیچے نہ جانے کتنی پرتیں وحشت کی دبی ہوئی ہیں جو موقع ملنے پر ابھر آتی ہیں ۔ دو قوموں کی تہذیبیں جب تک اپنی وحشتوں کو دبائے ہوئے ہیں آپس میں لڑتی نہیں بلکہ گلے ملتی ہیں اور تہذیبی قدروں کا لین دین کرتی ہیں لیکن جب ان کی وحشتیں ان کی تہذیبوں پر غالب آجاتی ہیں تو ایک تہذیب دوسری تہذیب سے بھڑ جاتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کو نوچنے ، کاٹنے اور بھنبھوڑنے لگتی ہیں ۔ آپ سے میری یہ التجا ہے کہ وحشتوں کی روداد دوسروں کے لئے چھوڑ دیجیے ۔ آپ تہذیبوں کی کہانی لکھیے اور نئے ہندوستان کو ماضی کی روشنی میں حال کا یہ اہم ترین مسئلہ حل کرنے میں مدد دیجیے کہ کس طرح مختلف تہذیبوں کے الگ الگ رنگ و آہنگ کو ضروری حد تک قائم رکھتے ہوئے ان میں وہ ہم رنگی اور ہم آہنگی پیدا کرے جو ایک متحد اور مضبوط قوم بنانے کے لئے درکار ہے٭ "

●●

٭ یہ مقالہ جنوبی ایشیائی علاقائی سیمینار مورخہ ۲-۳ مارچ ۱۹۸۸ء منعقدہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا ۔

ڈاکٹر نور جہاں صدیقی
جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

تاریخ کے پنّوں سے

کوٹھاری کمیشن میں کہا گیا ہے: "ہندستان کا مستقبل اس کے اسکول کے کارخانوں میں ڈھل رہا ہے ان مراکز سے برآمد شدہ شخصیتوں پر ہی ملک کی فلاح وبہبودی کا انحصار ہے۔"

۱۹۶۶ء کی اس پیشین گوئی پر نظر رکھتے ہوئے آج ہم جب ۱۹۹۲ء کے ہندستان پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو اس قول کی صداقت کا ہمیں پورا پورا اعتراف ہو جاتا ہے۔ ایک نئی نسل 'جو آزادی کے بعد اسکول کے کارخانوں میں کچے مال کی شکل میں داخل ہوئی تھی' آج ادبخ شدہ پکے مال کی شکل میں ملک کے تمدن وثقافت پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ یہی نہیں اس نو ادبخ شدہ شخصیات کے زیر سایہ ایک اور نیا ہندستان ننھے ننھے معصوم بچوں کی صورت ان کارخانوں میں زیر تجربہ ہے اور آنیوالے دنوں میں کون کہہ سکتا ہے کہ ہندستان کا مستقبل کیا کروٹ لے گا۔

تعلیم اگر انسان کی انفرادی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے میں معاون ہے تو یہ انسان کی اجتماعی حیثیت کو قبول کرتی ہوئی 'احترام آدمیت' کی جانب بھی راغب کرتی ہے اور انسان کی ذہنی' عملی' فکری کوشش وقوت کو تعمیری راہوں پر گامزن ہونے میں نہایت حساس کردار ادا کرتی ہے۔ اسی لیے شاید کوٹھاری کمیشن میں تعلیم کے مراکز کو کارخانوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسکول کے نصاب میں دیگر مضامین کے ساتھ سوشل اسٹڈیز کی تاریخ یا اتہاس کا کردار بہت اہم ہے۔ کیونکہ گزرے ہوئے کل کو آج کے آئینے میں انہی اوراق سے دیکھا جاتا ہے۔ گو کہ تاریخ ملک وقوم کی ماضی کی داستان ہے مگر حال کی تعمیر وترقی میں بھی اس کا کردار ہے (اگر ہے تو؟)، یہ کیا کہ مورخ اپنی نوک قلم سے اور زور بیان سے زیر تجربہ ذہنوں کو کوئی بھی تاثر دے سکتا ہے' بالکل بجا ہے۔ اسی اہمیت کی بابت اسحاق برین کا خیال ہے:

"تاریخ کسی بھی قوم کی جدوجہد میں متحرک قوت پیدا کرتی ہے۔ اور مورخ شعوری' نیم شعوری یہاں تک کہ غیر شعوری طور پر نئی نسل کو تعمیری یا تخریبی راہ پر گامزن کرتا ہے۔"

لیکن بدقسمتی تو یہ ہے کہ انسان بحیثیت مورخ سرد مہی لفظ' نظر وانداز بیان نذر کھ کر اپنے نام وتمدن میں مقید ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس وجہ سے نہ صرف 'دور گزراں' کی بے لوث عکاسی میں فرق پڑتا ہے بلکہ ان کاغذی تلواروں

سے 'دورِ رواں' کی نسل کا بھی قتلِ عام کیا جاتا ہے۔

ہندستان کے اکثر مورخین نے برٹش مورخین کی مرتب کی گئی تاریخ کو ہی ماخذ مانا ہے جنکی صحت کو کبھی صداقت کی کسوٹی پر نہیں پرکھا گیا یا جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا Debates with Histories میں ایسے ہی دو برٹش مورخین میکالے اور مل کی بات کہا گیا ہے کہ گو کہ ان لوگوں نے ہندستان کی تاریخ مرتب کرنے میں وقت وصلاحیت کو صرف کیا مگر ان کا اپنا مغربی تمدن ہر جگہ حاوی رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہیں بھی تاریخ کی بے لوث عکاسی نہ کر سکے۔ دوسرے یہ کہ یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہندستان پر اپنا دبدبہ اور اثر قائم رکھنے کے لیے 'پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو' پر عمل کیا گیا۔ اسی زمانہ میں لکھی گئی تاریخ کی کتابوں سے پھر بھی کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اس میں واقعات کو صحیح صحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہوگا۔ پھر یہ کہاں کی دانشمندی ہوئی کہ مورخ ان کتابوں سے خود بھی قنوطیت کا شکار ہوتے ہیں اور زیر تعلیم ذہنوں کو بھی اس راہ پر ڈالتے ہیں۔

آئیے اس ضمن میں کچھ اتہاس کی کتابوں پر تجزیاتی نظر ڈالیں۔

(۱) راشد نعمانی نے ۱۹۶۶ء میں اپنے ایم ایڈ ڈیزرٹیشن میں یوپی میں لاگو تاریخ کی کتابوں کا جائزہ لیا کہ وہ کس حد تک جمہوریت کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔ کتابیں ہیں:

(1) हमारा इतिहास Part-I, (2) हमारा इतिहास Part-II (3) हमारा इतिहास Part III by Ram Charan Vidyarthy.

مذکورہ مورخ رام چرن ودیارتھی نے اپنی کتاب میں مندرجہ ذیل باتوں کو تاریخ کے طالب علموں تک پہنچایا۔

۱۔ (i) میڈی وِل پیریڈ (Medieval Period) 'ہندستانیوں کی غلامی کا پیریڈ' ہے۔ ص۔ ۱۸۲

(ii) مسلم حکمرانوں نے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنایا۔ ص۔ ۱۰۱۔ بلبن نے۔ ص ۱۸۔ فیروز شاہ تغلق۔ ص ۲۸۔ سلاطین۔ ص۔ ۱۰۶، ۱۱۲، ۱۱۵،

(iii) ہندوؤں کے مندروں کو مسمار کیا گیا۔ ص۔ ۳، ۵، ۲۲، ۲۵، ۳۰، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۰۸۔

(iv) شیعہ فرقہ پر ظلم و ستم کیا گیا۔ کچھ مسلم حکمرانوں کے ذریعہ (گو موصوف کی نظر میں شیعہ مسلمان ہی نہیں) ص۔ ۱۸، ۲۲، ۱۰۱، ۲۸۔

भारत का इतिहास बलबीर बहादुर चौधरी (2)

Pub. महावीर बुक डिपो, 2003 नई सड़क, दिल्ली 6

کتاب کے سرورق پر تحریر ہے:

Approved by the Central Board of Secondary Education New Delhi for Class XI under the 10+2 pattern vide circular No. F-2-(4) ACAD II/ CC/HAT/79/25297. dated 18-7-1979.

ظاہر ہے اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ کتاب سرکار سے تسلیم شدہ ہے اور دہلی کے اسکول میں گیارہویں جماعت کے طالب علموں کو اپنی معلومات پہنچا رہی ہے۔ بطور نمونہ رجودھری صاحب کا انداز بیان ملاحظہ ہو:

ص ۲۸۰ - محمود غزنوی -

महमूद गज़नवी..... कहा जाता है कि उसने प्रारम्भ से ही निश्चय कर लिया था कि इस्लाम का प्रचार व मूर्ती पूजकों का विनाश उसके जीवन का लक्ष्य होगा।... समृद्ध नगरों को लूटने व हिन्दुओं को कत्ल करने व मूर्तियों के भंग करने में एक ओर उसे अपार सम्पत्ति मिली तो दूसरी ओर वह स्वंय को बुत-शिकन कहलाने का गौरव प्राप्त कर सका।...

ص ۲۸۱ میں شیعوں کی بابت اظہار فرماتے ہیں:
'सभी मुसलमान शियाओं से घृणा करते हैं।'
(گویا ان کی نظر میں بھی شیعہ مسلمانوں سے الگ ہیں)

ص ۳۰۱ پیرا ۲-

यद्यपि मुसलमान लेखकों ने ऐबक की उदारता व सहिष्णुता के लिए प्रशंसा की है। उसके चरित्र अध्ययन (کہاں سے!) से प्रतीत (?) होता है कि वह हिन्दुओं के प्रति उदारता व सहिष्णुता की नीति का अनुसरण न कर सका। युद्धकाल में उसने हिन्दुओं का वध करवाया तथा मन्दिरों व मूर्तियों को तुड़वाया।

اسی طرح التمش: ص ۳۰۵، غیاث الدین بلبن: ص ۳۱۲، ۳۱۸- علاءالدین: ص ۳۳۳- فیروز شاہ تغلق: ص ۳۳۳، ۳۴۴- بابر: ص ۴۱۶- شیر شاہ سوری: ص ۴۳۰- جہانگیر: ص ۴۷۶- شاہ جہاں: ص ۵۰۲
اورنگ زیب: ص ۵۳۰-۵۲۹

مذکورہ بالا صفحات میں ان حکمرانوں کو کٹر مسلمان بتایا گیا۔ جنکا اولین فرض ہندوؤں کو مسلمان بنانا

مورتیاں تڑوانا، مندروں کو مسجدوں میں بدلنا وغیرہ وغیرہ شامل تھا۔

(۳) "हमारी दिल्ली" तीसरी कक्षा के लिए NCERT - 1987 बी० पी० सूरी

مذکورہ کتاب میں جہاں تیوہاروں کا تعارف کرایا گیا ہے، وہیں 'عید' کا تعارف بھی ان الفاظ میں کرایا گیا ہے: صفحہ ۶۳، پیرا - ۲

दिल्ली में ईद का त्यौहार भी बड़ी धूम धाम और खुशी से मनाया जाता है। यह त्यौहार मुहम्मद साहब के जन्मदिन के रूप में मनाया जाता है। (?) ईद से पूर्व रमज़ान के महीने में मुस्लिम लोग रोज़े रखते हैं। (?)

سوچنے کی بات ہے کہ ایک طالب علم 'عید' کی پہچان کیا ان ہی الفاظ کی روشنی میں کرے؟ کیا یہ ٹھیک ہے؟

(۴) भारतीय मुसलमानों का राजनीतिक इतिहास

—— राम गोपाल मीनाक्षी प्रकाशन, मेरठ - 1970

مذکورہ کتاب میں آج کے مسلمانوں کا تعارف ان الفاظ سے کرایا گیا ہے: صفحہ ۱۰

"मुस्लिम शासन काल में ऊँची जातियों के बहुत से हिन्दू ऊँचे-2 पद और बड़ी-2 जागीरें प्राप्त करने के लोभ में मुसलमान बन गये... अधिकांश छोटी जातियों के हिन्दू थे जिन्हें मुसलमान धर्म प्रचारकों ने समझा बुझा कर मुसलमान बनालिया।"

صفحہ ۱۳

"सभी मुस्लिम हुकूमतों में मुल्लाओं का दबदबा रहा।"

صفحہ ۲۶ - ۳۱

"इन पचास वर्षों में इतिहास का कुछ ऐसा ही क्रम चलता रहा कि मुसलमान हिन्दुओं से और हिन्दू मुसलमानों से ईर्ष्या करने लगे।"

مذکورہ بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کارنامے کسی دودھ پیتے بچے کی شرارت نہیں بلکہ کوشش ہے کہ ہندو اور مسلم شہریوں کو ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں کبھی ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے نہیں آنے دیا جائے۔ ایک فرقہ کے ہاتھوں دوسرے کا استحصال ہمیشہ ہوتا رہے۔ تاریخ کے نام پر اتہاس کے نام پر، آج کا ایک پڑوسی اپنے دوسرے پڑوسی کے لیے کوئی صحت مند جذبہ پیدا نہ کر سکے، صرف یہ سوچے کہ اُس پر ظلم کیا گیا یا اُس نے ظلم کیا۔

تاریخ کی کتابوں کا یہ سلسلہ زیر بحث پچھلے چالیس سالوں سے کارفرما ہے۔ اس لیے سوال یہی باقی رہ جاتا ہے:

۱- کیا اس زہر کی روک تھام کے لیے فوری اور موثر کارروائی کی ضرورت ہے ؟

۲- کیا اس اثر بیمار ذہنوں (زہر آلودہ) کو کسی صورت صحت مند افکار بھی دیے جا سکتے ہیں؟ (ملک کی سلامتی، امن کے فروغ کے لیے)

۳- اساتذہ، طلبار، دانشور، مورخین، مصنفین اس سلسلے میں کیا اپنی خدمات انجام دے سکتے ہیں؟ (کاش دے سکیں!)

۴- کیا ملک کی بقا کے لیے ہندستان کے سارے شہری تاریخ کی ساری غلطیوں کو بھلا کر صرف ایک نظریے کے حامی بن کر ایک پلیٹ فارم پر آ کر کہہ سکتے ہیں (اگر کہہ سکے تو!)

"ہم انسان ہیں - ہم سب انسان ہیں
ہم ہندستانی ہیں - ہم سب ہندستانی ہیں"

●●

ڈاکٹر مہرافشاں فاروقی
الہ آباد

تاریخ کی غلط بیانیاں

کچھ مشہور درسی کتابوں کا مطالعہ

سیموئیل بٹلر نے ایک بار کہا تھا: "خدا ماضی کو بدل نہیں سکتا، مورخ بدل سکتے ہیں"۔ بہرحال کچھ غلط بیانیاں ایسی ہیں جو اس فن کے لئے پیشہ ورانہ خطرہ ہیں۔ وہ چپکے سے داخل ہو جاتی ہیں باوجود اس کے کہ مورخ کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے حالات کے محدود ادراک سے اوپر اٹھے اور واقعات کے سلسلے میں ایک گہری بصیرت پیدا کرے۔ مثال کے طور پر مورخ خواہ کتنا ہی ہوشمند ہو اس پر عصبیت کا غلبہ ہو ہی جائے گا کیوں کہ اس کی جڑیں حال میں پیوست ہیں جو اس کے ماضی کے ادراک کو زنگ لگا دیں گی۔ اس کے طبقاتی مفاد کے علاوہ، اس کی تہذیبی خصوصیتیں، اس کا عقیدہ ایک مستقبل کے بجائے دوسرے مستقبل میں اس کے فیصلوں حتیٰ کہ مقاصد اور حقائق کے انتخاب پر بھی اثر انداز ہوگا۔

ہندستان میں انسانی حالات نے ہندستانی مورخ کی ذمہ داریوں کو بے حد اہم لیکن نازک بنا دیا ہے۔ کیا ہندستانی مورخ اس بات کی اجازت دے گا کہ اس کے فن کو نسلی، فرقہ وارانہ، طبقاتی اور ذات پات کی جنگوں میں ہتھیار کی طرح استعمال کیا جائے۔ کیا وہ حالات کا خاموش تماشائی بنا رہے گا یا وہ سماجی انصاف کی کوشش کریگا۔

ہم جانتے ہیں کہ مستشرقین نے یہ خیال پھیلایا کہ ہندو عہد سنہری عہد تھا کہ جس کے بعد مسلمان کا تاریک عہد شروع ہوا۔ کچھ تو مستشرقین کا یہ وطیرہ کہ انہوں نے راجپوتوں، مرہٹوں اور سکھوں کی جانبازی کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جس کے سبب ہماری سیاست میں نسلی، احیا پرستانہ اور علاقائی لب و لہجہ در آیا۔ الہ آباد اور علیگڑھ کے مورخ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے مستشرقین کا زاویہ بدل دیا۔ تاہم کتنے ہندستانی یہ جانتے ہیں کہ مندر شکنی کبھی بھی مسلمانوں کی تفریح نہیں رہی تھی اور جزیہ اتنا معمولی ٹیکس تھا کہ دباؤ ڈال کر مذہب کی چیزیں تبدیل نہیں کی جا سکتی تھی۔

تاریخ کی کوئی خاص سماجی، اقتصادی یا سیاسی پابندی نہیں ہے۔ مورخ کا منصب یہ ہے کہ وہ ماضی کو سمجھے اور جہاں تک اسے قدرت حاصل ہو سچائی کو روشنی میں لائے۔ لیکن ہم صرف ایک دوسرے کے لئے ذ کھیں جنہیں عوام تک پہنچنا چاہئے۔ ہمیں ان نوجوانوں کو تعلیم دینا چاہئے جو حساس ہیں اور بہت جلد تاثر تبدیل کر لیتے ہیں۔

ہائی اسکول یا ہماسی | یوپی سرکار کی نصابی جلد دسویں جماعت کے لئے تاریخ جو درجہ دہم میں پڑھائی جاتی ہے۔ دو جلد

ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب مختلف مصنفین کے مضامین کو یکجا کر کے شائع کی گئی ہے۔ کتاب سندھ وادی کی تہذیب سے پانی پت کی پہلی جنگ ۱۵۲۶ء کے عرصے کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ مقابلتاً متوازن اور صحیح ہے۔ عہد دلی سلطنت کے قیام کے باب اور بعد ازیں ترک عہد کے باب کو نسبتاً غیر متعصبانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ ابواب جو اسلام کے عروج، سندھ پر غزنوی کے حملے اور ترکوں کے حملے سے متعلق ہیں، غیر متعصبانہ ہیں اور وہ غیر ہمدردانہ اور متعصبانہ نہیں ہیں جیسا کہ ہم چند مشہور درسی کتابوں میں دیکھتے ہیں۔

مثلاً یہ کہ عربوں اور ترکوں کو عرب اور ترک حملہ آور کہا گیا ہے۔ نہ کہ پردے پردے میں انہیں مسلم حملہ آور کہا گیا ہے۔ (جو مذہبی جوش و خروش سے سرشار ہو اور جو ہندوستانیوں کے خون کا پیاسا ہو) ہماری بیشتر درسی کتابوں میں یہی زبان ملتی ہے۔ پھر یہ کہ محمود غزنوی کے حملے کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ وہ لٹیرا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ وہ ایک عظیم فاتح کہلائے۔ وہ ہرگز کسی مذہبی جنون کے زیر اثر نہیں آیا تھا۔

غرضیکہ اگر ایک سرسری نظر بھی ہم اس جلد پر ڈالیں تو ہمیں ان دونوں حصوں کا ذکر جن میں کتاب منقسم ہے) فرق صاف معلوم ہو جائے گا۔ پہلا ترکوں کے حملے سے پہلے کی ہندوستانی تاریخ کا بیان ہے اور دوسرا حصہ دلی سلطنت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ فرق دراصل مسخ شدگی یا واقعات کی غلط بیانی سے نہیں ہوا ہے، (حالانکہ اس میں کچھ غلط بیانیاں ملتی ہیں) بلکہ دراصل موضوع تک رسائی کے درمیان ہوا ہے۔ یہ بات یوں پیدا ہوتی ہے کہ کچھ حقیقتوں کا اور واقعات کا انتخاب کر کے ان پر زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے اور کچھ پر بے حد کم۔

سلطنت عہد کے نظم و نسق کو بیان کرتے ہوئے ایک چھوٹی سرخی ملتی ہے "سلطنت کال کی دھارمک نیتی" یا یوں کہیے کہ "سلطنت عہد کی مذہبی پالیسی" یہاں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ سلطنت عہد مذہبی اور کلیتاً اسلامی مزاج رکھتا تھا۔ اس کے بعد یہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ دکھایا جائے کہ کس طرح ہر سلطان اپنے مذہب کی فضیلت کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنی اس رعایا کے حلق سے اسلام کو اتارنا چاہتا تھا جو اسے پسند نہیں کرتی تھی۔

"دلی سلطانوں کے پورے عہد میں اسلام دھرم پر سلطنت کی بنیاد قائم رہی۔ جب سلطانوں نے علماء کے طبقے کو اہمیت دی .... بعد میں اسلام دھرم کے قاضیوں کے فتوے پر پوجا ختم کرانے کے لیے ترک فاتحین نے مندروں کو توڑ کر مسجدیں بنائیں .... ایک نے اجمیر اور دلی میں آس ہی دو مسجدوں کی تعمیر کرا کر اپنی دھارمک خواہش کو پورا کیا .... علاء الدین خلجی نے بھی ہندو پرجا کو سلطنت کا غلام مانتے ہوئے ان پر ٹیکسوں کا اتنا بوجھ لاد دیا کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی...... صفحہ ۲۵۱ تا ۲۵۳۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اسلام کی عملی سیاست کو قرآن کے نظریات سے الگ کر دیا گیا تھا جب مسلم سیاست کو فروغ ہوا تو اس نے بہت سے غیر اسلامی شعار کو اقتدار اور بادشاہت کے مزاج کے علاوہ اپنا لیا۔ مثال کے طور پر سلطنت کی بنیاد خالصتاً طاقت پر تھی۔ نظم و نسق چلانے کے لئے ظلم و استبداد کا استعمال ضروری تھا۔ سرکاری خزانہ بادشاہ کی ذاتی ملکیت تھی۔ اسراف بیجا اور فضول خرچی عام دستور تھا۔ دراصل سلطنت کے انتظام اسلامی قوانین سے بالاتر تھے۔ چند ایک انوکھی خصوصیتوں سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ شرعی احکامات سے مطابقت برتی جاتی تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ علماء کے ہاتھ میں ایسی کوئی طاقت نہیں تھی جس سے وہ سلطان کو اس بات کے لئے مجبور کریں کہ وہ سیاسی مطمح نظر میں تبدیلی کرے۔

آگے اس قسم کے بیانات ملتے ہیں:۔ شالک کی دوارہ سکوچت بھاؤناؤں کا پرورش تھا شوست کا دھارمک سماجک اور آرتھک استحصال کیا گیا (صفحہ ۲۳۲) اول تو یہ قاری کی نفسیات پر برا اثر ڈالتے ہیں اور پھر یہ حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنے کی مثال بھی ہے۔ کب تک ہم اس قسم کی شہنائی بجاتے رہیں گے کہ ہندستان میں مسلم ریاست ایک مذہبی ریاست تھی اور حکمرانوں کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ دارالحرب کو دارالاسلام میں تبدیل کریں۔

دوسری جلد میں غیر ضروری زور اور توجہ صرف کی گئی ہے مغل شہنشاہوں کی "مذہبی پالیسی" پر جس کی ابتدا بابر سے ہوتی ہے اور اسے عروج ملتا ہے اورنگ زیب کے عہد میں۔ مصنفین کو اب تک مذہبی پالیسیوں کے موضوع سے سیری نہیں ہوئی تھی اور ایک بار پھر سماجی اور تہذیبی حالات کے باب میں ہم دیکھتے ہیں کہ از سر نو مذہبی پالیسیوں پر بحث کی گئی ہے۔ (صفحہ ۔ صفحہ) ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ کیا فی الواقع ہمایوں، شیر شاہ وغیرہ کی کوئی خاص مذہبی پالیسی تھی؟ یقینی طور پر جو اطلاع بہم پہنچائی گئی ہے وہ اس سمت میں ہماری مدد نہیں کرتی ہے۔ بہرحال کامیابی سے فرقہ وارانہ تقسیم اور تشخص کو تیز کر دیتی ہے۔ اس طرح کے بیانات ۔۔ بابر نے اپنے سنگھرش میں ہندوؤں کو کافر کہا ہے اور ان کے ورودھ لڑی گئی یدھ کو جہاد ....

(الف) ہمایوں کی دھارمک نیتی اپنے پتا کی دھارمک نیتی سے بھن نہیں تھی۔

(ب) شاہزادہ کٹر پنتھی مسلمان تھا۔ اس نے ہندو مسلم ایکتا کو اگر سر کرنے والے انیک ریتی رواجوں کو پرتیاگ کر دیا ۔۔۔ حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی مثالیں ہیں اور بے محل ہیں۔ بار بار اکبر کی مدح خوانیاں کی گئی ہیں کہ وہ روادار تھا، رعایا پرور حکمراں تھا اور اس نے اپنی مذہبی پالیسی میں آزاد روی کو راہ دی۔ باقی سارے مغل بادشاہوں کو بالخصوص اورنگ زیب کو تنگ نظر مذہب پرست کہا گیا ہے جو اپنی ہندو رعایا پر مظالم ڈھاتا تھا، ہندوؤں کے مندر کو

مسمار کرتا تھا اور اسلام کو ان محکوموں کے حلق سے اتارنے کی کوشش کرتا تھا جنہیں اسلام پسند نہیں تھا۔ اس کے بعد دفعتہً
ہندو راجاؤں کو اور بالخصوص شیواجی کو اس طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے ساتھ حد درجہ رواداری
برتتا تھا خاص طور پر اسلام کے ساتھ۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ شیواجی کے متعلق یہ تحریر کیا جائے کہ اس
کی فوج میں مسلم جنرل تھے اور وہ قرآن کا احترام کرتا تھا۔

"شیواجی نے اپنے ادھین رہنے والے مسلمانوں کو پورن دھارمک سوتنترتا دی۔"

ایک نوجوان متشبہ ذہن پر ایسے متعصبانہ رویے کا کیا اثر پڑے گا۔ اس کے متعلق کچھ زیادہ نہیں کہا جا سکتا۔

مغل مراٹھا جنگ کے ذکر میں شیواجی کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے "تھے" - "ان کا" - اور اورنگ زیب
کو چھپی ہوئی گھرنا، دشمنی کے انداز میں "اس کا" - "تھا" - (صفحہ ۱۰۱)

مغل عہد میں عورتوں کی حالت افسوسناک بتائی گئی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ ان کے
سر پر مسلم حکومت تھی، یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ اسلام میں عورتوں کا درجہ مردوں کے مقابلے میں بے حد کم ہے۔
ان کا سماج میں کوئی مقام نہیں تھا۔

"مسلمان شاسکوں اور سرداروں کے دوراچار کے کارن بال ویواہ اور پردہ پرتھا کا پرچلن سمپورن
سماج میں ہو گیا تھا..... مغل کال میں استریوں کی شکشا کا کوئی پربندھ نہیں تھا...... پرنتو استریوں کا سماج میں کوئی وشیش
استھان نہیں تھا وے پرجیوی اور پرے وستو ہی سمجھی جاتی تھیں۔ پریوار میں کنیا کا جنم اپ شگون سمجھا جاتا تھا۔"

اس قسم کی اطلاع نہ صرف یہ کہ غلط اور مسخ شدہ بلکہ یقینی طور پر مزاجاً اشتعال انگیز ہے۔ ایسے بیانوں کی
ہم توقع نہیں رکھتے ہیں ان درسی کتابوں میں جو ریاستی حکومت کی منظور شدہ اور سفارش شدہ ہیں۔

حالیہ زمانے میں رہنما نوٹس کی کتابوں کا بازار میں سیلاب سا آگیا ہے۔ یہ گائیڈ بکس طلباء میں بے حد مقبول
ہیں۔ میرٹھ کے ناشرین ایسی کتابوں کی اشاعت میں سب سے آگے ہیں۔ یہ کتابیں سوال جواب کے انداز میں لکھی گئی ہیں۔
سوال جواب کا انداز تاریخ وار واقعات کا پابند ہے۔ کچھ خاص فارمولے سوالوں کے جواب میں استعمال کئے گئے ہیں۔
ایسی کتابوں کے مصنف غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ کسی ایک موضوع کے سلسلے میں جو سوالات اٹھائے جاتے ہیں ان کا ایک ہی
جواب ہوتا ہے۔ مثلاً۔

"سندھو سبھیتا کے نواسیوں کی سماجک ویوستھا تتھا آرتھک پرگتی کا ورنن کیجئے۔"

"سندھو گھاٹی کے لوگوں کے سماجک اور دھارمک جیون کے وشے میں آپ کیا جانتے ہیں؟"

"سندھو گھاٹی کے لوگ شیو اور ماترشکتیوں کے اپاسک تھے۔ کیا آپ اس مت کو سمجھتے ہیں؟"

ان سوالوں کا جواب ایک عام سا بیان (اگر آپ اسے بیان کہہ سکیں تو) ہوتا ہے۔ سندھ وادی تہذیب کے عوام کے سماجی، اقتصادی اور مذہبی زندگی کا حیرت ہوتی ہے کہ ایسے طلباء جو ان گائیڈ بکس کے سہارے چلتے ہیں کس قسم کی تاریخ کا علم حاصل کرتے ہیں۔

بہرحال تعجب اس پر ہوتا ہے کہ یہ گائیڈ بکس جو تاریخی اطلاعات بہم پہنچاتی ہیں وہ اس حد تک تنگ دلانہ، متعصبانہ اور غلط نہیں ہیں جس حد تک ان سے توقع کی جاتی ہے۔ متن کا لہجہ تعلیمی، مبہم اور بے ضابطہ ہے۔ شاید سوال جواب کی شکل اس بات کی ضرورت کا احساس دلاتی ہے کہ رسائی کس قدر متوازن ہونی چاہیے تھی۔

دوسرے فرقوں کے سلسلے میں ایک مقررشدہ اہانت آمیز عبارتیں ملتی ہیں۔ بیانات اس قسم کے ہیں۔

بدھ مت کے زوال کے اسباب میں ایک بڑا سبب مسلمانوں کا حملہ ہے۔

"مسلمانوں نے بھارت میں اپنے دھرم پرچار ہیتو بودھ مٹھوں ایوم وہاروں کو توڑ ڈالا۔ بھکشوں ایوم بھکشنوں کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا.........." صـ۳۵

صـ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۶۶، ۱۸۳، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۹۵، ۲۷۹، ۲۹۱ اور ۲۹۲ میں کچھ تراشے ہوئی تنقید ہیں اور مسخ شدہ تاریخ ملتی ہے اور ضرورت اس کی ہے کہ اس پر نظر ثانی کی جائے۔

"A NEW TEXT BOOK OF INDIAN HISTOIY"

ڈل ان کندرا اور اس ڈل کندرا کی تالیف عام طور پر نصاب میں داخل ہے اور دسویں اور بارہویں درجے کے انگلش میڈیم اسکولوں کے طلباء کے مطالعہ میں رہی ہے۔ یہ کتاب خاص طور پر اس کی جلد چہارم مسخ شدہ مواد اور غلط بیانیوں سے بھری پڑی ہے۔ یہ دانستہ طور پر دہلی سلطنت کی ایک غیر ہمدردانہ تصویر پیش کرتی ہے۔

مسلم حملوں سے ابتدا کرکے یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے بدھوں کو بڑی تعداد میں مروا دیا، جنہوں نے اپنی موروثی کمزوریوں کے سبب ان کی کوئی مخالفت نہیں کی۔ اس بیان سے مسلمانوں کے ہاتھوں بے یارومددگار بدھوں کے قتل کی تصویر ابھرتی ہے۔ مسلم حملے کو بدھ مت کے زوال کی اہم ترین وجہ بتائی گئی ہے

اس موضوع کی بے رحمانہ پیشکش کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں جیسی کہ رسول اکرمؐ کی تعلیمات اور اسلام کے عروج و فروغ کے موقع پر ہوئی ہے۔ کتاب میں اسلام کی جو خاص تعلیمات پیش کی گئی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) بت پرستی ایک لعنت ہے اور ہر شخص کو اس سے دامن بچانا چاہیے (۲) محمدؐ نے اپنے پیروکاروں کو

اس بات کی اجازت دی کہ وہ غلام رکھیں لیکن ساتھ ہی ان سے یہ بھی کہا کہ وہ ان سے حسن سلوک برتیں (۳) وہ اس بات کے حق میں نہیں تھے کہ عورتوں کو سماج میں ایک بڑا درجہ دیں۔ انہیں حرم میں رہنا چاہئے اور آزادانہ گھومنا پھرنا نہیں چاہئے۔ (۴) وہ شراب خوری کے مخالف تھے اور انہوں نے لحم خنزیر کے استعمال کو سختی سے منع کیا۔ (صفحہ ۲۹۵ صفحہ ۲۹۶)

یقینی طور پر یہ اسلامی عقائد کے نمایاں اصول نہیں ہیں اگر ہم ان تعلیمات کا بودھ کی تعلیمات سے مقابلہ کریں جو اس کتاب میں شامل کی گئی ہیں تو بیان کا تعصب صاف صاف نظر آجائے گا۔ ہمیں اس قسم کے بیانات ملتے ہیں

"محمود ایک آتش مزاج تنگ دل مسلمان تھا" (صفحہ ۲۷۹)

"ابتدا میں ہندوؤں کی بالادستی تھی اور انہوں نے تین چار ہزار مسلمانوں کو قتل کر دیا" صفحہ ۲۸۰

"ہندو بڑی دلیری سے لڑے لیکن بالآخر وہ شکست کھا گئے اور بڑی تعداد میں ان کو قتل کیا گیا" صفحہ ۲۸۱

پروفیسر ایم حبیب، ڈاکٹر ناظم اور جے ایم جعفری کی آواز کو کہ "محمود نے ہندستانیوں کو لوٹ کر اور ان کی عبادت گاہوں کو توڑ کر اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی کیونکہ اسلام نہ تو تہذیب کی غارت گری کو پسند کرتا ہے اور نہ حملہ آور کے لوٹ مار کے شعار کی ہمت افزائی کرتا ہے، یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ جدید مسلم مورخوں کی آراء ہیں۔ یہ مصنفین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اپنے ہم عصروں کی نظر میں محمود بہت بڑا غازی تھا نیز اپنے عہد کا عظیم ترین مسلم بادشاہ تھا۔ لیکن وہ یہ کہنا بھول جاتے ہیں کہ اس دور میں اس قسم کی لوٹ مار اور غارت گری عام بات تھی۔ اکثر عہد وسطیٰ کی اقتصادیات ہمسایہ ریاست کی لوٹ مار کی بنیاد پر قائم ہوتی تھی۔

بار بار یہ ٹیپ کا بند آتا ہے۔ بہت ساری مندریں مسمار کر دی گئیں۔ اور ان کی جگہ مسجدوں کی تعمیر ہوئی۔ دہلی سلطنت کے زوال کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف یہ سمجھتا ہے کہ مذہبی تنگ نظری کی پالیسی جسے دہلی سلطانوں نے اختیار کیا بے حد اہم تھی۔

دہلی سلطانوں نے ہندوؤں کے خلاف مذہبی تعصب کی پالیسی اختیار کی۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جیسے فیروز تغلق اور سکندر لودھی جنہیں ان پر مظالم ڈھانے میں بڑا لطف آتا تھا .... مال ومتاع اور شمشیر دونوں بڑی آزادی کے ساتھ جبری مذہبی تبدیلی کے لئے استعمال کئے گئے۔ مختلف قسم کے تکلیف دہ ٹیکس ان پر لادے گئے جن میں خاص ٹیکس جزیہ تھا جسے ہر ہندو کو جبراً ادا کرنا تھا ...... اقتصادی طور پر وہ لوگ کمزور اور ستے ہو گئے۔ وہ قانون کی نظر میں بھی برابری کا درجہ نہیں رکھتے تھے .... (صفحہ ۳۹۵ صفحہ ۳۹۶)

اس عبارت کی غلط بیانیاں اور دانستہ طور پر تاریخ کی مسخ شدگیاں بہت عیاں ہیں۔ اس نوع کی تاریخ

کے جو اثرات طلبار کے ذہن پر مرتسم ہوں گے ان کے متعلق مزید اور کیا کہا جائے۔ کتاب اس قسم کی غلطیوں سے بھری پڑی ہے۔ ذیل کے پیراگرافوں پر نظرثانی ڈالنی چاہیئے۔

PP. 8 , 76 , 191 , 192 , 196 , 265 , 266 , 267 , 268 , 269 ,
271 , 272 , 273 , 279 , 280 , 281 , 288 , 299 , 307 , 309 , 318 , 346 ,
385 , 391 , 395 , 413 , 414 , 423 .

دوسری جلد میں بھی یہی طریقہ اپنایا گیا ہے اکبر کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کا اور اورنگ زیب کو ملعون کرنیکا۔
تاریخ کی غلط بیانیوں کو جو درسی کتابوں میں ملتی ہیں انہیں ہم چھ بڑے حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(الف) تاریخ کی وہ توڑ مروڑ جو غیر حقیقی واقعات یا غلط واقعات کی پیشکش سے پیدا ہوتی ہے۔

(ب) تاریخ کو مسخ کرنے کی یہ کوشش کہ کچھ واقعات پر زیادہ زور دیا جائے اور ان پر زیادہ روشنی ڈالی جائے اور کچھ واقعات کا ذکر بس سرسری طور پر کیا جائے۔

(ج) وہ تاریخی غلط بیانیاں جو جان بوجھ کر کچھ صحیح واقعات کے انتخاب؛ ان کی پیشکش اور دوسرے واقعات کو دبانے سے پیدا ہوتی ہیں۔

(د) غلط بیانیاں جو ہمدردانہ / غیر ہمدردانہ موضوع کی پیشکش سے پیدا ہوتی ہیں۔

(ہ) غلط بیانیاں جو اپنے نقطۂ نظر کو سمجھانے کے لئے بے محل حوالوں کی پیشکش سے پیدا ہوتی ہیں۔

(و) غلط بیانیاں جو غیر ذمہ دارانہ تحریر، غلط اصطلاحات کے استعمال اور تعمیت سے پیدا ہوتی ہیں۔

اگر سیاری درسی کتابیں شائع ہوتی ہیں تو یہ سمجھیں کہ ہم نے نصف جنگ جیت لی۔ باقی نصف جنگ ہم اس وقت جیتیں گے جب ہم معلموں کو امتحان کے پرچوں کے سوالوں کے رجحان کے سلسلے میں تعلیم دیں گے۔

●●

جناب سید فاروق حسین شاہ
اسسٹنٹ ٹیچر
ایم۔ اے۔ تاریخ، ایل۔ ٹی
ایم۔ آئی۔ سی۔ الہ آباد

نئی تعلیمی پالیسی اور اخلاقی تعلیم

ایک ٹیچر کی ڈائری

تعارف

زیر نظر مضمون کو سید فاروق حسین شاہ ایم۔ اے (تاریخ) ایل۔ ٹی نے ڈائری کی شکل میں قلمبند کیا ہے جو نئی تعلیمی پالیسی کے سلسلہ میں گورنمنٹ کالج الہ آباد ٹیچرس کے اخلاقی تعلیمی سنٹر میں ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے شریک ہوئے تھے، جس کا مقصد تھا کہ طلباء کو اخلاقیات کا درس کس طرح دیا جائے "اوراق میں موجود برائیوں" کا سدھار کیسے کیا جائے؟ ٹریننگ میں جو باتیں بتائی گئیں سید فاروق حسین شاہ صاحب نے ان لکچرس کو نوٹ کر کے پیش کیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے مسلم بچوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ نئی تعلیمی پالیسی کی اس ٹریننگ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندی ہندو ہندوستانی کا پرانا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے جا رہا ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی کے پس پردہ ہندوستان کی تمام اقلیتوں کو اکثریت کی مذہبی روایات رہن سہن اور ان کے رسم و رواج میں رنگ دیا جائے گا تاکہ اقلیتوں کی اپنی الگ کوئی پہچان باقی نہ رہے۔ بالخصوص مسلمانوں کا اسلامی تشخص باقی نہ رہے۔ یہ پالیسی دستور کی صریح خلاف ورزی اور قومی یکجہتی کے خلاف ہے۔ اس کا فوراً نوٹس لیا جانا ضروری کام ہے۔

جون ۱۹۸۶ء

سکریٹری
دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش لکھنؤ

میں اپنے ادارہ سے انسپکٹر آف اسکولس کے خط نمبر ۸۹۵-۶۸۲/۱۶ مورخہ ۱۹/۴/۸۶ کے مطابق گورنمنٹ ٹریننگ کالج شیو کٹی الہ آباد ٹیچرس کے اخلاقی تعلیمی سنٹر پر جونیر کلاس کے طلبہ کو اخلاقیات کا درس دینے کے لیے ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ ٹریننگ کا پانچواں اور آخری دور تھا جو ۲۶/۴/۸۶ سے ۲/۵/۸۶ تک چلا۔

پہلے روز ۲۶/ اپریل ۱۹۸۶ء

مسٹر آر۔ پی۔ سنگھ آئے اور انھوں نے ہم لوگوں کا نام رجسٹر پر لکھا اور جوائننگ رپورٹ لکھائی پھر بتایا کہ اس میں کئی ماتحت ٹیچرس نہیں آئے ہیں۔ ہمارے تحت صرف نگر پالیکا اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہی لوگ آتے ہیں۔ لیکن انسپکٹر صاحب

کا حکم ہے اس لیے آپ لوگوں کو ٹریننگ دی جا رہی ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی میں ہو سکتا ہے کہ جونیر کلاس کی پڑھائی کا انتظام نگر پالیکا اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے سپرد کر دیا جائے۔ اخلاق تعلیم کی ٹریننگ کے سلسلے میں ایک نردیش پستیکا (GUIDE BOOK) بھی بنائی گئی ہے۔ جو آپ لوگوں کو ہدایت کے لیے دی جائے گی۔ پھر انھوں نے موجودہ تعلیمی شعبہ میں پھیلی برائیوں مثلاً رشوت خوری، حرام خوری، نقل کا عام ہونا، طلبہ کا بدکردار ہونا وغیرہ وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے اخلاق تعلیم ضروری بتایا اور کہا کہ یہ اخلاق تعلیم نئی تعلیمی پالیسی کے ساتھ بہت جلد آرہی ہے۔ ہندستانی تہذیب اور ہندستانی وراثت و ہندستانی آب وہوا کو مدنظر رکھ کر تحقیق ہو رہی ہے اور اخلاق تعلیم کی کتابیں تیار کی جا رہی ہیں کیونکہ پہلے ہم ہندستانی میں پیچھے تھے اور اس تعلیم پر سرکار بہت روپیہ خرچ کر رہی ہے اور نئی تبدیلی ہو رہی ہے بچوں کا اس وقت تعلیم کا پرسار ہو رہا ہے۔ اس اخلاق تعلیم اور نئی تعلیمی پالیسی کے لاگو ہوتے ہی ایک آندھی آئے گی۔ لیکن اس سے ہار نہیں ماننا چاہیے۔ یہ سب وقتی ہو گا بعد میں قابو پالیا جائے گا۔ ہم یقیناً کامیاب ہوں گے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم تیزی سے اپنے مقصد کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے بتایا کہ ماہ دسمبر ۱۹۸۵ء میں سردار رشی کیش شانتی کنج جو اخلاق تعلیم کا مرکزی سینٹر ہے وہاں ان کے یہاں سے دو پائٹے جی اور الہ آباد کے دیگر اداروں سے جس میں راج آمابر بہاری کماری اینشوری وشو ودیالیہ کے لوگ بھی شامل تھے اخلاقیات کا درس حاصل کرنے سردار مرکزی تعلیمی سینٹر گئے۔ اس جگہ کو اس لیے چنا گیا کہ یہ ہندو تہذیب کا ایک تاریخی مقام ہے جو نہایت دلکش اور تنہائی میں آباد ہے۔ وہاں اخلاقیات کا جو درس دیا جاتا ہے، اس سے ہم لوگ بہت متاثر ہوئے۔ نہایت ہی دلکش ماحول تھا۔ صبح سویرے ہی ماتا گائتری کی میٹھی آواز میں رام دھن کی پرارتھنا سے شروع ہوتا تھا۔ اس لیے میں بھی یہاں کلاس پرارتھنا سے شروع کروں گا۔ وہاں سارا کام وید منتر سے شروع ہوتا تھا۔ ہندو تہذیب کے مطابق کھانا کھلایا جاتا تھا۔ کھانے کا وقت مقرر تھا۔ ماسٹر آر پی سنگھ صاحب نے تنقید کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ ایک برتن میں کھاتے اور ایک ہی گلاس میں پانی پیتے ہیں بہت غلط ہے۔ کیونکہ اس سے بیماری ہو سکتی ہے۔ سائنس کے اصول کے بھی خلاف ہے۔ ہندو طریقہ کے مطابق ہی کھانا ٹھیک ہے کیونکہ پنتی دھو کر اور کھڑ دھو کر دیا جاتا ہے جو کھانے کے فوراً بعد پھینک دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہندستان ایک گرم دیش ہے، یہاں گرد وغیرہ اڑا کرتی ہے۔ اس لیے کھانے سے پہلے ہاتھ اور پیر بھی کو دھویا جاتا ہے۔ اس لیے صرف ہندستانی آب وہوا کے لحاظ سے ہندستانی طور پر ہی کھانا درست ہے۔ ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے بتایا کہ ہندستانی آب وہوا اور ہندستانی تہذیب کو ہی مدنظر رکھ کر ہم لوگوں کو ٹریننگ دی گئی ہے۔ جو کھانا پکتا تھا اس میں لہسن، پیاز وغیرہ کا استعمال بالکل نہیں کیا جاتا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں

پرانی تہذیب اور اصولوں کو پھر سے زندہ کرنا چاہیے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان چیزوں کو پھر سے لاگو کیا
جائے۔ جو ھندوستانی آب و ہوا کے حساب سے درست ہے۔ بچے کمہار کی مٹی کے تودے کی طرح
ہوتے ہیں۔ انکو شروع میں جیسا چاہیے بنایا جا سکتا ہے۔ اس لیے آج چھوٹے بچوں کے لیے اخلاقی
تعلیم بہت ضروری ہے۔ شیروانی انٹر کالج صلاح پور الہ آباد سے ٹریننگ میں آئے ہوئے ماسٹر حیات اللہ صاحب نے
کہا کہ سبھی مذاہب کے اصول (FUNDAMENTALS) ایک ہی ہیں اور جتنی بھی اعلیٰ شخصیتیں ہوئی ہیں مثال کے طور پر گاندھی
جی ان کے چاروں طرف سبھی مذاہب کی کتابیں رکھی ہوتی تھیں۔ ایک طرف بائبل، ایک طرف قرآن، ایک طرف گیتا، گرو گرنتھ
صاحب، رامائن وغیرہ جنھیں پڑھ کر گاندھی جی مہان پرش ہوئے۔ انھوں نے بہت ہی اچھی مثال شہد کی مکھی کی دی کہ جس
طرح سے شہد کی مکھی بغیر کسی تفریق کے ہر پھول پر بیٹھتی ہے اور رس حاصل کرتی ہے اور جب اپنے چھتے میں جا کر اسے نکالتی ہے
تو اس سے شہد بنتا ہے جو بہت ہی میٹھا ہوتا ہے مگر آج تمام مذہبی کتابیں الماریوں میں بند ہیں اور انھیں
دیمک چاٹ رہی ہے۔ اس پر ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے کہا کہ ہماری پرانی ہند و تہذیب
کے لٹریچر جو تکشیلا اور نالندہ ... کی یونیورسٹی میں موجود تھا اختیار الدین بن بختیار
خلجی نے اس پوری لائبریری کو نذر آتش کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس ہر سوال کا جواب موجود ہے۔
حیات اللہ صاحب نے تاریخ کا حوالہ دیکر کہا کہ آخر بختیار خلجی، محمد غوری اور بابر وغیرہ کو بلانے والا کون تھا؟ یہیں کے
لوگ ہی تو تھے اس کو سب نے قبول کیا۔ آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے کہا کہ آج اسی لیے نیتک شکچھا (اخلاقی تعلیم) بچوں کو
دینا بہت ضروری ہے۔ حیات اللہ صاحب نے بتایا کہ موجودہ اخلاقی تعلیم کی بنیاد محکمہ تعلیمات اتر پردیش میں سب سے پہلے
شکچھا نردیشک (ڈائرکٹر آف ایجوکیشن) بھگوتی شرن سنہا جی نے ۱۰/۱۰/۸۰ کو ڈالی تھی اس میں بھی شامل تھا ——
ریٹائرمنٹ کے بعد انھوں نے اسے محکمہ تعلیمات کو سپرد کرتے ہوئے کہا کہ اب آپ لوگ جس طرح سے چاہیں چلائیں چنانچہ
اب اس کا مرکزی سینٹر ہردوار رشی کیش شانتی کنج ہے۔

تاریخ ۲۷؍اپریل ۱۹۸۶ء

اس روز کلاس میں ماسٹر سنگھ صاحب نے بتایا کہ ہردوار رشی کیش شانتی کنج میں تعلیم و ٹریننگ وید رامائن مہابھارت
گیتا کے نصیحت والے واقعات کو بیان کر کے گیتوں، کہانیوں، ناٹک و کھیل کود کے ذریعہ دی جاتی تھی۔ وہاں سے اچھے
لکچرس... گیتوں کے کیسٹ لائے گئے ہیں جو آپ لوگوں کو بھی سنائے جائیں گے۔

اخلاقی تعلیم کردار کو بنانے میں مدد کرتی ہے۔ ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ نے بتایا کہ گزشتہ

کھلنے سے جسم گندہ ہو جاتا ہے، اس میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ انہوں نے کہا جو لوگ گوشت خور ہوتے ہیں وہ لڑاکو ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے کبھی کسی ملک پر حملہ نہیں کیا۔ اس ملک پر دوسرے ملک والوں نے حملہ کیا کیونکہ وہ لوگ گوشت خور تھے۔

تاریخ ۲۹ر اپریل ۱۹۸۶ء

اس روز ماسٹر سنگھ صاحب نے پچھلی باتوں کو دہراتے ہوئے بتایا کہ آئیڈیل لوگ (آدرش پرش) رام کرشن وغیرہ ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہندوؤں میں شادی ایک سنسکار ہے جبکہ مسلمانوں میں اور دوسروں میں ایک معاہدہ ہے جو کبھی بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ماسٹر سنگھ صاحب نے موجودہ شاہ بانو کیس کا ذکر کیا۔ بھارت میں عورت کو گرہ لکشمی اور شوہر کو دیوتا کہا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ غیر ملکی اثرات اور فلسفہ اپنانے سے ہم بھارتی نہیں رہ جائیں گے۔

اس روز ماسٹر لکشمی شنکر مشرا نے جو گیت سکھایا اس کو ایکشن کر کے بتایا۔ اس گیت کو بچوں کو ایکشن کے ساتھ سکھایا جائے گا۔ بھارت ماں کے سامنے بچوں کو آمنے سامنے ایک لائن میں کھڑا کیا جائے گا۔ سبھی لڑکے آمنے سامنے دو لائن میں کھڑے ہونگے داہنے ہاتھ سے بھارت ماں کی تصویر کی جانب اشارہ کر کے گیت شروع کیا جائے گا اور جہاں ہاتھ جوڑنا چاہئے ادب سے زمین پر ایک گھٹنا ٹیک کر بھارت ماں کی تصویر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر جھکنا پڑے گا۔ اسی طرح گنگا جی کی ریت سے چندن لگانے کی لائن کو کہتے وقت اسی طرح زمین پر انگلی ٹیک کر اپنے ماتھے پر لگانا ہوگا۔ (یہ دراصل بھارت ماں اور گنگا پوجا کرنے کی تعلیم کا درس دینا ہے) گیت یہ ہے:

اے پیاری بھارت ماں — تجھے ہم شیش جھکاتے ہیں
تیرے پر بلی بلی جاتے ہیں — تیرے پر بلی بلی جاتے ہیں
ملا سا ہس ہم کو ماں — تیرے اس اونچ ہمالیہ سے

سبھی گیت پرانی ہندو تہذیب اور مذہبی عقائد کو مدنظر رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ چھوٹے بچے چونکہ معصوم ہوتے ہیں اور گیت ناچ رنگ کے شوقین ہوتے ہیں۔ اس لیے ان پر گیتوں کے ذریعہ ہندو تہذیب دھیرے دھیرے خود بخود غالب آجائے گی۔

تاریخ پڑھاتے وقت اچھے اور برے نتائج کو بتانا اور اشوک، گوتم بدھ، شیواجی اور رانا پرتاپ کی

مثالیں پیش کرنا،

اعلیٰ شخصیتوں کی مثالیں پیش کرنا جیسے گرد کل کانگڑی میں سوامی شردھانند جی نے دس طلبہ سے گرد کل تعلیم شروع کی تھی۔

ماسٹر سنگھ صاحب نے کہا کہ روح زندہ جاوید ہے۔ وہ کبھی نہیں مرتی۔ انھوں نے کہا کہ پونر جنم (انسان کا بار بار مختلف شکل میں پیدا ہونا) میں یقین، پھر کرم پھل (انسان دنیا میں جس طرح کے کام کرتا ہے دوسرے جنم میں اسی طرح اس کی شکل بن جاتی ہے، جیسے سانپ، چیونٹی وغیرہ) میں یقین کرنا۔

ماسٹر سنگھ صاحب نے کہا کہ یہ سب ایسے نکات ہیں جن سے پہلوان کو آسانی سے چت کیا جاسکتا ہے۔ اس جملے کو کہتے ہی ماسٹر سنگھ صاحب چونک کر پوچھ بیٹھے کہ کیا یہاں کچھ مسلمان بھی ہیں؟ میں بول اٹھا جی ہاں میں ہوں تب انھوں نے کہا کہ آپ کے مذہب میں ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو وہ قیامت کے روز اٹھتا ہے اور حساب کتاب ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے یہاں ایسا نہیں مانتے۔ ہمارے یہاں پونر جنم کے اصول کو مانا جاتا ہے کیونکہ انسان سنسکار میں بندھا ہوا ہے اور جب اس سے نجات پاتا ہے تب ہی اسے نجات ملتی ہے ورنہ نہیں۔ میں نے اقبال کا شعر پڑھ کر سمجھانے کی کوشش کی:

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے ۔۔۔ کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

کرم کا پھل لازمی ہے اسی اصول سے ہم اچھے برے کی پہچان کر سکتے ہیں اس سلسلے میں ماسٹر سنگھ صاحب نے "بویا پیڑ ببول کا" کی مثال دی۔

اس روز ماسٹر پانڈے جی نے اپنے کلاس میں یہ باتیں بتائیں:

خدا نے انسان کو اپنی سبھی خصوصیات سے سنوارا ہے، لیکن انسان دنیا کو سب کچھ سمجھ کر خدا کی طرف رجوع نہیں ہوتا۔ ماسٹر پانڈے جی نے اتم مولیہ (روح کی قیمت) کو ثابت کرنے کے لیے پران کی کہانی شیر اور شاوک کی مثال پیش کی اور رامائن کے کرم یوگی کی مثال پیش کی کہ پونر جنم (بار بار جنم لینا) سب سے بڑا دکھ ہے۔ مرنے سے کچھ لمحے پہلے پورے جیون کا نقشہ سامنے آتا ہے کیونکہ کال (جنم) کا پردا جو اس کے دماغ پر پڑا ہوتا ہے۔ وہ مرتے وقت ہٹ جاتا ہے۔

ہماری حالت کیا ہے؟ اس سلسلے میں ماسٹر پانڈے جی نے ماسٹر سنگھ صاحب کی باتوں کو دہراتے ہوئے انسانوں کی چار قسمیں بتائیں:

نر پاشو: اس میں وہ لوگ آتے ہیں جو انسان نہیں۔ اپنی خواہشات اور اپنے مقصد کو پورا کرنے میں ہی

لگے رہتے ہیں۔ پاتنجلی ویاس بہت ہی عقل مند تھے۔ انھوں نے اٹھارہ کتابیں لکھیں اور لوگوں کو سکھا دان دیا (عقل بخش)
اس سلسلے میں ماسٹر پانڈے جی نے کہا کہ جیسا کھانا ہوگا ویسی ہی عقل ہوگی۔ پیٹ
ایک ہون کنڈ (ایک کڑاھا) ہے۔ اس میں اچھی چیزیں ڈالنا چاہئے۔ جیسے ہون کنڈ میں اچھی چیزیں
ہی ڈالی جاتی ہیں۔ اگر گوشت خور ہے تو اس کی موت بد قسمت ہوگی اور وہ ۳۰۰۰ یونی پیچھے ہو جائے گا
جس میں اُسے تڑپنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں ماسٹر پانڈے جی نے گائے اور بکرا کاٹنا افسوسناک اور غلط
بتاتے ہوئے کہا کہ جب کبھی میں بکرا کاٹتے لوگوں کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ
یہ لوگ کتنے پاپی ہیں۔ کیونکہ گائے کی ہی یونی کے بعد خدا نے انسان کو بنایا ہے۔
جو لوگ گوشت کھاتے ہیں وہ جب پیٹ میں جاکر سڑتا ہے تو اس سے جسم گندہ ہو
جاتا ہے۔

ویوہار (برتاؤ)

(۱) سکان بھرے اخلاق کے ساتھ ملنا۔ آواز میں مٹھاس اور شرافت کا ہونا۔
(۲) اندری نگرہ (اپنے جسم کے حصوں کو قابو میں رکھنا) یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہمارا کھانا
ساتوِک یا سادا ہو۔ اس سلسلے میں ماسٹر آر۔ پی سنگھ صاحب نے کہا کہ میں جب بنارس
جاتا ہوں تو اس مندر میں ضرور جاتا ہوں جس میں رانی پدمنی کے جوہر کی مورتیاں بنی ہوئی
ہیں۔ رانی پدمنی نے اپنی عزت و آبرو بچانے کے لئے تقریباً پانچ ہزار عورتوں کے ساتھ
جوہر تا ڈکیا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر میں سوچتا ہوں کہ کتنا بے رحم ہوگا علاء الدین
کہ اس نے بے گناہوں کا خون بہایا اور اس کو دیا اور رحم تک نہ آیا۔ کسی کو تکلیف نہ پہونچانا
چاہئے۔

●●

جناب ظفر احمد صدیقی
لکھنؤ

یوپی کی سرکاری نصابی کتابوں کا مختصر جائزہ

سرکاری نصاب تعلیم کے بارے میں بنیادی اعتراضات:

(۱) عقیدۂ توحید ذاتِ باری تعالیٰ، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ حیات بعد الموت اسلام کے تین بنیادی عقائد ہیں۔ نصاب کی کسی کتاب میں کسی ایسے سبق کا شامل کرنا جو براہ راست یا بالواسطہ اسلام کے ان بنیادی عقائد کے خلاف ہو یقیناً مسلمان بچوں کو اپنے مذہب کے معتقدات سے گمراہ کرنا ہوگا۔ زبان و ادب اور تاریخ کی سرکاری منظور شدہ کتابوں کو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو ان میں سے ہر ایک میں ایسے اسباق شامل کئے گئے ہیں جو ہمارے مذہب کے متذکرہ بنیادی عقائد کی جڑ کاٹنے والے ہیں۔ اور انھیں پڑھ کر مسلمان بچہ ہرگز مسلمان نہیں رہ سکتا۔ مثلاً شیڈول الف (اے) میں ان کتابوں کے چند اقتباسات درج ہیں جو مختلف درجات کے نصاب کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔

(۲) ان کتابوں کے اسباق کی وضاحت کے لئے جو تصاویر شامل کی گئی ہیں ان سے معاملہ بد سے بدتر ہو جاتا ہے۔ وہ مذہب اسلام کے بنیادی عقائد کے سراسر مخالف ہیں۔ شیڈول (بی) میں مختلف کتابوں سے چند حوالجات پیش کیے گئے ہیں جن سے ہمارے نقطۂ نظر کی وضاحت ہو جائے گی۔

(۳) نصاب کی کتابوں میں بکثرت ایسے قصے اور کہانیاں ہیں جو ہندو دیومالا سے اخذ کی گئی ہیں۔ یہ بت پرستی اور اوہام پرستی کی بالواسطہ تعلیم دیتی ہیں۔ اور اسلامی عقائد کے خلاف ہیں ان اسباق کو ذہن نشین کرانے کے لیے سوالات اور ان کے قصے کہانیوں کو ڈرامائی شکل میں اسی طرح پیش کرنے کی ہدایات نے معاملے کو اور بھی سنگین بنا دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو شیڈول ۔ سی)

(۴) پرائمری اور جونیئر ہائی اسکول کی نصابی کتابوں میں دعائیں، بھجن اور دوہے وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ان میں زیادہ تر دیوتاؤں کا تذکرہ اور ان کی مدح سرائی ہے یا ان شخصیتوں کی تعظیم و تکریم ہے جنھیں اوتار بتایا گیا ہے اور انھیں خدائی کا منصب دیا گیا ہے۔ ہمارے بچوں کو یہ چیزیں زبانی یاد کرائی جاتی ہیں حالانکہ اوتار کا تصور اسلام کے نزدیک شرک ہے اور اس کے بنیادی عقائد توحید کے خلاف ہے یہ دعائیں اور بھجن ہمارے بچوں کے صاف اور سادہ ذہنوں پر مضر اثرات پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ (ملاحظہ ہو شیڈول ۔ ڈی)

(۵) جن کتابوں میں ہندوستانی تہذیب اور اخلاقیات کے نام سے مضامین و اسباق شامل کیے گئے ہیں۔ ان میں بھی خالص ہندو تہذیب کی تبلیغ و اشاعت کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو شیڈول۔ ای)

(۶) موجودہ درسی کتابوں نیز غیر درسی کتابوں میں جو سرسری طور پر پڑھنے کے لئے منظور کی گئی ہیں یہ بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ ان میں مسلم بزرگانِ دین اور مصلحین کو قصداً نظر انداز کیا گیا ہے گویا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے ہزار سالہ کارہائے نمایاں کو پسِ پشت ڈال کر یہ تاثر دیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے ملک کے کسی شعبۂ زندگی میں کوئی بہتر کام کیا ہی نہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری نئی نسلوں میں احساسِ کمتری پیدا ہو جائے گا جو قوموں کے لیے پیغامِ موت ہے۔

(۷) تاریخ و زبان کی کتابوں کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے کی بھی باقاعدہ کوشش کی گئی ہے ایک تو بالعموم ان کتابوں میں مسلمانوں کی ان عظیم المرتبت ہستیوں اور اولیائے کرام کا کوئی تذکرہ ہی نہیں جن کی زندگیاں بلا شبہ بغیر امتیاز مذہب و ملت سب ہی ہندوستانیوں کے لیے روحانی فیضان کا سرچشمہ مانی جاسکتی ہیں لیکن اگر کہیں کچھ مسلم شخصیتوں کا ذکر بھی ہے تو زیادہ تر ان کے کردار کی تصویر کشی کچھ اس انداز سے کی گئی ہے کہ جس سے نہ صرف ان شخصیتوں کے خلاف بلکہ ان کے مذہب کے خلاف بھی جذبات ابھر آئیں۔ (ملاحظہ ہو شیڈول۔ الف)

(۸) یو۔ پی میں سنسکرت کو بے جا طور پر سہ لسانی فارمولے میں شامل کر لیا گیا ہے اور اردو کی تعلیم کا معقول بندوبست نہیں کیا گیا ہے۔ عملاً سنسکرت کی حیثیت لازمی زبان کی ہو گئی ہے۔ ہمارے لڑکوں اور بچوں کو سنسکرت کے بھیس میں خالص ہندو مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے جو لا مذہبی پالیسی کے سراسر خلاف ہے۔

ملاحظہ ہو شیڈول (سی) جس میں سنسکرت کے حوالے دیے گئے ہیں۔

(۹) باوجود مرکزی حکومت کی ہدایات کے اور باوجود ان احکامات کے جو ریاستی حکومت کے نام جاری ہوئے ہیں تعلیمی اداروں میں اردو کو اب تک اس کا جائز مقام نہیں ملا ہے۔ بہت سی تعلیم گاہوں میں اردو کی تعلیم کی آسانیاں نہیں فراہم ہوئی ہیں۔ ہماری مذہبی کتابیں زیادہ تر اردو میں ہیں اور ہماری تہذیب (کلچر) اردو زبان سے وابستہ ہے اردو کے ساتھ نا منصفانہ برتاؤ ہماری ثقافت و تہذیب کے لیے سدِّ راہ بنا ہوا ہے۔

(۱۰) ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ ہمارا یہ منشا ہرگز نہیں کہ ہم ہندو مذہب اور اس کے فلسفے یا اس کی دیومالا پر کوئی اعتراض کریں اور نہ ہم اس بات کے مخالف ہیں کہ ان پرائیویٹ درس گاہوں میں جو مختلف مذہبی تنظیموں یا افراد کی طرف سے چلائے جا رہے ہیں، مذہبی تعلیم دی جائے۔ ہماری معروضات کا منشا صرف یہ ہے کہ جیسا کہ مسٹر چھاگلے نے اپنی مشہور

کتاب دستور اساسی کے دوسرے ایڈیشن ۱۹۵۴ء کے صفحہ ۷۵، ۷۶ پر لکھا ہے کہ :

"جب کسی ملک میں کئی ایک مذاہب ہوں تو حکومت کے لیے اسکولوں اور کالجوں میں مذہبی تعلیم دینا بغیر ان اصولوں کی خلاف ورزی کیے ہوئے جو دستور ہند میں دیے گئے ہیں عملاً ناممکن ہے، وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں ان مذاہب میں سے کسی ایک ہی مذہب کی تعلیم دی جا سکتی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ دیگر مذاہب کے پیرو حق مساوات سے محروم کر دیئے جائیں نیز یہ کہ پبلک فنڈ کسی ایک مذہب کی ترقی و اشاعت کے لیے صرف کیا جاتے۔ اس کے علاوہ یہ بات دستور کی آرٹیکل ۲۸ (۱) کے بھی منافی ہے۔"

اسی طرح ہمارا منشا یہ بھی نہیں ہے کہ ہم ہندستان کی عظیم المرتبت شخصیتوں کی کوئی تنقیص یا توہین کریں، ہمارے دلوں میں ان کی بڑی عزت ہے۔ البتہ ہم یہ گوارہ نہیں کر سکتے کہ ہمارے بچوں کے ذہنوں میں ان کی زندگی کی تصویر اس طور پر پیش کی جائے جو انسان پرستی کی راہ پر لے جائے کیونکہ یہ چیز اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید کے منافی ہے۔

کوئی انسان خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اس کو خدا بنانا یا اس کی طرف خدائی صفات منسوب کرنا اسلام کے خلاف ہے۔

ظفر احمد صدیقی (وکیل)
کنوینر اصلاح نصاب کمیٹی دینی تعلیمی کونسل اترپردیش (لکھنؤ)

ضمیمہ (۱)

میں اُن بھگوتی سرسوتی کی پناہ مانگتا ہوں جو سفید کمبل، چاند یا برف کی مانند سفید لباس پہننے والی ... سفید کمبل پر بیٹھی ہوئی، برہما، وشنو، مہیش وغیرہ دیوتا جن کی ہمیشہ بندنا کرتے ہیں جو ہر طرح کی جہالت اور تاریکی دور کرنے والی ہیں۔ (سنسکرت پریشی صفحہ ۱)

میں ایسے شیوجی جو قابلِ پرستش ہیں اور چاند جن کا زیور ہے اُن کے پوت (گنیش جی) کی بندنا کرتا ہوں۔

(سنسکرت پریشی صفحہ ۱)

کافور کے مانند گورے رنگ والے دریا کے مجسّمے، سنسار کے مالک، دل کے کمل میں رہنے والے پاربتی سہت شنکر بھگوان کی میں بندنا کرتا ہوں۔ (سنسکرت سوبودھنی صفحہ ۱)

حوالہ جات سنسکرت سدھا (ترجمہ):-

ہاتھی کی سونڈ کی طرح منہ والے، بھوت پریتوں سے گھرے ہوئے، کیتھے اور جامن کے پھلوں کو سندر مان کر کھانے والے پاروتی کے لڑکے، تکلیف کو مٹانے والے تکلیف و مصیبت پر فتح پانے والے (گنیش جی) کے پاک قدم (قدموں) کو میں سلام کرتا ہوں۔ (سنسکرت سدھا حصہ اول سبق تعلیم شروع کرنا)

گنگا جمنا، سرسوتی ندیوں کے کارن (سبب) ہی پریاگ کو تیرتھ راج کہا جاتا ہے گنگا ندی کو نمسکار (آداب) گنگا جمنا ندیوں کو پرنام (سلام) گنگا جمنا سرسوتی ندیوں کو پرنام (سلام) بنارس میں گنگا جمنا ندیوں کے کنارے پر اشنان کرنے سے بہت ثواب ہوتا ہے۔ (سنسکرت سدھا حصہ اول سبق دریا بہتا ہے۔ صفحہ ۱۷)

"کھانے کی روز پوجا کرو۔" (سنسکرت سدھا حصہ اول صفحہ ۲۰، ایڈیشن ۱۹۹۳)

تصویر کو دیکھو۔ یہ بھگوتی سرسوتی کی تصویر ہے، عقل دینے والی سرسوتی کو میں سلام کرتا ہوں جس کی مہربانی سے لوگ دیوتاؤں کے برابر ہو جاتے ہیں۔" اس زبان کی مالکن سرسوتی دیوی کو میں سلام کرتا ہوں۔

(سنسکرت سدھا حصہ اول صفحہ ۴۰، ایڈیشن ۱۹۹۳)

"جو پیدائش، پرورش کرنے والی اور شاد دینے والی ہے، جو دکھ کو دور کرنے والی ہے، جو سب کا بھلا کرنے والی ہے، اس رام کی محبوب سیتا کو میں سلام کرتا ہوں۔ (سنسکرت سُدھا حصہ اول سبق گھومیش کے مالک رام کو میں سلام کرتا ہوں، صفحہ ۱، ۲۔ ایڈیشن ۹۲ء، شروع ہوتا ہے)۔

ہمالیہ کے شوہر، نیکیوں کے مالک ... بھوانی کو بیوی بنانے والے پانچ منہ والے شیو جی کو میں با ادب سلام کرتا ہوں۔

"اے بھوانی کے شوہر، اے امن، اے کام دیو کے دشمن، اے پوری طرح پورے، آپ کے علاوہ دوسرا نہ تو بڑا ہے اور نہ میرے ماننے کے قابل ہے اور نہ پوجا کے قابل ہے۔"

(سنسکرت سُدھا حصہ دوم سبق بندنا (دعا) صفحہ ا سے شروع ایڈیشن ۹۳ء)

دیوتاؤں کی پوجا دھیرج سے کرنی چاہیے۔ (سنسکرت سدھا حصہ دوم۔ سبق ہم سو سال زندہ رہیں، صفحہ ۲۰، ۲۱، ایڈیشن ۹۳ء)

"اے کروڑوں سورج کی طرح دمکتے ہوئے (چمکتے ہوئے) موٹے تازے جسم والے اور ٹیڑھے منہ والے بھگوان (گنیش جی) میرے سب کاموں میں ہمیشہ مختلف رکاوٹوں میں کمی کیجیے۔ (سنسکرت سدھا حصہ سوم، سبق بندنا صفحہ ۱)

"آدمی کی سب مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے سفید پوشاک پہننے والے چاند کی طرح صاف رنگ والے، چار ہاتھوں والے، خوش رہنے والے بھگوان وشنو کا دھیان رکھنا چاہیے۔" (سنسکرت سدھا حصہ سوم، سبق بندنا صفحہ ا سے شروع)

"میں مصیبتوں کا خاتمہ کرنے والے، بھرپور مال و دولت دینے والے اور دنیا میں سب سے خوبصورت رام جی کو بار بار سلام کرتا ہوں۔" (سنسکرت سدھا حصہ ۳ صفحہ ۲)

خوش کرنے والے گنیش مجھے نیکی دیں، علم دینے والی دیوی سرسوتی میرا بھلا کریں بھلائی کرنے والے بھگوان شیو میرا بھلا کریں۔ (سنسکرت سدھا حصہ ۳ سبق دعا صفحہ ۳)

"پیپل کا درخت، برگد کا درخت ... گنگا، سندھ، سرسوتی، گوداوری یہ سب ندیاں ہمارا بھلا کریں لکشمی ... شراب، چاندنی پھیلانے والے چاند ... کام دھینو گائے، امراوت ہاتھی .... یہ چودہ رتن دنیا میں روزانہ ہمارا بھلا کریں۔ (سنسکرت سدھا حصہ ۳ سبق دعا صفحہ ۳ سے شروع)

کیا آپ نے دیوالی منائی: یمراج بھی اس دن اپنی بہن جمنا کے گھر کھانا کھانے جاتا ہے اس لیے اس دن جمنا میں اشنان کرنے سے موت کے وقت کی تکلیف میں نہیں پھنسنا پڑتا۔ (نو بھارت حصہ ۲ صفحہ ۳۳ ایڈیشن ۱۹۹۳)

ہماری کام دھینو گائے: یہ ہماری ماتا ہے، اس کی سیوا سے ہم پوتر ہوتے ہیں، رگ وید میں گائے کے

بھرت نے تھا ئیل کو پتا (باپ) کہا گیا ہے۔ گائے دھرتی ماتا کی بھی ماں ہے، وہ ہماری کام دھینو ہے ہمارے پوجنے کے لائق ہے۔
(ساہتیہ جو تسنا حصہ دوم صفحہ ۸ تا ۱۱۔ ایڈیشن ۱۹۹۳ء)

جنم اشٹمی کے دن اگر ہم گائے کی پوجا کریں تو وہ ٹھیک ہی ہے۔۔۔ ندی کی پوجا، تلسی کی پوجا اگر اچھی طرح سوچ سمجھ کر کریں تو اس سے انتر کرنشر (ضمیر) کو اچھی سے اچھی سکھیا (تعلیم) ملے گی۔

ساون کے مہینے میں بہت سی گائیں بیاتی ہیں۔ اگر گھر کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں کرتگیا (احسان مندی) کے ساتھ گایوں کے اِدھر اُدھر اچھلنے کودنے اور چرنے والے چھوٹے چھوٹے بچھڑوں کی ہلدی اور روئی سے پوجا کریں تو کتنی محبت پیدا ہوگی۔" (گدیہ گورو برائے ہائی اسکول صفحہ ۴۹۔ ایڈیشن ۱۹۹۳ء)۔

ندی ایشور نہیں ہے، پر ایشور کا اسمرن (یاد کرانے والی) دیوی ضرور ہے اگر گورو کو سلام کرنا اُچت ہے تو ندی کی بھی بندنا کرنا انصاف ہے۔ (ہندی گدیہ بھارتی برائے ہائی اسکول صفحہ ۲۱-۲۲۔ ایڈیشن ۱۹۹۳ء)

ضمیمہ (بی)

تصاویر و توضیحات:

- سورج کی طرف منہ کر کے اور ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا۔ (ریڈر حصہ ۵ اردو۔ ہندی صفحہ ۱ پر)
- گنگا جی کا سورگ سے اتر کر شیو جی کی جٹا میں آنا۔ (ریڈر حصہ ۵۔ ایڈیشن ۹۳ء صفحہ ۷ پر) اور (ریڈر ہندی حصہ سوم۔ ایڈیشن ۹۳ء صفحہ ۱۹ و ۲۰ پر)۔
- بھارت ماتا دیوی کے روپ میں دکھلائی گئی ہیں۔ (ریڈر اردو حصہ ۲۔ ایڈیشن ۹۳ء، صفحہ ۱ پر)
- بھگوان کے مجسمے کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کرتے ہوئے۔ (نوپربھات حصہ اول صفحہ ۱۔ ایڈیشن ۹۳ء)
- بھگوان کی مورت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کرتے ہوئے۔ (نوپربھات حصہ دوم۔ صفحہ ۱ پر۔ ایڈیشن ۹۳ء)
- شیو جی اور پاربتی جی کی تصویر اور اس کے نیچے عبارت: "دنیا کے ماں باپ پاربتی اور پرمیشور کی میں بندنا کرتا ہوں۔" (نوپربھات۔ حصہ ۳۔ سنسکرت۔ صفحہ ۲)
- تری دیو کا رنیت دیو کے سامنے ظاہر ہونا۔ (نوپربھات۔ حصہ سوم۔ صفحہ ۱۔ ایڈیشن ۹۳ء)
- گنگا دیوی کی دیومالائی شکل اسکے نیچے عبارت: "دیوتاؤں کی مالکہ بھگوتی گنگا۔" (نوپربھات حصہ سوم صفحہ ۲ سنسکرت۔ ایڈیشن ۹۳ء)۔

شنڈول (سی)

ہندو دیومالا :

نصاب کی تقریباً تمام کتب میں خواہ وہ پرائمری درجات میں ہوں یا جونیئر ہائی اسکول کے لیے حتی کہ جانے پوروج کے سٹ میں بھی کہانیاں عموماً دیومالائی ہیں۔ تاریخی شخصیتوں کو بھی اس انداز سے پیش کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں ہندو دیومالا کے پرچار کے لیے لکھی گئی ہیں۔ یہ بحث نہیں ہے کہ قصے کہاں تک حقیقت پسندی پر مبنی ہیں یا کس حد تک غیر فطری ہیں۔ ہندو دیومالا کے خلاف کوئی تنقید مقصود نہیں۔ اس سے زیادہ دیومالا خاص ہندو بچوں کو نجی طور پر پڑھائی جائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ان دیومالائی قصوں سے نہ تو قومی یکجہتی میں کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ ملکی ترقی میں۔ برخلاف بچے کی ذہنی ترقی رک جاتی ہے۔ رجعت پسندی اور اوہام پرستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک طرف بچہ ان دیومالائی قصوں کو پڑھتا ہے۔ دوسری طرف اس کے سامنے سائنس کے تجربات، تاریخی شواہد، جغرافیائی حالات اور تحقیق شدہ واقعات ہوتے ہیں تو بچے کا ذہن سخت کش مکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ بڑی ناانصافی ہے کہ سرکاری اور نیم سرکاری مدرسے ایک مذہب کی دیومالا کی تبلیغ کا ذریعہ بنائے جائیں اور دوسرے مذاہب کے بچوں کے خام ذہنوں میں ان کا اثر سمویا جائے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس طرح کے دیومالائی اسباق کے سلسلے میں جو تصاویر بنی ہیں ان سے متاثر ہوئے بغیر کوئی بچہ رہ نہیں سکتا۔

شری کرشن کی وہ کہانی جس میں انھوں نے ہزار پھن والے ناگ کو ناتھ لیا۔ (ہندی ریڈر اوّل، ہندو صفحہ ۔۔ ایڈیشن ۔۔)

ایک غریب عورت بڑی عقیدت سے گنیش جی کی پوجا کرتی تھی۔ چترویں کے دن کہیں سے مانگ جانچ کر تھوڑے سے تل لے آئی۔ اُن کا ہی ایک ٹوٹا چھوٹا سا لڈو بنا کر گنیش جی کو چڑھایا۔ اور بھوکی لیٹ رہی۔ گنیش جی بہت خوش ہوئے انھوں نے آن کر درشن دیئے کچھ دیر کے بعد وہ اس سے بولے کہ میں نے اتنا کھا لیا ہے کہ پیٹ پھٹا جاتا ہے پاخانہ کے لیے جگہ بتلا۔ اس نے کہا مہاراج! دوسری جگہ کہاں ہے اسی کو پاک کیجئے۔ سویرے اٹھ کر دیکھا گیا تو اس کی جھونپڑی سونے سے بھر گئی تھی۔ پھر اسے دولت کی کمی نہیں ہوئی۔ اور گنیش جی نے اسے مکتی (نجات) دی۔

(ساہتیہ دیپ۔ حصہ اوّل صفحہ ۔، ایڈیشن ۔۔)

شڈول (ڈی)

بندنا، چوپائیاں اور دوہے:

سنسکرت کی عموماً تمام کتابوں کے شروع میں بندنا ہے ان سب میں خالص ہندو مذہب کے عقائد کی ترجمانی ہے کچھ شڈول (اے) میں دیئے جا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ہندی کتابوں میں زیادہ تر دوہے اور چوپائیاں ہیں جو تمام تر کھڑی بولی میں ہیں۔ دوہے اور چوپائیاں اور ہندی کی دیگر نظموں میں زیادہ تر ہندو مذہب کے بزرگوں کے تذکرے مذہبی و دیومالائی انداز میں کئے گئے ہیں مختصراً حوالہ جات حسب ذیل ہیں۔

"میں لفظ اور معنی کے علم کے لیے لفظ اور معنی کی طرح ملے ہوئے دنیا کے ماں باپ پاربتی اور پرمیشور کو سلام کرتا ہوں"۔ ۔ ۔ ۔ بھوانی کو بیوی بنانے والے پانچ منہ والے شیوجی کو میں باادب سلام کرتا ہوں"۔

(سنسکرت سدھا حصہ دوم سبق پہلا بندنا) ایڈیشن ۹۰ء منگل لیکھا دھا (سنسکرت سبودھنی شروع میں)

شڈول (ای)

ہندو کلچر و مذہب:

یوں تو پرائمری درجات سے کر اونچے درجات کی کتابوں تک ہندو مذہب و کلچر کا پرچار ہے خصوصیت سے پرائمری اور جونیئر ہائی اسکول کے درجات میں پڑھائی جانے والی اردو، ہندی اور سنسکرت وغیرہ کی کتابیں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ساری کتابیں ایک مخصوص مذہب کے عقائد کے پرچار کے لیے لکھی گئی ہیں۔ اسباق کے ساتھ خوبصورت تصاویر دی گئی ہیں۔ نیز اسباق کے نیچے جو سوالات درج ہیں ان سے یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے سارے حوالہ جات دینا ممکن نہیں۔ چند حوالہ جات دیئے جا رہے ہیں۔

منیوں نے کہا کہ ناٹک تو دیوتاؤں کی آنکھوں کو شانتی عطا کرنے والا اشنان کہا گیا ہے۔ بھگوان شنکر نے بھی پاربتی کے ساتھ بیاہ کر کے اس ناٹک کو اپنے جسم میں تانڈو لاسی دو حصوں میں بانٹ لیا ہے۔ (جیت لیگ صفحہ ۵ ایڈیشن ۹۲ء)

سبق کا سوال نمبر: طلباء کو ہدایت اس کہانی کا ناٹک کھیلو۔ (جمیک منیہ اردو حصہ سوم صفحہ ۲۷ ایڈیشن ۹۲ء)

سبق رامائن کی کہانی: اس کہانی کا ناٹک کھیلو۔ (جمیک اردو ریڈر حصہ سوم صفحہ ۲۲ تا ۴۴، ۹۲ء)

بچو! تم میں سے ایک طالب علم سگریو، ایک ہنومان، ایک رام اور ایک لچھمن بنے پھر تم لوگ اس نظم کا ناٹک کھیلو۔

(جمیک ریڈر اردو چہارم صفحہ ۷۵، ایڈیشن ۹۲ء)

ایک طالب علم پرسرام، ایک رام، ایک لچھمن اور ایک وشوامتر بنے اور مندرجہ بالا گفتگو کا ناٹک کیا جائے۔

(بیسک ریڈر اردو پنجم صفحہ ۶۷، ایڈیشن ۶۳ء)

سبق گنگا کا سورگ سے اترنا (بیسک ریڈر ہندی سوم صفحہ ۱۹ ایڈیشن ۶۳ء)

گنگا اشنان کا پورا بیان (بیسک ریڈر ہندی دوم صفحہ ۱۰، ایڈیشن ۶۳ء)

شیڈول اے، بی، سی، میں دی ہوئی مثالوں سے ظاہر ہوگا کہ کس طرح ہندو دھرم و تمدن کا پرچار کیا جا رہا ہے۔

ہماری کام دھینو (گائے) یہ ہماری ماتا ہے ..... اس کی سیوا سے ہم پوتر ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۸) رگ وید میں گائے کے بچھڑے تھا بیل کو پتا (باپ) کہا گیا ہے (صفحہ ۱۰) گائے دھرتی ماتا کی ماں بھی ہے وہ ہماری کام دھینو ہے۔ ہمارے لیے پوجنے کے لائق ہے۔ (ساہتیہ جوت ناجیت دوم صفحہ ۸ تا ۱۱۔ ایڈیشن ۶۳ء)

کرشن سدا ماملن (نظم) (اردن مالا سوم صفحہ ۹۶ تا ۹۸۔ ایڈیشن ۶۳ء)

گوپچار نرش، کرشن اور جسودا کے حالات نظم کیے گئے ہیں۔ (اردن مالا سوم صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵، ایڈیشن ۶۳ء)

جب جب لوگوں کے من میں دھرم کی عزت ([illegible]) اٹھ جاتی ہے تب تب اس ([illegible]) کو قائم ([illegible]) کرنے کے لیے مکت انسان (मुक्त पुरुष)، اس سنسار میں اوتار لیتے ہیں۔..... اسی طرح گوپیوں کی شردھ بھگت ([illegible]) کے بارے میں جب لوگوں میں غیر اعتقادی ([illegible]) پیدا ہوئی تب گوپیوں میں سے ایک نے شاید رادھا ہوں گی۔ میرا کا اوتار لے کر پریم دھرم کی پھر سے بنیاد ڈالی۔

(اگر یہ گورو برائے ہائی اسکول صفحہ ۴۵۔ ایڈیشن ۶۲ء)

کنیا شالاؤں (نسواں اداروں) میں مختلف طریقوں ([illegible]) سے کرشن جینتی منائی جا سکے گی۔ گھر کے اندر کی زمین اچھی طرح لیپ کر سفید پتھر کی بکنی سے اور ابیر وغیرہ سے چوک پورنے کی ([illegible]) رکھی جا سکے گی۔ لڑکیاں گیت گائیں۔ رہس کھیلیں کرشن جیون کا بیان طرح طرح سے نظم و نثر میں کریں گھر میں کلیوا لا کر سب مل کر کھائیں۔ جنم اشٹمی کے دن بندھ وار بندھوا کر لوریاں گائیں اس میں لڑکیوں کی مائیں ضرور حصہ لیں۔

(اگر یہ گورو برائے ہائی اسکول صفحہ ۴۴ ایڈیشن ۶۲ء)

سوال: بھونیشور میں درشن اور پرشاد کا کیا طریقہ ہے؟ اس سلسلے میں پوری تفصیل دی گئی ہے کہ کس تیرتھ پر پہلے جانا چاہیے، اس کے بعد کس تیرتھ پر جانا چاہیے یاترا کے آداب بتائے گئے ہیں۔ پرشاد کی تقسیم کی تفصیل بتائی گئی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیولنگ پر جو پرشاد چڑھایا جاتا ہے وہ بعض تفرقے سے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

(ماڈل پروز سلیکشن فار ہائی اسکول صفحہ ۴۲، ۴۳)

(نوٹ: ایسے سبق سے عام طالب علم کے علم و عقل میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا محض ہندو کلچر کا پرچار مقصود ہے۔)

شیڈول (الف)

باہمی منافرت:

انگریز نے ہندستان میں اپنی سامراجیت قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے جہاں اور بہت سی تدابیر اختیار کی تھیں وہاں تاریخ کے واقعات کو اس طرح پیش کیا تھا جس سے ہندو اور مسلمان میں منافرت کا جذبہ پیدا ہو ملک میں ... یک جہتی پیدا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آپس کی منافرت دور کی جاتی۔ تاریخ کے وہ مضامین جن سے منافرت پیدا ہوتی ہے نہ لکھے جاتے مگر اس معاملہ میں سخت بد احتیاطی سے کام لیا گیا ہے۔ تاریخ کی کتابوں نیز دیگر کتابوں (ہمارے پورج وغیرہ) میں مسلمانوں اور مسلمان حکمرانوں کے بارے میں جو واقعات لکھے گئے ہیں ان سے سخت منافرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کا نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ آج نوجوان طلبہ اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں میں منافرت کا جذبہ اتنا بڑھ گیا ہے جس سے پورے ملک کا امن و امان خطرے میں پڑ گیا ہے۔ ملاحظہ کے لیے اقتباسات حسب ذیل ہیں:

"دلی کے سلطانوں میں کچھ باتیں ایسی ہیں جو عام طور پر برابر چلتی رہیں جیسے ہندوؤں کو اونچے عہدے نہ دینا، مندروں کو نشٹ بھرشٹ کرنا اور ہندوؤں سے جزیہ وصول کرنا۔" (ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۳۳، ایڈیشن ۷۶ء)

(مصنف رام چرن ودیارتھی)

نوٹ: دلی کے سلطانوں کی خوبیوں پر پردہ ڈالا گیا ہے اور برائیاں منسوب کی گئی ہیں: "مندروں کو نشٹ بھرشٹ کر کے محمود غزنوی نے سدا کے لیے تمام ہندوؤں کے دل میں اسلام کے لیے نفرت کے جذبات پیدا کر دیے۔"

(ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۵، ایڈیشن ۷۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

نوٹ: عبارت بالا پڑھنے کے بعد قومی یک جہتی کا کوئی امکان نہیں رہتا بلکہ نفرت اور عداوت کے جذبات ابھرتے ہیں۔

"قطب الدین ایبک اور التمش نے سیکڑوں مندروں کو تڑوا کر ان کے پتھروں سے مسجدیں بنوائیں۔"

(ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۳۵، ایڈیشن ۷۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

"انہوں نے دوآبے کے ہندوؤں کو بڑی بے رحمی سے دبایا۔ آٹھ سال سے زیادہ عمر کے مردوں کو مروا ڈالا اور

عورتوں کو لونڈی بننے کے لیے مجبور کیا۔" (ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۱۰۱۔ ایڈیشن ۱۹۶۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

"ہندوؤں کو مسلمان بنانے اور شیعہ مسلمانوں کو کچلنے کی پالیسی نے اس (فیروز تغلق) کو بدنام کیا۔"

(ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۱۰۸۔ ایڈیشن ۱۹۶۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

• اورنگ زیب نے ... ایک پکے سنی مسلمان کے روپ میں راج کرنا چاہا۔ جب اسے موقع ملا تو وہ غیر سنیوں جیسے ہندوؤں، شیعہ و صوفی مسلمانوں کے خلاف قدم اٹھانے میں نہ چوکا ۱۶۶۹ء میں اورنگ زیب نے حکم دیا کہ ہندوؤں کے مندروں کو گرا دیا جائے۔ ان کی تعلیمات ان کے رسم و رواجوں کو مٹایا جائے۔ ہندوؤں کو سرکاری نوکریوں سے محروم کرنا شروع کیا اور مسلمان بننے کے لیے انھیں اونچے عہدے دینے کے لالچ دیئے۔"

(ہمارا اتہاس دوم صفحہ ۱۱۱ ایڈیشن ۱۹۶۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

• گرو تیغ بہادر نے اورنگ زیب کے مذہبی مظالم سے تنگ آکر بادشاہ کی مخالفت کی۔ ان سے مسلمان ہونے یا مر دینے کے لیے کہا گیا۔ گرو جی نے سر دے دیا مگر دھرم نہیں دیا۔

(ہمارا اتہاس دوم صفحہ ۱۱۴۔ ایڈیشن ۱۹۶۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

• اس وقت دلی کے بادشاہ سے لڑائی (یدھ) کرنا نہیں چاہتے لیکن ایک راجپوت کماری کا ایک ہندو کنیا کی حرمت ([illegible]) کی رکشا (حفاظت) کا سوال ہے۔ آج تمام مہا روپ نگر کی ... کا ایک پتر (خط) لے کر ایک روپ نگر سے دوت (نامہ بر) آیا ہے۔ راجکماری نے لکھا ہے ... دلی کا بادشاہ اورنگ زیب مجھ سے بیاہ کرنے آرہا ہے لیکن وہ میرا استھی مال ([illegible]) ہی پا سکیں گے۔ (نو پربھات سوم صفحہ ۵۰ ایڈیشن ۱۹۶۳ء)

نوٹ: اورنگ زیب کے خلاف اس سے بڑا بہتان نہیں ہو سکتا۔

سبق پرتھوی راج کی آنکھ، پرتھوی راج کے قید کی حالت میں طرح طرح کے مظالم کی داستان

پرتھوی راج کی آنکھیں نکالنا:

"دو گرم سوجے میری آنکھوں کے سامنے لائے گئے۔ مجھے ان کی گرمی دھیرے دھیرے پاس آتی ہوئی جان پڑی ... ایک لمحہ میں انھوں نے گرم سوجوں سے میری پلکوں کو چھید ڈالا۔ میری پتلیوں کو جلا کر ...

(نگینہ کتھا ہار صفحہ ۳۹ تا ۴۴ ایڈیشن ۱۹۶۳ء)

نوٹ: ایسے واقعات لکھنے کے بعد قومی یک جہتی کی امید کرنا محض خام خیالی ہے۔ لکھنے والا مستند مورخ بھی نہیں ہے اور نہ کسی مستند تاریخی کتاب کا حوالہ ہے بھلا اس سے مغل لوگ یا کوئی بھی کیسے ڈرنے لگے۔ اس لیے ہم پر

انگھات پر آگھات (مظالم پر مظالم) ہوئے"۔ (گریہ ہکتا ہار صفحہ ۳۱ تا ۴۴۔ ایڈیشن ۱۹۶۳ء)

"پرتھوی راج کی آنکھوں میں محمد غوری نے نمک بھروا دیا"۔ (گریہ ہکتا ہار صفحہ ۵۲)

(ج) شڈول

سنسکرت کے ذریعہ ہندو دیومالا' ہندو مذہب اور کلچر کی تعلیم :

گورنمنٹ آف انڈیا نے متعدد بار یہ بات واضح کر دی ہے کہ سہ لسانی فارمولے میں سنسکرت نہیں آتی۔ سنسکرت کلاسیکل زبان ہے' اس کا شمار جدید زبان میں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا سنسکرت سہ لسانی فارمولے میں شامل نہ کی جاوے۔ تیسری زبان میں اردو یا کوئی اور زبان پڑھائی جاوے۔ اس قسم کے اعلانات نیشنل ہیرالڈ اور دوسرے اخبارات میں بار بار شائع ہو چکے ہیں۔ قومی آواز مورخہ ۷ اپریل ۷۲ء صفحہ ۱ پر یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ کلاسیکل زبان کو جدید زبان کا بدل نہ بنایا جاوے۔ آخری بار گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے جو ہدایات جاری ہوئی ہیں۔ وہ نیشنل ہیرالڈ مورخہ یکم جولائی ۷۳ء اور قومی آواز مورخہ ۲ جولائی ۷۳ء میں شائع ہوئی ہیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے یہ اعلان کیا ہے کہ مرکز نے ہندی بولنے والی ریاستوں کی یہ تجویز مسترد کر دی ہے کہ سنسکرت کو سہ لسانی فارمولے میں تیسری زبان کی حیثیت دی جائے۔

ان سب اعلانات کے باوجود یو پی گورنمنٹ سنسکرت زبان کو سہ لسانی فارمولے میں شامل رکھنے پر مصر ہے دنیا کو دکھانے کے لیے سہ لسانی فارمولے میں اردو کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ مگر سارے منظور شدہ اسکولوں اور کالجوں میں سنسکرت ہی پڑھائی جاتی ہے۔ چند گورنمنٹ اور اسلامیہ اسکولوں کو چھوڑ کر عام طور پر جونیر ہائی اسکولس اور ہائی اسکولس میں اردو پڑھائی جانے کا کوئی بھی بندوبست نہیں ہے۔ طلباء مجبور کیے جاتے ہیں کہ وہ سنسکرت پڑھیں۔ یو۔ پی گورنمنٹ اور شعبۂ تعلیم کی طرف سے رسمی ہدایات جاری ہوتی ہیں۔ مگر ان نام نہاد ہدایات پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ اس سلسلے کی ساری ہدایات ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جاتی ہیں۔ ان اسکولوں اور کالجوں سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی جو اردو کی تعلیم کا بندوبست نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ عملاً یو پی میں سنسکرت کی حیثیت اختیاری مضمون کی نہیں بلکہ لازمی مضمون کی ہو گئی ہے اس کے علاوہ ہندی مضمون کے ساتھ سنسکرت شامل کر دی گئی ہے جو لازمی طور پر ہر طالب علم کو پڑھنا پڑتی ہے۔ سنسکرت کی جو کتابیں کورس میں داخل ہیں اور سنسکرت کے جو مضامین ہندی لٹریچر کی کتابوں میں شامل ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ سنسکرت کی آڑ لیکر خالص ہندو مذہب' ہندو کلچر۔ اور ہندو دیومالا کی تعلیم مقصود ہے۔ جو

دستور ہند میں دیئے ہوئے بنیادی حقوق کے بالکل خلاف ہے۔ سنسکرت کی منظور شدہ کتابوں کے اقتباس شنڈول اے، سی، ڈی میں دیئے جا چکے ہیں۔ صرف چند نمونے نیچے دیئے جاتے ہیں۔

سنسکرت کی کتابیں عموماً بندنا سے شروع ہوتی ہیں۔ مختلف مذاہب کی عبادت اور دعا کے طریقے الگ الگ ہیں۔ دعاؤں کا تعلق اکثر مذہب کے بنیادی عقائد سے ہوتا ہے۔ سنسکرت کی منظور شدہ کتابوں یعنی سنسکرت سدھا" سنسکرت پرویش اور سنسکرت سوبودھنی میں جو بندنائیں ہیں وہ سب ہندو مذہب کے عقائد کی ترجمانی کرتی ہیں مثالیں شنڈول ڈی (D) میں دی جا چکی ہیں۔ نمونے کے طور پر کچھ کا ترجمہ مختصراً دیا جا رہا ہے:

"پیپل کا درخت، برگد کا درخت، چندن کے درخت، ماور اور کلپدرم نام کے درخت، جامن، نیم، کدم وغیرہ سیدھے بڑھنے والے درخت اور دودھ والے درخت اور سورگ (بہشت) میں خوبصورت سجے ہوئے چنت پر تھ . . . . اور نندن بن نام کے باغیچہ میں ہونے والے دیگر قسم کے دیودرخت، یہ سب درخت ہمارا کلیان (بھلا) کریں۔ گنگا، سندھ، سرسوتی گوداوری، نربدا، کاویری، سرجو، برہم پترہ، چمبل، بیتوا، مہاندی وغیرہ پانی سے بھرے ہوئے سمندر وغیرہ یہ سب ندیاں ہمارا کلیان (بھلا) کریں۔ لکشمی، جواہر، منتری، کلپ درخت، شراب، دھن ونتری، چاند، کام دھین گائے، اراوت ہاتھی، اپسرا وغیرہ۔ سات منہ والا اُچّے شرو گھوڑا، وشنو کا دھنش، سنکھ، زہر اور امرت یہ چودہ رتن دنیا میں روزانہ ہمارا بھلا کریں۔" (سنسکرت سدھا بھاگ ۳ منگل دُعا صفحہ ۳ ایڈیشن ۶۳ء)

ایسی دعائیں پڑھنے کے بعد مسلمان بچہ صحیح اسلامی عقائد پر کیسے قائم رہ سکے گا۔ سنسکرت مخصوص ہندو مذہب کی قدیم زبان ہے۔ سنسکرت کی کتابوں میں زیادہ اسباق ہندو مذہب اور اس کے مخصوص کلچر سے بھرے ہوتے ہیں۔

سبق منی سندھیا کرتا ہے:

(ترجمہ) یہ جگہ پوجا کرنے کی جگہ ہے۔ یہاں سب طرف پوجا کرنے کے سامان کی خوشبو پھیل رہی ہے ایک منی سندھیا کر رہا ہے۔ دو منی پھول لاتے ہیں۔ تین منی شاستر کی پرچار کرتے ہیں:

(سنسکرت سدھا حصہ اول صفحہ ۱۳)

(ترجمہ) بنارس میں گنگا اور ڈرمانڈیوں کے کنارے غسل کرنے سے بہت ثواب ہوتا ہے۔

(سنسکرت سدھا حصہ اول صفحہ ۱۷، ایڈیشن ۶۳ء)

(ترجمہ) کھانے کی روز پوجا کرو۔ (سنسکرت سدھا حصہ اول صفحہ ۳۴، ایڈیشن ۶۳ء)

(ترجمہ) بالوں کو سجانا، آنکھوں میں انجن ڈالنا، دانتوں کا دھونا اور دیوتاؤں کی پوجا دوپہری سے کرنا چاہیئے۔ (سنسکرت سدھا حصہ دوم صفحہ ۴۰، ۴۹، ایڈیشن ۶۳ء)

بندنا: خلاصہ ترجمہ:

قابل ستائش دیوؤں میں کلپ درخت کے مانند شیوجی کو خوش کرنے والے گنیش جی کو میں پرنام کرتا ہوں جو سرسوتی دیوی کُند چاند برف ([illegible]) جیسی صاف ([illegible]) عمدہ مالا کو پہنتی ہے جو سفید کپڑے پہنتی ہے جس کے ہاتھ میں خوبصورت بین باجہ رہتا ہے۔ جو شویت پدم ([illegible]) کے آسن پر بیٹھتی ہے جو برہما، بشنو، مہیش وغیرہ دیوتاؤں سے ہمیشہ بندنا کی جاتی ہے اور جو بیوقوفی کو دور کرتی ہے وہ میری رکھشا کریں۔" (سنسکرت پرویشکا حصہ اول، لڑکے کے لیے سبق ا بندنا صفحہ ا ایڈیشن ۹۳ء)

مطلب:

ایک ہاتھ میں باجہ بجانے والا ہوتا ہے اور دوسرے ہاتھ میں مالا جپتی ہوئی ہنس کی پیٹھ پر بیٹھی ہوئی اس سرسوتی کو سلام کرتا ہوں جس کی مہربانی سے گونگے بولنے لگتے ہیں۔ لنگڑے درست ہو جاتے ہیں جو پہاڑوں کو پار کر لیتے ہیں۔ اس بڑے معبود وشنو کو میں آداب بجا کر سر جھکاتا ہوں۔
(سنسکرت پریچے سبق بندنا برائے ہائی سکول اور ٹریننگ)

مطلب:

اس کھیت کے دیوتا کی میں نے کبھی پوجا نہیں کی اس وجہ سے میرا یہ کاشتکاری کا کام خراب ہو رہا ہے۔ اس لیے میں آج اس کی پوجا کروں گا۔ ایسا خیال کر کے کہیں سے دودھ منگا کر سکورے میں رکھ کر بانی کے قریب جا کر بولا اے چھتر پال میں نے آج تک نہیں سمجھا کہ آپ یہاں رہتے ہیں، اسلیے پوجا نہیں کی۔ آپ معاف کریں۔ ایسا کہہ کر اور دودھ چڑھا کر چلا گیا۔ صبح جب آیا تو ایک اشرفی سکورے میں رکھی دیکھی۔ (سنسکرت بودھ منجری سبق لوبھ ناگ دن صفحہ ۵ ایڈیشن ۹۳ء)

• جن کے تمام جاندار خادم ہیں کیتھ اور جامن کے پھلوں کے کھانے والے، غم کو دور کرنے والے اور تمام آلام کو رفع کرنے والے اُما (پاربتی) کے لڑکے گنیش جی کے قدموں کے سامنے میں جھکتا ہوں۔" (سنسکرت سوربھ حصہ اول ۶۵ء ایڈیشن برائے درجہ ہشتم صفحہ ۱)

• سفید رنگ والی برہما کو ہمیشہ دل میں رکھنے والی ابتدائے آفرینش سے ہی دنیا میں سموئی ہوئی بین (ایک باجا) اور کتاب لیے ہوئے کمل کے پھول پر بیٹھی ہوئی۔ بے خوفی عطا کرنے والی۔ جہالت کی تاریکی (کم عقلی) کو دور کرنے والی، ہاتھ میں موتیوں کا مالا لینے والی اور عقل دینے والی

اس پرمیشوری دیوی کے آگے میں جھکتا ہوں: (سنسکرت سوربھ حصہ اول ایڈیشن ۱۹۹۵ء صفحہ ا برائے درجہ ششم)

• جن کا نازک جسم نیلے کمل کے مانند کالا ہے۔ جن کے بائیں حصہ میں سیتا جی زینت بخش ہیں اور جن کے ہاتھ میں بڑا اور خوبصورت دھنش اور تیر ہے۔ ایسے رگھو کے خاندان کے مالک رام کے آگے میں جھکتا ہوں:

(دسرتھ کے صاحبزادے رام رگھو کے خاندان سے تھا۔) (سنسکرت سوربھ حصہ اول ۹۵ء ایڈیشن صفحہ ا برائے درجہ ششم)

• گنیش جی کے سامنے جھک کر تسلیم ہے۔ اور دیوی کا استقبال ہے:

(سنسکرت سوربھ حصہ اول ایڈیشن ۹۵ء صفحہ ۱۳ سبق ۹ برائے درجہ ششم)

• گائے دنیا کی ماں ہے۔ گائیں میرے آگے ہوں اور گائیں میرے پیچھے ہوں اور گائیں میرے بغل میں ہوں اور گایوں کے بیچ میں رہوں یہی میری خواہش ہے۔

(سنسکرت سوربھ حصہ اول ایڈیشن ۹۵ء صفحہ ۲۵ سبق ۱۳ برائے درجہ ششم)

• اس دن آدمی لکشمی (دولت) کی پوجا کرتے ہیں۔ اور چراغوں کی قطاریں جلاتے ہیں:

(سنسکرت سوربھ حصہ اول ایڈیشن ۹۵ء صفحہ ۴۳ سبق ۲۲ برائے درجہ ششم)

• کافور کی مانند سفید جسم والے۔ مجسم رحم۔ عالم کے ماحصل۔ سانپوں کے راجہ۔ سانپ کا ہار پہننے والے۔ دل میں سکونت کرنے والے شیو اور ان کی بیوی پاربتی سبت کے سامنے جھکتا ہوں:

(سنسکرت سوربھ حصہ دوم ایڈیشن ۹۵ء صفحہ ا سبق ا برائے درجہ ہفتم)

• کمل کے مانند ہاتھوں سے کمل کے مانند پیروں کو کمل کے مانند منھ میں ڈالنے والے نیز دنیا جو کہ برگد کے پتے کے مانند ہے پر بیٹھنے والے بھگوان بال کند کو دل سے یاد کرتا ہوں:

(سنسکرت سوربھ حصہ دوم ایڈیشن ۹۵ء صفحہ ا سبق ا درجہ ہفتم)

• یہ پاربتی اور لکشمی کا مکالمہ تم سب کی حفاظت کرے:

(سنسکرت سوربھ حصہ دوم اڈیشن ۹۵ء صفحہ ۹ سبق ۲ برائے درجہ ہفتم)

• جو دیوی جانداروں میں طاقت کی صورت سے موجود ہے اسے بار بار جھک کر سلام ہے:

(سنسکرت سوربھ حصہ دوم اڈیشن ۹۵ء صفحہ ۴۵ سبق ۱۵ برائے درجہ ہفتم)

• جیسے تینتیس کروڑ دیوتا دنیا کے ذریعہ پوجے جاتے ہیں ویسے ہی میرا ان دونوں بدھوں (ماں، باپ)

کی پوجا کرتا ہوں۔" (سنسکرت سوربھ حصہ سوم اڈیشن ۲۰۱۵ صفحہ ۹ برائے درجہ ہشتم)

"گرو برہم ہے۔ گرو وشنو ہے۔ گرو شنکر دیوتا ہے۔ گرو ساکھشات پربرہم ([illegible]) ان گروؤں کے لیے بندنا ہے۔

" کافور کی طرح سفید رنگ، گرو شنکر کے اوتار۔ دنیا کے حسن کا خلاصہ ([illegible]) تمام سانپوں کے ہار کو پہننے والے۔ ہمیشہ کمل کے دل میں بسنے والے مع پاربتی شنکر جی کی بندنا کرتا ہوں۔" (نو بھارتی صفحہ ۱۹۳)

سنسکرت کی ابتدا بندنا سے ہوتی ہے بندنا کے دوسرے شعر کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔

" جو برہما، وشنو، شنکر وغیرہ کے ذریعہ قابل پرستش ہے وہ سرسوتی دیوی لاعلمی کو نشٹ کرنے والی میری حفاظت کرے۔" (نو بھارتی بھاگ ۲ صفحہ ۲۲۹ اڈیشن ۲۰۰۷ء)

کتاب میں عموماً اکثریتی فرقہ کے افراد کی کہانیاں ان کی عظمت اور نیکی کے تذکرے ہیں لیکن اگر کہیں کسی مسلمان حکمراں یا اہم شخصیت کا تذکرہ کیا گیا ہے تو اس سے اس شخص کی بڑائی نہیں بلکہ منافرت کا جذبہ پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جسکی مثال کتاب جلد ۲ کے سبق ۱۶ میں ابراہیم گاردی اور احمد شاہ ابدالی کی گفتگو کی تفصیل ہے۔ یہ گفتگو بالکل غیر مصدقہ ہے۔ کسی تاریخی کتاب سے ثابت نہیں کی جا سکتی۔ گفتگو کا طرز اور اس کے الفاظ سے ایک مسلم حکمراں کے خلاف نفرت انگیز جذبات پیدا کرنا مقصود ہیں۔

سنسکرت مثل دیگر ہندی زبان کی دوسری کتب کے اس کتاب کا بھی لازمی جزو ہے۔

سنسکرت کے حصہ کی ابتدا حسب معمول بندنا سے ہوتی ہے جس میں کرشن جی کو خداوندی صفات کا حامل دکھا کر سر جھکا کر ان کو تعظیم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

جناب حبیب اللہ اعظمی
لکھنؤ ایم۔اے۔بی۔ایڈ

یوپی کے اسکولوں کے نصاب میں داخل تاریخ وسماجیات کی کتابوں کا
قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے جائزہ

آج ہندستان میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور غم و غصہ بھڑکانے کا کام جہاں ہندو فرقہ وارانہ سیاسی پارٹیاں زور و شور سے کر رہی ہیں، وہیں اسکولوں میں پڑھائی جانے والی نصابی کتابوں خاص کر سماجی مضامین اور تاریخ کی کتابوں میں تاریخی واقعات کو مسخ کر کے ہندو مسلم رنگ میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے۔ گویا مسلم بادشاہوں کی سلطنت کا قیام اور توسیع سلطنت اور راج پاٹ حاصل کرنے کی جدوجہد نہ تھی بلکہ ایک ہندو مسلم جنگ تھی۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ترک سلطانوں اور مغل بادشاہوں کے دور میں سپاہی سے لے کر بڑے عہدیداران، وزیر اور کمانڈر تک ہندو عہدیدار اسی طرح موجود تھے جس طرح رانا پرتاپ اور شیواجی کی فوج اور وزارت میں مسلم افسران۔ اس دور میں سلطنت کی توسیع میں مسلم بادشاہ کسی مسلم سلطنت کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے سے باز نہیں آتا تھا، اور نہ ہندو راجہ کسی ہندو راج پر قبضہ کرنے میں پیچھے رہتا تھا۔ اور ہندو مسلم عوام دونوں رعایا میں شمار ہوتے تھے۔ اور ان کا حال ایک جیسا تھا۔ اور کبھی بھی ان کے میل ملاپ اور بھائی چارگی میں بھید بھاؤ نہیں پیدا ہوا۔

مغل سلطنت کے کمزور پڑ جانے کے بعد انگریزوں کا اقتدار بڑھا اور آخرکار انھوں نے ہندستان پر اپنی سلطنت کا جھنڈا لہرا دیا۔ اور اس سلطنت کو قائم اور برقرار رکھنے کے لیے انھوں نے تاریخ کے واقعات کو اس طرح پیش کیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں منافرت کا جذبہ پیدا ہو اور انگریزی دور حکومت میں جب بھی ہندو مسلم یکجہتی پیدا ہوئی، انھوں نے اس کو ختم کرنے کے لیے جہاں بہت سے ہتھکنڈے اپنائے وہاں تاریخی واقعات کو مسخ کر کے اس طرح نصابی کتابوں اور تاریخ میں پیش کر دیا گویا ہندو، مسلمان ایک قوم نہ ہو کر ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔

یہی نہیں انھوں نے تاریخ کو ہندو دور اور مسلم دور کا رنگ دے کر دونوں فرقوں میں دوری پیدا کی

اور اپنے دور کو انہوں نے عیسائی دور نہیں کہا بلکہ اسے اپنے قومی نام انگریزی دور کا نام دیا گیا اگر انگریز نہ ہوں تو ہندو اور مسلمان امن و چین سے رہ نہیں سکتے۔

۱۹۴۷ء میں آزادی کے بعد ہمارے رہنماؤں نے ہندوستان کو ایک جمہوری اور سیکولر دستور دیا کہ ملک میں یکجہتی اور اتحاد پیدا ہو مگر افسوس ہے کہ آزاد ہندوستان کے متعصب اور ہندوستان کو صرف ہندو راج بنانے کا خیال رکھنے والے تاریخ دانوں نے انگریز کے پھیلائے ہوئے اس زہر کو سماجی مضامین اور تاریخ میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا اور ملک میں بجائے ہندو مسلم بھائی چارگی، محبت اور میل ملاپ کے نفرت و تعصب کی آگ کو روشن رکھا۔ کہتے ہیں کہ اگر نئی نسلوں کو نفرت اور تعصب کا سبق پڑھایا گیا تو وہ کسی ایک جگہ نہیں رکتا، اور آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم مذہب ہونے کے باوجود پنجاب میں سکھ اور ہندو، تری پورہ میں قبائلی اور غیر قبائلی آسام میں آسامی اور غیر آسامی، دارجلنگ میں نیپالی اور غیر نیپالی کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ اب بھی اگر ہمارے مورخین کو ہوش آجائے اور نصابی کتابوں خاص کر تاریخ کی کتابوں سے ایسے واقعات نکال دیں جو صرف نفرت پیدا کرنے کے لیے لکھے گئے ہیں اور صحیح سیاق و سباق میں نہیں تحریر کئے گئے ہیں تو ملک کو برباد ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔

یہاں اتر پردیش میں درجہ ۲ سے درجہ ۱۲ تک پڑھائی جانے والی تاریخ کی کتابوں کے اقتباسات ملاحظہ کے لیے پیش ہیں جن سے نوجوان طلباء، اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں میں نفرت کا جذبہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ پورے ملک کا امن و امان خطرے میں ہے۔

کتاب کا نام: "ہماری دنیا ہمارا سماج" حصہ اوّل۔ برائے درجہ چہارم۔ ناشر: محکمہ تعلیم اتر پردیش۔ ایڈیشن ۱۹۸۶ء۔ سبق ۱۲: "رامائن کی کہانی" صفحہ ۶۵ سے ۷۱ تک۔

سبق ۱۲۔ صفحہ ۱۱۱ پیراگراف ۱ سطر ۲۳ تا ۲۷: "سکھوں کے نویں گرو تیغ بہادر کو جب اورنگ زیب نے اسلام دھرم نہ اختیار کرنے پر قید کرلیا اور انھیں سزائے موت دی تب لڑائی اور بڑھ گئی۔"

یہ تاریخی حقیقت نہیں ہے گرو تیغ بہادر نے پنجاب میں سکھ حکومت قائم کرنے کے لئے بغاوت کی تھی اور باغی کی سزا جو اس زمانہ میں رائج تھی وہ اورنگ زیب نے دی، اورنگ زیب نے کبھی بھی کسی کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا۔ اس غلط بیانی سے قومی یکجہتی کو نقصان پہنچے گا اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا ہوگی۔

کتاب کا نام: "ہماری دنیا ہمارا سماج" حصہ سوم۔ برائے درجہ پنجم، ایڈیشن ۱۹۸۶ء۔ باب ۶ سبق۔

آزادی کی پہلی جنگ ۔ صفحہ ۲۲ تا ۲۶

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی میں مسلمانوں کے نام کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی، بیگم حضرت محل، مولوی احمد شاہ اور مولوی عظیم اللہ اور اس طرح کے بہت سے نام اس سبق میں جوڑنا چاہیے۔

باب: ۸ : سوتنترتا پراپتی مہاتما گاندھی : "۱۹۲۰ء کے اسہیوگ آندولن (تحریک ترک موالات) میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی (علی برادران) کے نام کے بغیر اس تحریک کا ذکر ادھورا اور نامکمل ہے۔ علی برادران ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔ ان کا ذکر نہ کرنا بڑی تنگ نظری ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ علی برادران ہندو مسلم اتحاد کا نشان (SYMBOL) تھے۔ اسی طرح بھگت سنگھ اور چندر شیکھر آزاد کے نام کے ساتھ شہید اشفاق اللہ خاں کا نام بھی آنا چاہیے۔ اس سے قومی یکجہتی کو فروغ حاصل ہوگا۔"

کتاب کا نام: ہمارا اتہاس، حصہ دوم، برائے درجہ ۷۔ ناشر: شعبۂ تعلیم اترپردیش ایڈیشن ۱۹۸۳ء

یہ کتاب بہت اچھی اسپرٹ میں لکھی گئی ہے۔ اس سے قومی اتحاد میں مدد ملے گی۔ اس کتاب میں تاریخ کو صحیح ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے۔ صرف درج ذیل جملے اورنگ زیب پر الزام ہیں۔

باب ۱۷: ص ۱۵۲ تا ۱۵۳ دوسری سطر: "اس کے شاشن کال (اورنگ زیب کے دور حکومت) کی ایک خصوصیت (خاص خوبی) یہ ہے کہ جہاں ایک طرف مندروں کو دوسروں (؟) منہدم کیا گیا۔ وہاں کچھ استھانوں (جگہوں) کے برہمنوں اور پروہتوں کو سرکار (بادشاہ) کے ورودواروں ذریعہ زمین دی گئی۔"

نوٹ: اورنگ زیب اسلام مذہب کا پکا ماننے والا تھا۔ وہ مندروں یا کسی بھی عبادت گاہ کو توڑنا اسلام مذہب کے خلاف سمجھتا تھا۔

ص ۱۲، پیراگراف ۲، سطر ۲ سے ۴: "ہندوؤں کو صرف چھوٹے عہدوں پر رکھا جاتا تھا۔"

نوٹ: یہ قطعی غلط ہے۔ اس جملہ سے آپس میں نفرت بڑھے گی۔

باب ۱۲، ص ۱۲۹، پیراگراف ۲، سطر ۹، ۱۰: "اگرچہ کچھ مسلمان بھارت سے پاکستان بھی گئے مگر پاکستان سے بھارت آنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔" ———

نوٹ: پاکستان سے ہندوستان آنے والوں اور ہندوستان سے پاکستان جانے والوں کا مقابلہ بے معنی ہے۔ اس سے منافرت کا جذبہ پیدا ہوگا جو قومی ایکتا کے خلاف ہے۔

کتاب کا نام:- ہائی اسکول اتہاس۔ حصہ اوّل۔ برائے درجہ ۹ اور ۱۰۔ ناشر:- شعبہ تعلیم اتر پردیش،

ایڈیشن:- ۸۷-۱۹۸۶ء

باب ۱۲: تیمور کا آکرمن (حملہ) ص ۲۵۶ آخری پیراگراف: "پندرہ دن تک دلی میں لوٹ پاٹ ہوتا رہا اور قتل عام ہوتا رہا۔ جنتا میں ہاہاکار مچ گیا۔ ایک لاکھ ہندو قیدی مار دیئے گئے۔"

نوٹ: تیمور نے دلی میں جو قتل عام کرایا تھا اس میں ہندو مسلم میں اس نے کوئی فرق نہیں کیا۔

ص ۲۵۷ پیراگراف ۱۰: "وہ (تیمور) بہت سے سامان اپنے ساتھ لے کر واپسی میں میرٹھ تھا اور ہردوار کے مندروں تتھا مورتیوں کو توڑتا ہوا واپس لوٹ پڑا۔ جموں کے ہندو راجہ پر آکرمن (حملہ) کیا۔ راجہ پراجت ہوا اور اسکو مسلمان بنانے کے لیے ودش کیا۔"

نوٹ: کیا اس سے ہندو مسلمان کے درمیان نفرت نہیں پیدا ہوگی۔ یہ بات بچہ قابل غور ہے کہ کیا یہ ہم آہنگی کا سبب ہے؟

باب ۱۲: ص ۲۷۰ دھارمک اسہشنُتا کی نیتی (مذہبی تنگ نظری): "ادھک تر (زیادہ) سلطانوں نے ہندوؤں پر اتیاچار (ظلم) کئے تھے۔ مورتیوں اور مندروں کو توڑا۔ اس سے ہندو سلطنت کے ساتھ سے کھنچ گئے۔"

باب ۱۲: ص ۲۷۲ تیسرا پیراگراف: "اسلام دھرم اولمبی (اسلام مذہب کو ماننے والے) یہ فخر کرتے کہ بھارت کو دارالحرب سے دارالاسلام میں پریورتن کرنا اپنا لکشیہ (مقصد) سمجھتے۔ شاسک ورگ دوارا (حکمراں طبقہ کے ذریعے) سنکیرنتا (تنگ نظری) بھاؤناؤں کا پردرشن تھا شاشترات ورھا کا دھرم۔ ساماجک اور آرتھک اتپیڑن کیا گیا (سماجی و معاشی بربادی کی گئی)۔"

باب ۱۲: ص ۲۷۶-۲۷۷ ہندو سماج: "راج کی پرشاسنک (انتظامیہ) جنتا ہندو تھی لیکن مسلمان ورگ شاسک ورگ اور دوارا پرشست ورگ تھا۔ (حکمراں طبقہ تھا) وشیش روپ سے (خاص طور سے) فیروز تغلق اور سکندر لودی کے شاسن کال کا ویورن (حال) استھان استھان پر دھرم پرتکرتا ... کا پریچے دیتا ہے۔ مسلمانوں کے ڈر سے آپ اپنی دکم عمری میں لڑکیوں کے وواہ (جلدی شادی)، جاروڑا (پردہ) ... پرتھا پرچلت ہو گئیں۔"

باب ۱۲: ص ۲۷۷ دوسرا پیراگراف: "دلی سلطنت کا شاسن ہندو جنتا کے پرتی اتیاچار پورن تھا (دلی سلطانوں کا دور حکومت ہندو عوام کیلئے ظلم سے بھرا ہوا تھا)۔"

باب ۱۲: ص ۲۸۳ چوتھا پیراگراف: "بھارت میں اسلام دھرم کا پرچار اس کے سدھانتوں کی سرلتا کے کارن (اصولوں کے آسان ہونے کی وجہ سے) اتنا نہیں ہوا جتنا تلوار کے بھئے سے (ڈر سے) ہوا۔"

نوٹ: اس سے بڑھ کر تاریخی جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں اسلام صوفیائے کرام کے دم قدم سے

نوٹ: بھاگنا اور چیز ہے، اور کسی مقصد سے پہلو بدلنا بالکل دوسری چیز ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک مقصد کے لیے تھی۔ جب ان کی زندگی کو خطرہ اس حد تک پہنچا کہ ان کے ساتھ مقصد ہی ختم کر دیا جائے تو انھوں نے اس مقصد کو بچانے کے لیے نئے میدان اور نئی جگہ کا انتخاب کیا۔ بھاگنے کا لفظ اس جگہ غلط ہے اور اتنی بڑی شخصیت کے لئے اس کا استعمال نازیبا اور مکروہ بھی ہے۔

جو کام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کرنا چاہتے تھے اور نہ کر سکے وہ مدینہ میں آسان ہو گیا۔ چند ہمدردوں اور ساتھیوں اور مقصد سے محبت کرنے والوں کی ایک چھوٹی سی جماعت اکٹھا ہو سکی۔ جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد کو اپنایا۔ اس کے لیے جینے مرنے کی ٹھانی ہے۔

ہر سنجیدہ بات اپنے سنے جانے کے لیے امن و امان چاہتی ہے مکہ میں یہ پہلی شرط بھی پوری نہیں ہو رہی تھی۔ اب مدینہ میں آپ کی بات سنی جا رہی تھی، اور آپ کی معمولی کوششوں سے مدینہ میں اس حد تک امن قائم ہو گیا تھا کہ ایک نئی اسٹیٹ کی بنیاد رکھی جا سکے۔ اس نئی اسٹیٹ میں مدینہ کے سارے رہنے والے شامل ہوئے، اور انھوں نے آپ کے مقصد اور آپ کے کردار کے وزن کو محسوس کر کے آپ ہی کو پہلا امیر جماعت مقرر کیا۔

آپ کے ساتھ مدینہ والے تھے جو امن و امان کے مقصد سے آپ کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔

انفرادیوں کی بھیڑ اور سپاہ نہ تھی۔

سچ یہ ہے کہ مدینہ پر سب سے پہلے مکہ والوں نے حملہ کیا۔ مدینہ کے امن کو بچانے میں آپ کی کوشش یہی رہی کہ اگر کوئی مقابلہ کرنا پڑے تو وہ مدینہ سے باہر ہو تاکہ امن و امان کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ان مقابلوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اتنی کم تعداد میں تھے کہ ان سے کسی پر چڑھائی کا اندیشہ ہو ہی نہیں سکتا تھا بلکہ اندیشہ تو یہ تھا کہ وہ اس مقابلہ میں پس کر کہیں ختم نہ ہو جائیں اور مقصد ہمیشہ کیلئے نیست و نابود نہ ہو جائے۔ جنگ بدر کی رات میں آپ کی دعا بھی یہی تھی کہ یہ مٹھی بھر لوگ اگر آج مٹ گئے تو اے اللہ روئے زمین پر قیامت تک تیرا نام لیوا کوئی باقی نہ رہے گا گویا مسلمان اپنی بے بسائی کے باوجود صرف اس لئے لڑ رہے تھے کہ اپنے پروردگار کے نام کو بچالیں۔

ص: ۲۱۳: آخری پیراگراف: آخری ۳ سطر :- " اس کا پیغام (تعلیم) بھی ہوا کہ رہبر کا [illegible] قرآن کے [illegible] اور رواج میں [illegible] روحانیت اسیر تر ستا کی جگہ کا انقراض کیا، حکومت میں مذہبی تنگ نظری کے اصول کی پابندی کی گئی، انیہ (دوسرے) دھرم والوں کے ساتھ اپنایا گیا تھا اپنا چار (نا انصافی) اور ظلم کیا جانے لگا۔"

ص: ۲۱۴: س: ۴ سے آخر تک :- " یہ پرچار [illegible] راجنیتی [illegible] "

لوگوں کے ذریعہ) تلوار کے بل سے کیا گیا۔ پریام یہ ہوا کہ جہاں کہیں اسلام کا پرچار ہوا وہاں کی دھرا رکت ر نجیت کر دی گئی وہاں کی زمین خون سے رنگ دی گئی) اور سیاہ دھبے (فوجی کا ڈر) لوگ جہاد تھا دھرم یدھ کا نعرہ لگانے لگے۔ کبھی کبھی یہ دھرم یدھ ایسا بھیانک روپ دھارن کر لیتا کہ دالتو تاانڈو نرت کرنے لگتی۔ یہ مذہبی جنگ ایسا خوفناک رخ اختیار کر لیتی تھی کہ طبیعت تنگ ہو اچھنے لگتی) اور دھرم کے نام پر ایسے غیر انسانی کاریہ کیے جانے لگے جن سے شیطان کے دشمنت ہو جانے کے ابراہت بھی اسلام دھرم کی کرورتا کا سوروپ ابھی سماپت نہیں ہوا۔ (صدیاں بیت جانے کے باوجود اسلام مذہب کی انتہا پسندی کا نتیجہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا)

نوٹ :۔ اسلام مذہب اور جہاد سے مصنف اتنا ناواقف ہے۔ یہ ایک تاریخ کے مصنف کے لیے شرم کی بات ہے۔ یہ سب بہتان بے حقیقت ہے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیا اس تاریخ کو پڑھنے کے بعد کوئی بھی ہندستان میں ہندو مسلم بھائی چارگی کا خیال کر سکتا ہے۔ مصنف کو دور رسولؐ کی عرب تاریخ کو پڑھ کر صحیح حقائق کو سامنے رکھنا چاہیے تھا۔ ضرورت ہے کہ "رحمت عالم" ہندی ایڈیشن مولانا سید سلیمان ندوی کی تصنیف کردہ اور راقم الحروف کی ترجمہ کردہ کی روشنی میں صحیح حقائق تاریخ میں لکھے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا جب مکہ میں رہنا دشوار کر دیا گیا طرح طرح کے مظالم کیے گئے تو خدا کا حکم ہجرت کرنے اور مدینہ میں آباد ہونے کا آیا تب آپ نے مکہ چھوڑا اور مکہ کے کفار نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دینے کے لیے مدینہ پر حملہ کیا۔ جنگ بدر اور جنگ احد دو اہم جنگیں ہوئیں جن کا مطالعہ مصنف کو کرنا چاہیے تھا۔ مکہ پر فتح بغیر ایک قطرہ خون بہائے حاصل ہوئی اور امن و شانتی کے پیغمبر نے ان سبھی قاتلوں کو بھی معاف کر دیا جنھوں نے اہم اور جان دینے والے صحابیوں کو شہید کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد ایسی عام معافی آج تک نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی کہ نہ جنگ میں ایک قطرہ خون بہا اور نہ فتح کے بعد۔

<u>عرب واسیوں کا بھارت پر آکرمن کرنے کا لکچھ۔ ص: ۳ :-</u> " ان کا دوسرا لکچھ بھارت میں اسلام دھرم کا پرچار کرنا تھا مورتیوں اور مندروں کو توڑنا تھا۔"

<u>محمد بن قاسم کا آکرمن۔ ص: ۲۱۶ : س ۵ سے ۱ :-</u> " دیول میں محمد بن قاسم نے بڑی کٹھورتا کا انسرن کیا (سختی کا برتاؤ کیا)۔ اس نے نگر واسیوں کو مسلمان بن جانے کی آگیا (حکم) دی۔ اور جب لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تب اس نے ان کی ہتیا (قتل) کی آگیا دے دی۔ کہا جاتا ہے کہ سترہ ورش کی آیو سے اوپر کے سبھی پرشوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور استریوں (عورتوں) تتھا بچوں کو داس بنا لیا گیا۔ نگر کو خوب لوٹا گیا اور لوٹ کا مال سینکڑوں فوجیوں میں بانٹ دیا گیا۔"

<u>ص: ۲۱۷ : پہلا پیراگراف۔ آخری سطر :-</u> " جن لوگوں نے جزیہ دینا سویکار کر لیا۔ انھیں مسلمان نہیں

جلا دیا گیا۔ یہاں پر ہندوؤں کے مندر کا بھی نہیں توڑا گیا بلکہ ان کی سمپتی لوٹی گئی۔"

ص ۳۱۷ : آخری پیراگراف :- "دہلی میں اس نے بڑی کٹھور نیتی کا انوسرن کیا جس سے بھارتی اینٹ (ہیت) ایجیبت ہو گئے۔ رعیت پراپت کرنے کے لیے بھارتیوں کو آتنکت (خوف زدہ) کر دیا اور ٹیکس وصول کیا تھا۔"

ص : ۳۱۹ : پہلا پیراگراف :- "جن ہندوؤں نے اسلام دھرم کو سویکار کرنے سے انکار کیا تھا انھیں جزیہ نامک کر (ٹیکس) دینا پڑتا تھا۔ جن سادھارن (عوام) کی استھتی (حالت) اچھی نہ تھی۔ انھیں انیک پرکار کی اسوِدھاؤں (مشکلوں) کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ نہ وہ اچھا وستر (پوشاک) پہن سکتے تھے نہ گھوڑے کی سواری کر سکتے تھے۔ . . . اتیہ ہندوؤں کے ساتھ پرایہ دُرویہوار (اکثر ظلم) ہوتا تھا۔

باب : ۲۵ : ص : ۳۲۵ : غزنی و غوری :- "ترک لوگ بڑے ہی بربر تھا لٹیرے تھے۔ وہ بڑے ہی کٹر پنتھی تھے اور دھارمک سہشنوتا (مذہبی فراخدلی) ان میں بالکل نہ تھی۔ . . . ترکوں نے نہ کیول (صرف) بھارت کی اپار سمپتی (بے انتہا دولت) کو لوٹا اور یہاں پر شاسن استھاپت کر کے کئی سو برسوں (کئی سو سال) تک یہاں شاسن کیا ورن (بلکہ) انھوں نے ہندوؤں کے مندروں اور مورتیوں کو ودھونس (منہدم) کیا۔"

ص : ۳۲۶ : س : ۱۰ سے ۱۲ : "محمود بھارت پر اپنا استھائی راج (مستقل حکومت) استھاپت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ورن (بلکہ) بھارت کی سمپتی کو لوٹنے تھا مندروں اور مورتیوں کو توڑنے کیلئے بھارت پر بار بار آکرمن (حملہ) کیا۔"

ص ۳۲۸ : آخری پیراگراف : آخری ۵ سطریں :- "مسلمان اپنے استتو (وجود) کو بنائے رکھنے اور ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لیے دِرڑھ سنکلپ (پختہ ارادہ) کئے ہوئے تھے۔ ایسی استھتی میں (حالت میں) ہندوؤں کو اپنی رکھشا (تحفظ) کا ڈھنگ ڈھونڈنا تھا۔ چھلتہ (نتیجتاً) انھوں نے مسلمانوں کو ملیچھ کہا اور ان کو اچھوت بتلایا۔"

ص : ۳۲۹ : دوسرا پیراگراف : س : ۵، ۶ :- "ترک لوگ اسلام دھرم کا پرچار کرنے کے لیے پران (جی جان) سے تیار تھے۔ وہ ہندوؤں کے ویرُدھ (خلاف) جو مورتی پوجک تھے، جہاد کرنے کو تیار رہتے تھے۔"

ص : ۳۲۹ : دوسرا پیراگراف : آخری ۵ سطر : "مندروں تتھا مورتیوں کو ودھونس (منہدم) کرنے سے ان کے دو لابھ (فائدے) تھے۔ دھرم اُدیشوں کی پورتی ہوتی تھی اور ان کی سمپتی کو لوٹنے سے انھیں آرتھک لابھ ہوتا تھا۔ . . . دوسرا لکشیہ تھا مورتی پوجکوں کو نشٹ کرنا۔ اتھوا انھیں مسلمان بنانا۔ اور ان کے مندروں تتھا ان کی مورتیوں کو نشٹ کرنا (برباد کرنا) تھا۔"

محمود کا بھارت پر آکرمن (حملہ) کرنے کا اُدیشیہ (مقصد)۔ ص : ۳۳۰ : دوسرا پیرا :-

"محمود کا دوسرا اُدّیشیہ ہندوؤں کے مندروں تتھا ان کی مورتیوں کو نشٹ کرنا اور انھیں لوٹنا تھا۔ ۔ ۔ مندروں کو جن میں دولت بہت بھری پڑی تھی، اپنے آکرمن کا لکشیہ بنایا۔ مندروں تتھا مورتیوں کو ودھونس (منہدم) کرنے سے دھن ملنے کے ساتھ ساتھ مورتی پوجا کے ورُدّھ دھرم یُدّھ کرنے کی اس کی اِچّھا (خواہش) کی پورتی ہوتی تھی۔ ۔ ۔ ۔
مورتیوں کو توڑنے کے کارن وہ اپنے کو بُت شکن کہلاتا تھا۔"

ص: ۲۳۰: آخری پیراگراف: آخری دو سطر:- "اس میں سندیہ نہیں کہ اس نے ہندوؤں کو مسلمان بنایا، اور ان کے مندروں تتھا مورتیوں کو نشٹ کیا اور ان کے تیرتھ استھانوں کو روند ڈالا۔"

ص: ۲۳۲: دوسرا پیراگراف: پہلی تین سطریں:- "محمود کی دھن پیاس تتھا رکت پیاس (دولت اور خون کی پیاس) شانت نہ ہوئی۔ مورتیوں تتھا مندروں کو توڑنے، مورتی پوجکوں کی ہتیا کرنے تتھا انہیں مسلمان بنانے اور سمپتی کو لوٹنے کا کرم (سلسلہ) نرنتر (برابر) چلتا رہا۔"

ص: ۲۳۲: پیراگراف: ۲: س: آخری ۳:- "پرنتو بربر زمانہ (محمود کے ہاتھوں سے اس کی رکشا نہ ہو سکی۔ اس نے متھرا تتھا برنداون کے مندروں تتھا مورتیوں کو دھونس کیا اور اپار سمپتی اس کے ہاتھ لگی۔"

ص: ۲۳۵: پیراگراف: ۲: س: ۱۴ سے ۲۲:- "پرنتو ان دنوں تلوار کے بل سے اسلام کا پرچار کیا جانا اسلامی جگت میں برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ محمد صاحب نے سویم (خود) مکہ پر چڑھائی کر لوگوں کو مسلمان بنایا تھا، خلیفاؤں نے تلوار کے بل سے اسلام دھرم کا پرچار کیا تھا۔ مورتی پوجکوں کے ورُدّھ جہاد ان دنوں اسلام کی سیوا سمجھا جاتا تھا۔
اتئیو ہندوؤں کے مندر تتھا مورتیوں کو توڑ کر وہ (محمود) اسلام دھرم کی سیوا ہی کر رہا تھا۔"

ص: ۲۲۶: آخری پیراگراف: س: ۲، ۳:- "اس نے (محمود غزنوی نے) مورتی پوجک ہندوؤں کے ساتھ جو کچھ اتیاچار کیا، وہ اس یُگ کے انوکول (مطابق) تھا جس میں وہ پیدا ہوا تھا۔"

ص: ۲۴۱: پیراگراف: ۲: س: ۹ سے ۱۱، اور ۱۵ سے ۱۶:- "اجمیر میں چوہان راجاؤں کے بنائے ہوئے مندروں کو دھوست (گرا دیا) کر دیا گیا۔ اور محمد غوری کے سوامی بھکت (وفادار) غلام قطب الدین ایبک نے وہاں پر ایک مسجد بنوائی۔ ۔ ۔ ۔ ایبک نے دلی پر اپنا پربھُتو استھاپت کر لیا۔ اور وہاں کے مندروں کو نشٹ کر وہاں پر ایک مسجد کا نرمان آرمبھ کر دیا (تعمیر شروع کر دی) جسے مسجد قوۃ الاسلام یعنی اسلام کی شکتی (طاقت) کہتے ہیں۔"

ص: ۲۴۱: پیراگراف: ۳: آخری دو سطر:- "محمد غوری نے بنارس پر چھاپا مارا اور وہاں ادھیکار استھاپت کر لیا اور وہاں کے مندروں کو نشٹ بھرشٹ (توڑ پھوڑ کر دیا)۔"

ص: ۲۲۲ : آخری پیراگراف : آخری دو سطر :- "محمد غوری نے بھارت میں مسلمانوں کا استھائی
(مستقل) سامراج استھاپت کرنے کے لیے آکرمن کیا تھا۔"

ص: ۲۲۳ : آخری پیراگراف : آخری دو سطر :- "یدیپی (اگرچہ) محمود غزنوی کی بھانتی اس نے
بھی ہندوؤں کے مندروں تتھا مورتیوں کو نشٹ کیا۔"

ص: ۲۲۵ : پیراگراف : ۲ ۔ ص: ۲۲۶ سے ۴ تک۔ "مسلمانوں میں دھارمک اتیجنا (مسلمانوں میں مذہبی ولولہ)
محمد صاحب نے سوئم (خود) اپنے دھرم کا پرچار کرنے کے لیے شکتی بل کا سہارا لیا تھا۔ محمد صاحب کے اترادھیکاری (جانشین)
خلیفاؤں نے بھی شکتی بل سے اسلام دھرم کا پرچار کیا تھا۔ . . . . ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے ٹھیک ہی لکھا ہے: "مسلمانوں کو
جو بھیتی کی پراپتی (حصول) اور مورتی پوجا کو دھوست (مٹانے) کرنے کے لیے اتسک تھے۔ دھارمک اتیجنا (مذہبی جوش) کے کارن
بھی وہ سرلتا سے ادریت (بھرتی) کر سکتے تھے۔ نئے سینکوں کے ابھاؤ (کمی) کا کبھی انو بھو (تجربہ) نہ کرنا پڑا۔"

ص: ۲۲۸ ، ۲۲۹ : آخری پیراگراف : آخری دو سطریں :- "اس سے ڈاکٹر ایشوری پرشاد
نے لکھا ہے: "مسلمانوں کو افغانستان ایسے اس پاس کے دیشوں میں سینک چینی (فوجی بھرتی) کا بڑھیا (اچھا) چھیتر (علاقہ) حاصل تھا
جہاں سے وہ زبردستی سپاہی ہندوستان سے لڑنے کے لیے لا سکتے تھے۔"

"راجپوتوں کا دمن" ص: ۲۶۰ : پیراگراف : ۲ : آخری تین سطر : "۱۲۳۳ء میں
اس نے (التمش) گوالیار پر حملہ کیا اور وہاں کے مندروں کو نشٹ بھرشٹ کیا۔"

ص: ۲۶۲ : پیراگراف ۔ اوّل : آخری تین سطریں :- "اتیو ہندوؤں کے ساتھ سدیو نیائے
نہیں ہو پایا تھا۔ اس نے اسنکھیہ (بے شمار) ہندوؤں کے دیو الیوں (مندروں) کو نشٹ بھرشٹ کیا تھا۔ جس طرح ایک تھا اس کے
پہلے آکرمن کاریوں (حملہ آوروں) نے کیا تھا۔"

ص: ۲۶۸ : آخری پیراگراف : آخری چار سطریں : "اس نے (بلبن) اپدرو کاریوں (باغیوں)
کی بستیوں کو جلا دیا۔ نردوش سے دوش ایک اور شستر دھاری لوگوں کو تلوار کے گھاٹ اتروا دیا اور استریوں تتھا بچوں کو بندی بنا لیا۔"

ص: ۳۱۳ : پہلی دو سطریں :- "فیروز بھی ایک کٹر سنی مسلمان تھا اور نہ کیول (صرف) ہندوؤں
کو ورن (بلکہ) شیعہ مسلمانوں کو بھی وہ گھرنا (نفرت) کی درشٹی (نظر) سے دیکھتا تھا۔"

ص: ۳۱۵ : پہلی ۵ سطریں :- "اس نے (فیروز) ہندوؤں کے ساتھ ایک بڑا انیائے کیا
اس نے برہمنوں پر بھی جزیہ کر (ٹیکس) لگوا دیا اور ایک برہمن کو اس لیے سادھارن اپرادھ (معمولی جرم) کے لیے

چندر راجا بھوج (محل) کے سامنے زندہ جلوا دیا تھا۔ اس نے ہندوؤں کے مندروں تمام ان کی مورتیوں کو اسی طرح بیکار

تڑوا دیا جس بیکار اس کے پہلے کٹر پنتھی سلطانوں نے کیا تھا۔"

ص: ۱۷۰ : پہلا پیراگراف : س: ۳ تا ۴ :۔ "اس بیکار نیا ئے اور استعادھرم بھی جمادات ہوگئی

تھی اور ہندوؤں کے ساتھ نیائے ہونے کی بہت کم سمبھاونا رہ گئی تھی۔"

ص: ۱۸۰ : آخری تین سطریں: "جاج نگر پہنچے" :۔ "پُری میں اس نے (فیروز) جگن ناتھ

کے مندر کو نشٹ بھرشٹ کروا دیا تھا اور وہاں کی مورتیوں کو سمندر میں پھنکوا دیا۔"

ص: ۱۸۰ : س: ۵ تا ۶ اور آخری ۳ سطریں: "نگر کوٹ پر آکرمن" :۔ "یہاں بہت لوگ دیا ترا

درشن کے لیے آیا کرتے تھے اور مورتی کی پوجا کیا کرتے تھے۔ یہ سب فیروز کے لیے اسہیہ (ناقابل برداشت) تھا۔ . . . اس

نے جوالا مکھی مندر کو نشٹ بھرشٹ کروا دیا اور اس میں پرستھاپت دیوی کی مورتیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیے اس بیکار

اس نے دھرماندھتا اور سنکیرنتا (مذہبی کٹرپن اور تنگ دلی) کا پریچے دیا۔"

"فیروز کے کارنامے کا مولیانکن (تجزیہ)" ص: ۱۹۰ : دوسرا پیراگراف : آخری تین

سطریں :۔ "فیروز میں دھارمک اسہشنتا (مذہبی غیر رواداری) تھی اور وہ ہندوؤں کے ساتھ کٹھورتا (سختی)

کا ویوہار (برتاؤ) کرتا تھا۔"

ص: ۲۰۰ : پہلا پیراگراف : س: ۱ سے تین :۔ "فیروز بڑے ہی سنکیرن وچاروں (تنگ خیال) کا شاسک

تھا۔ وہ اپنے یگ سے آگے نہ بڑھ سکا اور سنکیرن ہندوؤں ہی نہیں (بلکہ) شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس نے کٹھورتا کا برتاؤ کیا۔"

ص: ۲۱۰ : پہلا پیراگراف : س: ۵ تا ۶ :۔ "تیمور کٹر مسلمان تھا اور مورتی پوجکوں سے اسے گھِرنا (نفرت)

تھی۔ اتیو وہ ان کے مندروں تمام مورتیوں کو توڑ کر ان کا بدھ (قتل) کروا کر غازی کی اُپادھی (لقب) لینا چاہتا تھا۔"

ص: ۲۸۰ : آخری پیراگراف : س: ۲ تا ۹ :۔ "فیروز بڑا ہی کٹر تھا اسہشنو ور سنی مسلمان تھا۔ وہ

(سکندر لودی) بڑا کٹر تھا اسہشنو سنی مسلمان تھا۔ اس نے فیروز تغلق کی بھانتی دھارمک اسہشنوتا کی نیتی اپنائی اور ہندوؤں

کے ساتھ بڑا انیا چار کیا۔ اس نے ان کے مندروں تمام مورتیوں کو توڑا اور ان کے ساتھ بھانت بھانت کے انیاچار کیے۔"

ص: ۳۰۰ : آخری پیراگراف : س: آخری :۔ "مسلمانوں نے کیول سینک شکتی کے بل سے ہندوؤں

پر شاسن کرنے کا پریتن کیا تھا۔"

ص: ۳۱۰ : س: ۸ تا ۹ :۔ "اور ہندوؤں کے ساتھ بھین بھین (طرح طرح) بیکار (قسم) کے

اتیاچار کیے تھے"۔

ص: ۴۴۲ : پیراگراف : ۳ : آخری ۴ سطریں :۔ "منگول لوگ اسلام دھرم کے انویائی (پیرو) نہ تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیے تھے جس پرکار (جس طرح) مسلمان ہندوؤں کے ساتھ"۔

ص: ۴۴۶ : آخری پیراگراف : س: ۴، ۵ :۔ "(منگول) انھوں نے مسلمانوں کا اسی پرکار جنیا کانڈ (قتل عام) کیا جس پرکار مسلمانوں نے ہندوؤں کا کیا تھا"۔

ص: ۴۵۵ : س: ۱۶-۱۸ :۔ "ان لوگوں (سلطانوں) نے اپنی ہندو پرجا (رعایا) کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار (طرح طرح کے ظلم) کیے۔ مسلم راجیوں میں ہندو لوگ اونچے اونچے سرکاری پدوں (عہدوں) سے ونچت (محروم) تھے"۔

ص: ۴۵۶ : دوسرا پیراگراف : س: ۲ سے ۵ اور ۸ سے ۱۲ :۔ "پرنتو مسلمانوں کو مورتی پوجا سے گھور گھرنا (سخت نفرت) تھی اور مورتی پوجکوں کے ورُدھ (خلاف) جہاد یا دھرم یُدھ کرنا وے اپنا کرتویہ (فرض) سمجھتے تھے۔ انھوں ہندوؤں کے مندروں تھا ان میں پرستھاپت (رکھی ہوئی) مورتیوں کو توڑنا مسلمانوں کا کرتویہ (فرض) سا بن گیا تھا۔ . . . وہاں سلطنت کی ہندو پرجا کو دھارمک سوتنترتا (آزادی) نہ تھی۔ . . . نہ نئے مندروں کو بنوانے نہ پرانے مندروں کے جیرنو ادھار (مرمت) کرانے کی۔ ہندوؤں کے مندروں کو تڑوا کر مسجدیں بنوانا مسلمانوں کی نیتی کا ایک انگ بن گیا تھا۔ . . . ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لیے ان کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کیے جاتے تھے، اور انھیں پرلوبھن (لالچ) دیے جاتے تھے"۔

ص: ۴۵۹ : "ہندوؤں کا راجنیتک ادھیکار سے ونچت ہونا" :۔ "مسلم راج کی پرجا ہونے کے کارن ہندو سبھی راجنیتک ادھیکاروں سے ونچت (محروم) ہو گئے۔ نہ وے سینا میں بھرتی ہو سکتے تھے، اور نہ انھیں اونچے سرکاری پد مل سکتے تھے۔ انھیں جزیہ نامک کر دینا پڑتا تھا اور وے نیچ پرشنسا کی درشٹی سے دیکھے جاتے تھے"۔

ص: ۴۶۰ : ہندوؤں کے ساتھ ویوہار :۔ "مسلمانوں کے شاسن کال میں ہندوؤں کے ساتھ بڑا دُرویوہار (برا برتاؤ) کیا گیا۔ انھیں کافر سمجھا جاتا تھا اور انھیں بلات (طاقت) سے مسلمان بنالیا جاتا تھا۔ انھیں وِبھِن پرکار سے اپمانت (بے عزت) کیا جاتا تھا اور ناگرکتا (شہریت) کے ادھیکار (حق) سے ونچت (محروم) کر دیا گیا تھا"۔

نوٹ :۔ پورے سلطنت کے دور میں مورخ نے ہر لڑائی کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی جنگ کا روپ دیا ہے۔ اور مندروں کو توڑ کر مسجدوں کی تعمیر کے اتنے قصے گڑھے ہیں اور بات بات پر مسلمانوں کا ظلم

ہندوؤں پر ڈھایا ہے گویا پوری تاریخ کو مسخ کر کے ہندو مسلم جذبات کو بھڑکایا گیا ہے۔ اس تاریخ کو پڑھنے کے
بعد کیا دونوں فرقوں میں نفرت کے جذبات نہیں پیدا ہوں گے ؟ ۔

○

کتاب کا نام :۔ بھارت کا سمپورن اتہاس۔ حصہ : دو۔ مصنف :۔ شری جتیندر پانڈے۔ ایڈیشن :۔
۸۸ - ۱۹۸۷ء ص : ۵۶ : دوسرا پیراگراف : س : ۱۱ سے ۱۵ : "رائے سین وجے" :۔ "پرنتو
شیر شاہ نے اس کے ساتھ بہت بڑا وشواس گھات (دغا) کیا۔ اس نے راجپوتوں کا بھیشن تباکانڈ (قتل عام) کروا دیا۔ کہا
جاتا ہے کہ ایک بھی راجپوت زندہ نہ بچا۔ راجپوت استریوں نے (عورتوں نے) جوہر کر کے اپنے ستیتو (عزت) کی رکھشا (حفاظت)
کی پرنتو کچھ بچے مسلمانوں کے ہاتھوں پڑ سے جو غلام بنالئے گئے۔ پورن مل کی ایک چھوٹی کنیا (لڑکی) کو نرتکی (رقاصہ) بنا کر
اسے بازاروں میں نچایا گیا۔"

ص : ۹۶ : تیسرا پیراگراف : آخری سطریں : " جو آدر سمان رانا پرتاپ کو ہندو جاتی سے پراپت
ہوتا ہے۔ اس کا شتانش (سواں حصہ) بھی ان جاگیرداروں (جو راجپوت مغل دربار سے متعلق ہو گئے تھے) کو نہیں مل سکا۔ جنھوں نے
مغل دربار میں جا کر اپنی، اپنے کل کی تتھا اپنی جات کی پرتشٹھا کی بلی چڑھا دی۔ (عزت کو قربان کر دیا)۔"

ص : ۹۶ : آخری پیراگراف :۔ " راجپوت راجاؤں و نرشوں کے ساتھ ویواہک سمبندھ استھاپت
کر کے اکبر نے راجپوتوں کی مریادا کو مٹی میں ملا دیا۔ یہاں پر دھیان دینے کی بات یہ ہے کہ اکبر نے راجپوت کنیاؤں کا ویواہ
تو مسلمانوں کے ساتھ کروایا پرنتو اس نے مسلمان کنیاؤں کا ویواہ ہندوؤں کے ساتھ پروتساہت (ہمت افزائی) نہیں کیا
جن راجپوت راجاؤں نے اپنی بہن، بیٹیوں کا ویواہ مغلوں کے ساتھ کر دیا۔ ان کے ونشجوں کا مستک (متعلقین کا سر) آج بھی
لجا (شرم) سے جھک جاتا ہے۔"

ص : ۹۸ : تیسرا پیراگراف : س : ۲ سے ۴ اور آخری سطر :۔ " اس کی نیتی کا راجپوتوں کی
شکست تھا ان کے پراچین گورو تتھا پرتشٹھا پر بھیشن آگھات لگا کر راجپوتوں کی راجنیتک سوتنترتا (سیاسی آزادی)
سماپت ہو گئی۔ اور مغل سامراجیہ کے سیوک بن گئے اور اپنی مریادا تتھا پرتشٹھا کھو بیٹھے۔ ان کا پراچین گورو سماپت ہو گیا۔
اپنی بہن بیٹیوں کو لوگوں کو دیگر افسروں نے اپنی اپنے کل کی اپنی جات تتھا اپنے دیش کی پرتشٹھا تتھا ان مریادا کو دھول میں ملا دیا۔
. . . جن راجپوتوں نے جم کر مغلوں کا سامنا کیا اور ان کے سامنے نتمستک نہ ہوئے۔ ہندو جاتی آج بھی ان پر گرو کرتی
ہے اور ان کا اتہاس آدرش مان کر ان کے پدچنہوں (نشان قدم) پر چلنا نیت دھرم سمجھتی ہے۔"

ص: ۱۵۵: دوسرا پیراگراف: آخری تین سطریں:- "انیہ (دوسرے) راجپوت ونش اس یدھ کو راشٹریہ یدھ کے روپ میں نہ دیکھ سکے اور نہ اسے ہندو جات کے سوتنترتا سنگرام (جنگ آزادی) کی مانیتا دے سکے۔"

ص: ۱۶۹: تیسرا پیراگراف: س ۳، ۹، ۱۰، اور س ۱۵، ۱۲:- "یہاں تک کہ کبھی کبھی اکثریتی مسلمانوں کو پرسن (خوش) کرنے کے لیے جہانگیر اسہشنوتا (تعصب) کے بھی کاریہ کر دیتا تھا۔ ۔ ۔ ۔ اس کے شاسن کال کے آٹھویں ورش اس کی آگیا (حکم) سے اجمیر میں پشکر کے نکٹ ہندو مندروں کو نشٹ کیا گیا تھا۔"

ص: ۱۸۰: دوسرا پیراگراف:- "پرنتو جوجھار سنگھ کے پریوار کے ساتھ جو دُر ویوہار کیا وہ کداپی سراہنی نہیں تھا۔ راجپوت مہیلائیں جو جیوت (زندہ) پکڑی گئی تھیں، شاہی حرم اتھوا امیروں کے گھروں میں سیوا کرنے کیلئے بالعموم (مجبور) کی گئیں۔ جوجھار سنگھ کے دو پُتر (بیٹے) اور ایک پوتر (پوتا) کو مسلمان بنایا گیا جوجھار سنگھ کے منتری شیام اور اس کے پُتر (لڑکے)، جس نے مسلمان بننے سے انکار کر دیا تھا کو پھانسی دی گئی۔ جب شاہجہاں نے اورچھا میں پرویش کیا تب ویر سنگھ کے وشال مندر کو دھوست کروا کر اس کے استھان پر ایک مسجد کا نرمان کروایا گیا تھا۔ یہ سبھی کاریہ بڑے ہی نندنیہ تھے۔ (قابل مذمت تھے)۔"

ص: ۱۹۲: پہلا پیراگراف: س ۳، ۴ اور ۶ سے ۱۲ تک:- "دھارمک معاملوں میں شاہجہاں اپنے باپ سے بھی ادھک کٹر نکلا۔ ۔ ۔ ۔ دھارمک کٹرتا کے بیج اس میں ودمان (موجود) تھے۔ ۔ ۔ ۔ اس کے پتا کے شاسن کال میں جتنے مندروں کا نرمان آرمبھ کیا گیا تھا۔ ان سب کو گروا دیا گیا۔ اس آدیش کے انوسار کیول بنارس ہی میں ۷۶ مندروں کا ناش کروا دیا گیا۔ بندیلا یدھ کے اوسر پر بھی شاہجہاں نے ایسے کاریہ کئے جس سے اس کی دھارمک کٹرتا پرلکچھت (ظاہر) ہوتی ہے۔ اس کی آگیا سے بندیل کھنڈ میں ہندو مندر تڑوائے گئے اور جوجھار سنگھ کے پتر (بیٹے) کو مسلمان بنایا گیا۔ شاہجہاں کے دھارمک کٹرتا کے اور بہت سے اُداہرن (مثالیں) ہیں۔"

ص: ۱۹۵: دوسرا پیراگراف:- "شاہجہاں نے اپنے شاسن کے پرارمبھ میں جس اسہشنوتا کی نیتی کا انوسرن کیا دیش کا واتاورن بگاڑ دیا (نفرت کا بیج بو دیا)۔ ۔ ۔ ۔ ہندو جنتا ۔ ۔ ۔ دھیرے دھیرے اداسین ہونے لگی۔ اورنگ زیب کے شاسن کال میں جب یہ دھارمک اسہشنوتا کا واتاورن جو شاہجہاں نے کیا تھا، پرکاشٹھا (انتہا) کو پہنچ گئی، تب ہندو جنتا نے ودروہ کا جھنڈا کھڑا کیا۔"

ص: ۱۹۶: آخری پیراگراف: س ۳ سے ۶:- "اس یدھ کے پھل سروپ (جنگ کے نتیجہ میں)

ایک ایسا کٹر پنتھی وکتی (شخص) مغل سامراجیہ کا بادشاہ بن گیا جس کی وِدَیش نیتی (بیرونی پالیسی) کے پھل سوروپ مغل سامراجیہ چھن اور کھوکھلا ہو گیا"۔

ص: ۲۰۳: تیسرا پیراگراف، س: ۳ سے ۶ :- "ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے لکھا ہے۔ "راجا کی نیتی دھارمک وچاروں پر نربھر تھی اور سمراٹ نے ایک کٹر پنتھی کی بھانتی شاسن کرنے کا پریتن کیا"۔

ص: ۲۰۴: آخری پیراگراف: س: ۲ سے آخر تک :- " اورنگ زیب نے اپنی غیر مسلم پرجا پر بھانت بھانت کے اتیاچار کرنے آرمبھ کئے وہ ہندوؤں کا دشمن تھا انہوں کو بھارت کو دارالاسلام ارتھات مسلم راجیہ بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے اس ادیشیہ (مقصد) کی پورتی کے لیے ہندوؤں کے مندروں تھا مورتیوں کو توڑ کر ان کے استھان پر مسجدوں کا بنوانا آرمبھ کیا۔ ہندو پاٹھ شالاؤں کو اس نے ونشٹ کر دیا۔ ان پر پھر سے جزیہ تھا تیرتھ یاترا کر لگا دیا"۔

ص: ۲۰۵: س: ۲ سے آخر تک :- "ہندوؤں کو جبرات (طاقت سے) مسلمان بنایا گیا اور ان کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کئے گئے ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لئے دھن دیا تھا پرنتو شاسک کے بھانت بھانت کے پرلوبھن دیے گئے۔ اس پرکار اس نے ہندو دھرم، ہندو سبھیتا (تہذیب) تھا سنسکرتی (تمدن) تھا ہندو جات کو سماپت کرنے کا پرتیم پریاس کیا (پہلی کوشش کی)"۔

ص: ۲۰۶: دوسرا پیراگراف: س: آخر کی دو :- "پرنتو پرجا کا آشیرواد (مطلب) مسلم پرجا سے تھا ہندو پرجا سے نہیں۔ ہندوؤں کو وہ کافر سمجھتا تھا اور ان کے پرتی (تئیں) وہ انُدار (غیر فراخ دل) تھا"۔

ص: ۲۰۶، ۲۰۷: آخری پیراگراف :- "اسلام دھرم کے انوسار پرتیک (ہر ایک) بادشاہ کا یہ کرتویہ تھا کہ وہ اسلام دھرم کا پرچار کرے اور مورتی پوجکوں سے یدھ کرے۔ اسلام دھرم کا پکا انویائی (پیرو) تھا پرم بھکت ہونے کے کارن ہندوؤں کو دبانے تھا ہندو دھرم کو ونشٹ کرنے کا پریتن کرنا اس نے (اورنگ زیب نے) اپنا پرم دھرم سمجھا۔ اسی سے ہیگ ہوور نے لکھا ہے۔ "اورنگ زیب ایک کٹر پنتھی تھا جو اپنی ہندو سنسکرتیک پرجا کے دھرم کو بھرشٹ سمجھتا تھا اور یدی (اگر) سمبھو ہو (ممکن ہو) تو وہ اسے انوپت کر دے۔ اس کے طریقے بہت برے تھے۔ اس نے آرتھک دمن (اقتصادی استحصال)، طاقت کے بل پر تبدیلی مذہب اور پرجا پر گرفت وغیرہ سے اپنے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

نوٹ: انگریزوں کی حکمت عملی تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو لڑاؤ اور ان پر حکومت کرو۔ اسی لئے انگریز مورخوں نے اورنگ زیب اور دوسرے مسلم بادشاہوں کو اس رنگ میں پیش کیا کہ

ہندو مسلم ایکتا نہ رہنے پائے۔ اس تاریخ میں حوالے انھیں مؤرخوں سے لئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے
اورنگ زیب کا اصل روپ سامنے نہیں آتا۔"

ص: ۲۰۷ : مندر تھا مورتیوں کا دھونس :۔ " تخت پر بیٹھنے سے پہلے ہی اورنگ زیب نے
ہندوؤں کی مندروں کو گروانا تھا ان کی مورتیوں کو گروانا آرمبھ کر دیا تھا۔ جب وہ گجرات کا صوبہ دار تھا، انھیں دنوں
احمد آباد میں چنتامنی کا مندر بن کر تیار ہوا تھا اورنگ زیب نے اس مندر کو دھوست کروا دیا، اور اس کے استھان پر
ایک مسجد بنوا دی۔ . . بہار کے ادھیکاریوں کو یہ آدیش دیا گیا تھا میدنا پور کے بیچ میں جتنے ہندو مندر ہیں ان
سب کو گرا دیا جائے۔ اورنگ زیب کی آگیاں سے سومناتھ کا دوسرا مندر بھی گروا دیا گیا۔ بنارس میں وشوناتھ مندر کو گرا
کر وہاں پر ایک وشال مسجد کی تعمیر کی جو ابھی تک موجود ہے۔ متھرا میں کیشو رائے مندر کا بھی یہ ورشا ہوئی اور متھرا
کا نام بدل کر اسلام آباد رکھ دیا گیا۔ آخر میں ۱۶۸۰ء میں اورنگ زیب کے حکم سے امبر کے سبھی مندروں کو گروا دیا گیا۔
. . . اورنگ زیب نے یہ بھی فرمان جاری کر دیا کہ ہندو لوگ نہ تو پرانے مندروں کی ترمیم کریں اور نہ نئے
مندروں کی تعمیر کریں۔"

نوٹ: سلطانوں اور مغل بادشاہوں کے مندر گروانے کی اتنے بڑے پیمانے پر چرچا سے
تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں مندروں کا وجود ہی باقی نہیں رہنا چاہئے تھا۔ یہ جان بوجھ کر ایسے
جھوٹے واقعات گڑھ کر ہندوؤں اور مسلمانوں میں نفرت پیدا کرنے کی کوشش ہے۔

اورنگ زیب کے مندروں کے بارے میں دستاویز اور فرمان ابھی موجود ہیں۔ جس میں اس نے مندروں
کو جاگیریں دی ہیں۔ پروہتوں کے نام زمینیں اور علاقے دیئے ہیں کہ ان سے مندر کے اخراجات پورے
ہوتے رہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود اس پر یہ الزام کتنا بڑا بہتان ہے۔

ص: ۲۰۸ : پہلا پیراگراف: س: ۲ '۳ "ہندو پاٹھ شالاؤں کا دھونس :۔" اس
کے حکم سے ٹھٹھہ، ملتان اور بنارس میں قائم سبھی تعلیمی اداروں کو برباد کر دیا گیا۔ ہندو تعلیم گاہوں میں نہ تو اسلام مذہب کے
خلاف تعلیم دی جا سکتی تھی اور نہ ان درسگاہوں میں ہندو لوگ اپنے ہی مذہب کی تعلیم دے سکتے تھے۔ اورنگ زیب
کے ان کاموں سے اس کی تنگ خیالی کا پتہ چلتا ہے۔"

ص: ۲۰۸ : دوسرا پیراگراف: س: ۱، ۵ اور آخری ۳ سطریں: "ہندوؤں پر جزیہ
کر (ٹیکس) :۔" اورنگ زیب نے غیر دانشمندی کا کام یہ کیا کہ اس نے پھر سے ہندوؤں پر جزیہ کر لگا دیا، اسلام مذہب

کا یہ قانون تھا کہ جو لوگ اسلام کو قبول نہ کریں، ان کے خلاف جہاد کیا جائے لیکن اگر وہ جزیہ کر دینے کے لئے تیار ہو جائیں تو ان کی جان بخش دی جائے۔ . . . ہندوؤں کو جزیہ سے سخت نفرت تھی۔ اس ٹیکس کو پھر سے لگا کر اورنگ زیب نے ہندوؤں بالخصوص راجپوتوں کے جذبات کو بہت ٹھیس پہنچائی۔"

نوٹ :- جزیہ کے متعلق ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو غیر مسلم فوج میں بھرتی نہیں ہوتے تھے ان کی اور ان کے خاندان کی حفاظت کے لیے ایک ٹیکس لیا جاتا تھا۔ اگر کوئی ان کی حفاظت نہ کر سکے تو یہ ٹیکس واپس کر دیا جاتا تھا۔ محمد بن قاسم جب خلیفہ کے حکم سے ہندستان سے واپس جا رہا تھا تو اس نے جزیہ میں لیا ہوا ٹیکس واپس کر دیا تھا۔ مسلمانوں سے دوسرے قسم کے ٹیکس لئے جاتے تھے۔ جو جزیہ سے اکثر زیادہ ہوتے تھے۔ جزیہ ٹیکس کو بدنام کرنے کیلئے انگریزوں نے اس کو یہ رنگ دیا گویا ہندوؤں سے ہندو ہونے کی وجہ سے یہ ٹیکس لیا جاتا تھا —— حالانکہ یہ ان کی جان و مال کی حفاظت کا ٹیکس تھا اور اس کے علاوہ انھیں کوئی ٹیکس نہیں دینا پڑتا تھا۔

ص : ۲۰۸ : تیسرا پیراگراف : چنگی کے متعلق تفریقی حکمت عملی :- "صنعت اور تجارت کے میدان میں بھی اورنگ زیب ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکساں نظر سے نہیں دیکھ سکا۔ ہندو تاجروں کو اپنے مال پر ۵ فیصدی چنگی دینی پڑتی تھی، مگر مسلمان تاجروں کو اس کی نصف چنگی دینی پڑتی تھی۔ بعد میں اس نے مسلمان تاجروں پر سے بالکل چنگی ہٹا دی۔"

ص : ۲۰۸-۲۰۹ : "سرکاری نوکریوں سے ہندوؤں کو ہٹانا" :- " محکمہ مال سے سبھی ہندوؤں کو نکال دیا گیا"

ص : ۲۰۹ : بزور طاقت تبدیلی مذہب :- " ہندوؤں کو مسلمان بنانا اور اسلام کی خدمت کرنا اورنگ زیب اپنا مذہبی فرض سمجھتا تھا۔ . . . جو ہندو اسلام میں نہیں پڑتے تھے انھیں زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ متھرا کے گوکل نامی جاٹ کے سارے خاندان کو اسی طرح مسلمان بنایا گیا تھا۔ جو ہندو اسلام مذہب کی تنقید یا اپنے مذہب کی تبلیغ کی کوشش کرتے تھے، انھیں بڑی سخت سزا دی جاتی تھی۔ اُدھو بیراگی نامی ہندو کو اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی وجہ سے ہی مروا ڈالا گیا تھا۔"

ص : ۲۰۹ : "ہندوؤں پر معاشرتی پابندی" :- " اورنگ زیب کی سختی نے ہندوؤں کی معاشرتی زندگی پر بھی سخت حملہ کیا۔ ۱۶۶۵ء میں اس نے یہ فرمان جاری کیا کہ راجپوتوں کے علاوہ کوئی دوسرا

ہندو ہاتھی، گھوڑا یا پالکی کی سواری نہیں کر سکتا۔"

ص: ۲۰۹-۲۱۰: س: ۲: "جاٹوں کی بغاوت":- " اس بغاوت کی خاص وجہ کیشو رائے کے مندر کو تڑوانا تھا۔ جاٹ لوگ اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکے اور مغل گورنر عبدالنبی کا قتل کر دیا۔ اورنگ زیب نے بڑی بے رحمی سے بغاوت کو فرو کر دیا۔ گوکل اور اس کے خاندان کے لوگ قید کر دیے گئے۔ گوکل کو کٹوا کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے اور اس کے گھر کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنا لیا گیا۔"

ص: ۲۱۰: تیسرا پیراگراف، آخری سات سطر: سکھوں کی بغاوت:- " اورنگ زیب نے ہندوؤں کی مندروں کی طرح سکھوں کے مندروں کو بھی گروانا شروع کر دیا۔ . . . گرو تیغ بہادر پکڑے گئے اور دہلی لائے گئے۔ ان سے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا گیا اور جب انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تب ۱۶۷۵ء میں ان کا قتل کر دیا گیا۔"

ص: ۲۱۱: س: ۳ سے ۷ تک: "راجپوتوں کے ساتھ سنگھرش":- " آخر میں اورنگ زیب نے ایک زبردست فوج گرو کے خلاف بھیجی۔ گرو ہار گئے اور ان کے دو لڑکے قید کر لیے گئے۔ ان لڑکوں سے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا گیا لیکن ان لڑکوں نے اس نفرت انگیز تجویز کو ٹھکرا دیا اور انھیں زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ . . .

اورنگ زیب کی ہندو مخالف حکمت عملی کی وجہ سے راجپوت حکومتوں کے ساتھ ان کی لڑائی ضروری ہو گئی۔"

ص: ۲۱۲: س: ۷-۸:- " مغل فوج نے مارواڑ کے شہروں کو خوب لوٹا۔ اس کے مندروں کو توڑا اور سارے ملک کو تہس نہس کر دیا۔"

ص: ۲۱۸: دوسرا پیراگراف: آخری چار سطریں:- " یہاں پر سمبھا جی کو بھانڈوں کا ودشک (مسخرہ) کا لباس پہنا کر اسے دہلی کی سڑکوں پر گھمایا گیا اور ہر طرح کا رسوا، اہانت (بے عزتی) کر کے اسے کارا گار میں ڈال دیا گیا۔ چند دنوں کی بھیانک یاتناؤں کے بعد اس کے شریر (جسم) کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مانس (گوشت) کو کتوں کو دے دیا گیا۔"

ص: ۲۲۰: س: ۳: "میرٹھ کا راشٹری سنگرام":- " وہ (اورنگ زیب) دکن میں اپنے راج کا وستار تھا ہندوستان کو سماپت کرنا چاہتا تھا۔ (ہندو حکومت کو ختم کرنا چاہتا تھا)۔"

ص: ۲۲۳: تیسرا پیراگراف: س: ۷ سے ۱۰ تک:- " اس کی (اورنگ زیب) ہندو پرجا اس کے دھارمک اتیاچاروں کے کارن بڑی دکھی تھا دی تھی۔ ہندوؤں کے مندروں تھا ان کی مورتیوں کو توڑا گیا اور اس کے استھان پر مسجدیں بنوائی گئیں۔"

ص: ۲۲۳: دوسرا پیراگراف :- " اورنگ زیب نے اپنے شاسن میں انیک سدھار کئے تھے پرنتو
ان سدھاروں میں اس کی مسلم پرجا کو ہی لابھ ہوتا تھا ہندوؤں کو نہیں۔ . . . ہندوؤں کے ساتھ اس نے جو آگے
جتنا انیائے تھا انیا چاہا۔ کیا ہو، پرنتو اپنی مسلم پرجا کے ساتھ وہ سدیو (ہمیشہ) نیائے (انصاف) کرتا تھا۔"

ص: ۲۲۰-۲۲۱: ص: آخری پہلی دو سطریں اور ۸-۹ :- " مغلوں کا سکھوں کے نیتا بندا بیراگی
کے ساتھ یدھ ہوا۔ جب پراست ہو جانے پر بندا بیراگی نے اسلام دھرم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تب اس کا اور اس
کے ساتھیوں کا بدھ کر دیا گیا۔ . . . فرخ سیر نے ہندوؤں پر پھر جزیہ ٹیکس لگا دیا اور ان پر اتیاچار کرنے لگا۔"

ص: ۲۲۲: س: ۹ سے ۱۳ تک :- " ہندوؤں کی پربل سہایتا جسے اکبر نے بڑی چالاکی سے
پراپت کیا تھا، شاہجہاں کی غلط نیتی اور اس سے بھی ادھک اورنگ زیب کی کٹھور کٹر پنتھی نیتی سے دربل (کمزور)
پڑ گئی۔ اورنگ زیب بڑا ہی دھرماندھ (مذہبی) کٹر سنی مسلمان تھا۔ اس نے نہ کیول (صرف) ہندوؤں ورن
صوفی تتھا شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی بڑا اتیاچار کیا۔"

ص: ۲۲۴: آخری پیراگراف: ص: آخری تین :- " اورنگ زیب کے سمے (وقت)
میں ہندو دھرما پاریوں کو انیک آپدھاؤں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ آخیر ان کی درشا (حالت) کافی سوچنیہ (بدتر) ہو گئی تھی۔"

ص: ۲۲۷: آخری پیراگراف: ص: ۳-۴ :- " اس نے (بابر) ہندوؤں کے ورُدھ
جو یدھ کئے تھے انہیں اس نے دھرم یدھ (جہاد) کے نام سے پکارا تھا۔ جو کافروں اتھوا مورتی پوجکوں کے ورُدھ کیا جاتا ہے۔"

ص: ۲۴۸: دوسرا پیراگراف: ص: ۲ سے ۶ اور ۹، ۱۲ سے ۱۴ تک :- " اسہشنتا
(تنگ نظری) کی نیتی کا دوسرا پرینام (نتیجہ) جہانگیر کے کال میں ہی ہو گیا تھا کیونکہ اس نے پھر ہندوؤں کے مندروں
تتھا ان کی مورتیوں کو تڑوانا اور مسلمان بنانا آرمبھ کر دیا۔ . . . اور ہندوؤں کے ساتھ بڑے اتیاچار کئے گئے۔
. . . (اورنگ زیب نے) نہ کیول ہندوؤں کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کئے گئے ورن (بلکہ) صوفی
تتھا شیعہ مسلمان بھی اتیاچار سے بچ نہ سکے۔"

ص: ۲۵۴: پہلا پیراگراف: ص: ۷ اور ۸ :- " وستوکلا (فن تعمیر) سے اورنگ زیب
کو کوئی وشیش پریم (خاص لگاؤ) نہ تھا، پرنتو چونکہ مسجدوں کا بنوانا پرتیک مسلمان کا کرتویہ ہے۔ اتیو اس نے
ہندوؤں کے مندروں کو دھوست کرا کر مسجدیں اور خیے (مزار) بنوائیں۔"

ص: ۲۶۷: پہلا پیراگراف: ص: ۹ سے ۱۱ :- " جب اورنگ زیب دھرماندھ ہو کر ہندوؤں

کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کر رہا تھا۔ اس کے ان اتیاچاروں سے ہندوؤں میں بھیانک پرتی کریا آرمبھ کر دی۔ (خوفناک ردعمل شروع کر دیا)۔"

ص: ۲۶۸: پہلا پیراگراف: س: ۷، ۸ اور ۹:۔ "وہ (شیواجی) ہندو دھرم کے رکھشک کے روپ میں میدان میں اتر آیا اور مسلمانوں کے ورودھ اس نے جہاد (دھرم یدھ) کی گھوشنا کر دی۔"

ص: ۲۷۱: س: ۸ سے ۱۱: "شیواجی کا مغلوں سے سنگھرش":۔ "چونکہ اورنگ زیب ایک کٹر سنی مسلمان تھا اور ہندوؤں کو بڑی گھرنا (نفرت) کی درشٹی سے دیکھتا تھا، (شیواجی) اپنے سامراجیہ کی سیما (سرحد) پر وہ ایک سوتنتر (آزاد) ہندو راجیہ کا وکاس (ترقی) اسہن نہ کر سکا (برداشت نہ کر سکا)۔ ۔ ۔ ۔ اورنگ زیب کی ہندو ورودھی نیتی کے پھل سوروپ مہاراشٹر میں بھی بھیانک پرتی کریا آرمبھ ہو گئی۔ مراٹھوں نے شیواجی کے نیترتو (قیادت) میں سمپورن بھارت میں سوتنتر ہندو سامراجیہ کے استھاپت کرنے کا نشچے کر لیا۔"

نوٹ: شیواجی مراٹھا راجیہ قائم کرنا چاہتا تھا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ ہندو راجیہ قائم کرنا چاہتا تھا۔

ص: ۲۷۳: پہلا پیراگراف: س: ۲-۳:۔ "شیواجی اورنگ زیب کی ہندو ورودھی نیتی سے کھن ہو رہا تھا (ناراض ہو رہا تھا)۔"

ص: ۲۷۷: پہلا پیراگراف: س: آخری ۳ سطریں:۔ "شیواجی نے ان نوجوانوں کو سنگٹھت (منظم) کیا اور ہندو سامراجیہ کی استھاپنا کرنے میں انھیں لگا دیا۔"

ص: ۲۷۷: پیراگراف ۳-۴: س: ۲، ۳ اور آخری ۳ سطریں:۔ "شیواجی ہندو جاتی تتھا ہندو دھرم کے رکھشک (محافظ) کے روپ میں سوتنتر ہندو راجیہ کی استھاپنا کرنے کے لیے رن چھیتر میں اترے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ہندو سوراجیہ کا جو نعرہ شیواجی نے لگایا تھا وہ مسلمانوں کے ورودھ بڑا سپھل سدھ ہوا۔"

ص: ۲۸۱: آخری پیراگراف: س: ۴ سے ۸:۔ "جس پر (شیواجی) بھارت کی ہندو جنتا سدیو (ہمیشہ) گرو (فخر) کرے گی۔ ۔ ۔ ۔ ہندو اپنی سوتنترتا (آزادی) کھو چکے تھے۔ اور ان کے مندروں تتھا تیرتھ استھانوں کو نشٹ کر دیا گیا تھا۔"

ص: ۲۸۲: پیراگراف: س: ۱، ۵ اور آخری: "دکھن کے پربل (طاقت ور) ہندو راج سماپت ہو گئے تھے اور مسلمانوں کا آتنک (خوف) سروتر (چاروں طرف) ویاپت تھا۔ ۔ ۔ ۔ شیواجی نے ان پرستھتیوں سے لابھ اٹھایا اور ہندو جاتی کے مستک کو اونچا اٹھایا۔ ۔ ۔ ۔ سمپورن بھارت میں ہندو بادشاہی کو استھاپت کرنا تتھا ہندو دھرم کی

رکھشا کرنے کا نشچے کر لیا۔"

ص: ۲۸۵ : س : ۴ سے ۷ تک :- " اس پرکار شیواجی نے اس بات کو سدھ کر دیا کہ ایک بار پھر سمپورن بھارت میں ہندو بادشاہی . . . کی استھاپنا کی جا سکتی ہے۔ یہ شیواجی کی اپورو دین ہے جو آج بھی ہندوؤں میں نوجیون کا سنچار کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔"

ص: ۲۸۵ : دوسرا پیراگراف : س : ۹، اور ۱۰ :- " جب اورنگ زیب ہندوؤں کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کر رہا تھا۔ . . .

نوٹ :- اورنگ زیب اور شیواجی کی جنگ کو ہندو مسلم جنگ بنا دیا گیا ہے۔ جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ رعایا میں ہندو مسلم تعصب کا کہیں بھی وجود نہیں تھا۔ اورنگ زیب کی فوج میں جہاں ہندو تھے وہیں شیواجی کے فوج میں مسلمان تھے۔ اورنگ زیب کی فوج کا سپہ سالار ہندو اور شیواجی کے توپ خانہ کا کمانڈر مسلمان تھا۔

ص: ۲۸۶ : دوسرا پیراگراف : س : ۴ سے ۶ :- " اور ہندو جنتا اورنگ زیب کے اتیاچاروں سے تراہ تراہ کر رہی تھی۔ دکھن بھارت میں وجے نگر کے ہندو راج کے ختم ہو جانے سے ہندو راج کا نام و نشان نہ رہ گیا۔"

ص: ۲۸۷ : پیراگراف : ۱ : آخری چار سطروں میں :- " شیواجی نے ہندو جاتی، ہندو دھرم، ہندو ریتی رواج اور پرمپراؤں کی رکھشا کی اور ہندو راشٹر کی پُنر استھاپنا کی (ہندو قومیت کو پھر سے قائم کیا) واستو (حقیقت) میں سر جادو ناتھ سرکار کے لفظوں میں " وہ بھارت کا آخری ہندو راشٹر نرماتا تھا، جس نے ہندوؤں کے مستک کو ایک بار پھر اونچا اٹھایا۔"

ص: ۲۸۸ : س : ۶ سے ۹ :- " ۱۶۸۸ء میں مغل افسر شیخ نظام نے سمبھاجی اور ان کے ساتھیوں کو سنگمیشور نام کے مقام پر قید کر لیا۔ یہ لوگ اورنگ زیب کے سامنے لائے گئے اور چندرہ دنوں کے کرور (بے رحمی) ویوہار کے بعد اُن کو قتل کر دیا گیا۔"

ص: ۳۰۲ : تیسرا پیراگراف : آخری سات سطروں میں :- " اورنگ زیب اپنی ہندو ورودھی نیتی کا چکر چلا رہا تھا۔ اس نے سکھوں کے مندروں کو بھی گرانا آرمبھ کر دیا اور ان لوگوں کو نگروں سے نکال باہر کر دیا جو سکھوں سے گرو دکھشنا (نذرانہ) وصول کرتے تھے۔ . . . اورنگ زیب نے

انھیں (گرو تیغ بہادر) دلی بلوایا، اور اسلام قبول کرنے کے لئے کہا۔ گرو نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کئی طرح کی تکلیفیں دینے کے بعد ۱۶۷۵ء میں ان کا بدھ (قتل) کروا دیا گیا۔"

ص: ۱۰۹: "وہابی آندولن (تحریک):- " اپنی تنگ نظری کی وجہ سے انھوں نے (سید احمد بریلوی) انگریزی تہذیب اور انگریزی تعلیم کی مخالفت کی۔ وہ ہندو مسلم ایکتا کے مخالف تھے اور ہندوؤں کو کافر کہتے تھے۔ واستو میں (حقیقت میں) وہ مسلمانوں کا راجیہ قائم کرنا چاہتے تھے۔"

ص: ۱۱۰: ص: ۶ سے ۸ اور آخری تین سطریں: علی گڑھ آندولن (علی گڑھ تحریک)۔

"سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ برٹش سرکار کے ساتھ سہیوگ (تعاون) کرنے میں ہی ان کی بھلائی ہے۔ ہندوؤں سے چپکے رہنے میں ان کا کلیان (فائدہ) نہیں ہے۔

راجنیک چھیتر میں انھوں نے مسلمانوں کو انگریزوں کے نزدیک لا دیا لیکن ہندوؤں سے انھیں دور ہٹا دیا۔ ان کی یہ سوجھ میکا (طرز عمل) دیش کے لیے بڑی گھاتک سدھ ہوئی۔ (بڑی نقصان دہ ثابت ہوئی)۔

جناب جمال محمد صدیقی

ہیڈ، شعبۂ تاریخ و سنٹر آف اڈوانسڈ اسٹڈی
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

تاریخ کی ایک فرقہ وارانہ تاویل

گورو گاتھا کا ایک نفسیاتی مطالعہ

اس مقالے میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ گورو گاتھا پر تبصرہ کیا جائے۔ یہ تاریخ کی مشہور درسی کتاب ہے۔ بغیر کسی ابہام کے اس کے مصنف تیج پال سیٹھی نے طلبا کو اپنا پیغام پہنچایا ہے۔ مصنف نے ایک خاص قسم کے سیاسی فلسفے کو طلبا کے دماغ تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ ان کے طریقۂ فکر نے ہندستانی تاریخ کے سلسلے میں عوامی فہم کو تہ وبالا کر دیا ہے۔ ہر چند کہ کتاب کے نام سے ہم یہ نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تاریخ کی کوئی درسی کتاب ہوگی۔ گورو گاتھا، کے معنی ہیں عظمت و سلطنت کے قصے۔ لیکن مصنف کے خیال میں ہندستانی تاریخ محض ہمارے پرکھوں کے مہتم بالشان قصے ہیں۔ ہمارے پرکھوں سے ہمیں اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ وہ صاف صاف ایک خاص فرقے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ وہ سارے ہندستان کے متعلق ایسی بات نہیں کر رہے ہیں۔ موجودہ نسل کے وجدان اور ان کے تجدید ثبات کے قصے کی پیشکش اس مصنف کے خاص مقاصد ہیں اور اسی کام کے لیے انھوں نے تاریخ کو توڑا مروڑا ہے تاکہ اس بات کی تائید ہو سکے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ درسی کتاب جو نصاب میں داخل ہے کم سن طلبہ کیلیے لکھی گئی ہے۔ نفسیاتی طور پر اس عمر کے بچوں میں اپنے اردگرد کی سبھی اچھی اور بری باتوں کو جذب کرنے کا مادہ ہوتا ہے۔ ان کے دماغ کی تختی پر جو اس کتاب کی سطروں، مضمونوں، خاکوں اور سوالناموں کی جو مہر لگے گی مستقبل میں ان کے عادات و اطوار پر اس کے بڑے دور رس نتائج ثبت ہوں گے۔ ہر چند کہ تاریخ نویسی کے کسی بھی معیار سے یہ تاریخ کی درسی کتاب نظر نہیں آتی۔ تاہم یہ تاریخ کی ایک ایسی درسی کتاب ہے جو یوپی بھر کے نصاب میں داخل ہے چنانچہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس پر توجہ نہ دی جائے۔

---

[1] تیج پال سیٹھی، گورو گاتھا، سرسوتی شیشو مندر پرکاشن لکھنؤ ۱۹۹۹ء۔ یہ تاریخ کی درسی کتاب ہے جو سرسوتی شیشو مندر، پرائمری اسکول، یوپی کے پانچویں درجات کے نصاب میں داخل ہے جو کہ پرائیوٹ ادارہ ہے جو آر۔ ایس۔ ایس کے انتظام میں چلتا ہے۔ اس کتاب میں کل ستره ابواب ہیں۔ پہلے آٹھ ابواب ہندستانی تاریخ کے قدیم دور سے بحث کرتے ہیں اور بقیہ نو عہد وسطیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو کہ اس مضمون کا خاص موضوع ہے۔

اس کتاب میں تفصیل سے ہندوستانی تاریخ کے فرقہ وارانہ نظریات کے بنیادی عناصر کو شامل کیا گیا ہے۔ رسول اکرم محمدؐ کے اصول ماننے والوں کے متعلق جنھوں نے ان کے وصال کے بعد ان کے مشن کو آگے بڑھایا وہ لکھتا ہے: "وہ جہاں بھی گئے شمشیر بکف گئے۔ ان کے ماننے والوں کی فوج نے ہر سمت میں طوفانوں کی طرح یلغار کی۔ ان کی راہ میں جو ممالک آئے انھیں انھوں نے تہ و بالا کر دیا، عبادت گاہیں اور دانش کدے روند ڈالے گئے، کتب خانے جلا دیے گئے، نیز مذاہب کی دینی کتابیں پامال کر دی گئیں۔ ماؤں اور بہنوں کو پریشان کیا گیا۔ ان کے دلوں میں ہمدردی اور انصاف کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔"

یہ پہلا اس تعارف اسلام اور اہل اسلام کا ہے۔ یہ فرقہ وارانہ تعصب ظاہر ہے کہ اس مقصد سے پیش کیا گیا ہے تاکہ قاری پر یہ اثر قائم کیا جائے کہ غیر رواداری تاراجی اور عیاشی یہ خاصیتیں جبلی طور پر اسلام پر ایمان لانے والوں کے اندر موجود تھیں۔ مصنف نے رسول اکرم محمدؐ پر بہتان تراشی سے گریز کیا ہے۔

کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ عثمان وہ پہلے کمانڈر تھے جن سے ہندوستان کی جانب پیش قدمی کرنے کی غلطی سرزد ہوئی۔ عرب خلیفہ سے اس کمانڈر کی بری طرح شکست ہوئی۔ چاچا نے جو سندھ کا برہمن راجہ تھا اپنی تیز تلوار سے ان کا استقبال کیا۔ پہلے ہی حملے میں ان کا سر غلہ کی بالی کی طرح کاٹ دیا گیا۔ ان کا بغیر سر کا جسم زمین پر تڑپ رہا تھا اور ان کی فوج کو کچل دیا گیا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عثمان دیبل کے نزدیک ایک جھڑپ میں چاچ کی فوج کے ہاتھوں مارے گئے۔ لیکن یہ لڑائی سندھ کی تاریخ میں کوئی فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ مصنف نے اس واقعہ کو بڑھا چڑھا کے پیش کیا ہے۔

اگلے ستر سال کے واقعات کے متعلق لکھتے ہوئے مصنف یہ بیان کرتا ہے: "یہ بڑی دانشمندی ہوتی اگر اس ذلت آمیز برتاؤ کے بعد انھیں (مسلمانوں کو) حالات کا صحیح اندازہ ہو جاتا لیکن وہ جو کسی قسم کا احساس نہیں رکھتے، ان پر کسی عمل کا کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ حریص حملہ آور تھے۔ اگلے ستر برسوں تک انھیں سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بعد ازیں محمد بن قاسم نے سندھ کے علاقے پر حملہ کیا۔ اس وقت راجہ داہر اس علاقے کا حکمراں تھا۔ برہمن آباد میں ایک بھیانک جنگ لڑی گئی۔ ایک جانب وحشی لٹیرے تھے اور دوسری جانب آزادی کے متوالے۔ راجہ داہر کو شکست دیکر قاسم اس کے دارالسلطنت میں داخل ہوا۔ سارا شہر شمشان بھومی بنا ہوا تھا۔ ان کے فوجیوں نے لوٹ مار اور قتل و غارتگری شروع کر دی۔ مصنف آگے ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح خلیفہ کے حکم سے محمد بن قاسم کو کتے کی طرح مار دیا گیا تھا اور یہ نتیجہ سوریہ دیوی اور پرمیلا دیوی کی سازش کا تھا جو کہ راجہ داہر کی لڑکیاں تھیں وہ مال غنیمت کے طور پر لائی گئی تھیں۔ مصنف نے اپنے بیان کو ایک تصویر کے ذریعے پیش کیا ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ قاسم زمین پر پڑے ہیں اور دونوں بہنیں ان کی لاش کے نزدیک کھڑی اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہیں۔ اس نقش پر جو سرخی لگائی گئی ہے وہ ہے "پراز مسرت سوریہ اور پرمیلا محمد بن قاسم کی لاش پر۔" مصنف

نے تاریخی واقعات کو خاصا مسخ کیا ہے۔ چاچ نامہ کی غلط پیش کش نے محمد بن قاسم کی موت کو سوریہ دیوی اور پرمیلا دیوی کی سازش کا افسانہ بنا دیا ہے۔ بلاذری جو کہ اس دور کے مستند مورخ ہیں اس واقعے کو محمد بن قاسم کی موت کا سبب نہیں بتاتے۔ پروفیسر کے۔ ایس لعل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے شہریوں کو قتل عام سے بچایا! اس کی کتاب کے، جو کہ سندھ کے حملے سے متعلق ہے۔ ذیلی عنوانات میں سے ایک عنوان ہے: قاسم کی حکمت عملی مذہبی رواداری کے سلسلے میں: وہ مزید لکھتے ہیں کہ راجہ داہر ایک غیر مقبول حکمراں تھا۔

اگلے باب میں جو کہ محمود غزنی کے بیان میں ہے۔ مصنف لکھتا ہے: جب وہ تخت پر بیٹھا تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک وہ پورے ہندستان کو طاقت کے زور پر مسلمان نہ کر دے۔ وہ اپنے اس منصوبے کو پورا کرنے کے لیے ارذل ترین سطح پر گر جانے کو تیار تھا۔ سومناتھ کے مندر کو لوٹنے میں اس کا کچھ اور بھی مقصد تھا، چونکہ وہ بت پرستی کا مخالف تھا اسلیے اس نے اپنا یہ فرض سمجھا کہ دوسرے مذہب کے دیوی دیوتاؤں کے بت کو توڑ پھوڑ دیا جائے۔"

بت پرستی پر ایمان نہ رکھنا اور بات ہے اور بت شکنی حقیقی طور پر دوسری بات ہے۔ وہ ایک دوسرے کا منطقی نتیجہ نہیں ہیں۔ مصنف ہمیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے کہ مسلمان جو بت پرستی پر یقین نہیں رکھتے وہ عقیدتاً بت شکنی کو جائز سمجھتے ہیں۔ محمود غزنی نے اپنے شیوۂ بت شکنی سے اسلام کو بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن محمود کے ان کرتوتوں کی سزا ایک مخصوص فرقے کو کیوں دی جائے، کیوں انھیں ملعون کیا جائے اور مجموعی طور پر ایک خاص فرقہ کے احساسات کو کیوں مجروح کیا جائے۔

رائے پتھورا (پرتھوی راج چوہان) اور شہاب الدین کی جنگ کے متعلق مصنف ہمیں بتاتا ہے کہ "غزنویوں کی ٹوٹ پھوٹ کے بعد کئی ایک آزاد قبیلے ابھر کر سامنے آئے ان میں ایک دھوری بھی تھی۔ (مصنف یہ سمجھتا ہے کہ غوری دھوری کی بگڑی ہوئی شکل ہے)، ان لوگوں کو زبردستی مسلمان بنا لیا گیا ہے۔ ہندو انھیں غلطی سے ان کے پرانے دھرم پر واپس نہیں لا سکے اور ان کی شدھی نہیں کر سکے۔ اسی واسطے وہ ہندوؤں کے کٹر دشمن ہیں۔ اسی پیراگراف میں شدھی کا پیام خاصا واضح ہے۔

شہاب الدین غوری کے متعلق وہ لکھتا ہے۔ غوری نے کاشی نگری پر حملہ کیا اور کاشی جل کر راکھ ہو گئی، لاکھوں آدمی مارے گئے۔ مندروں کو مسمار کر دیا گیا اور کاشی میں وشوناتھ کا مسمار شدہ مندر اور متھرا میں کرشن جی کے جنم استھان کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔ آج تک وہ کھنڈرات درندہ صفت بیرونی حملہ آوروں کی کہانی سناتے ہیں۔ مصنف ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ غوری کو نابینا پرتھوی راج نے چوہان حکمرانوں کے درباری شاعر چاند باردائی کے اشارے پر اپنے تیر کا نشانہ بنایا۔ قطع اور انتقام کا پیغام متذکرہ بالا بیان میں خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ ان بیانات سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ان ہندوؤں کو بحال کرنے کی بات کی جا رہی ہے۔ جس سے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اور مختلف فرقوں کے درمیان تناؤ پیدا ہوتا

ہمعصر مورخوں کے مطابق جن میں منہاج، حسن نظامی اور بعد کے دنوں میں عصامی بھی ہیں۔ رائے پتھورا سرسوتی کے نزدیک ترائن کی دوسری جنگ میں مارا گیا اور اجمیر کا علاقہ اس کے لڑکے کے سپرد کیا گیا تھا۔ شہاب الدین غوری کو کھوکر باغیوں نے مارچ ۱۲۰۶ء میں دمیک کے مقام پر مارا تھا۔

مصنف کے الفاظ میں قطب الدین ایبک کی تخت نشینی کے بعد اگلے سوا تین سو سال کی تاریخ "مسلسل ظلم واستبداد کی تاریخ ہے۔ دشمنوں نے ہر سمت خوف اور دہشت کا راج قائم کر دیا۔ لوگوں کو تلوار کی نوک پر مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا۔ کروڑوں تہ تیغ کر دیے گئے۔ مندر اور یادگار عمارتیں مسمار کر دی گئیں۔ خوفناک مظالم کے سبب جو ہر چہار طرف بپا تھے، عوام کے دلوں میں دہشت سی بیٹھ گئی۔" قطب مینار کے متعلق مصنف لکھتا ہے۔ "یا اس نے (قطب الدین ایبک) تعمیر نہیں کرایا تھا، وہ تو اس طرح کے مینار کی تعمیر کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ دراصل سمندر گپت نے تعمیر کروایا تھا۔ اور اس کا اصل نام وشنو استمبھ تھا۔"

قطب الدین کی تعمیر کے سلسلے میں مصنف پی۔ این۔ اوک آگے کی بات نہیں کہہ سکا ہے۔ جب دہلی کی تاریخی عمارتیں جنھیں سلاطین دلی یا مغل حکمرانوں نے بنوایا تھا انھیں کسی قدیم حکمراں کے نام سے منسوب کرنا بھی ایک پسندیدہ موضوع ہے' ان لوگوں کا جو تاریخ نویسی میں فرقہ وارانہ عصبیت کو راہ دیتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھیں ان صنائی کی مبادیات کا بھی علم نہیں ہے۔ قرون وسطیٰ کی جو بھیانک تصویر مصنف نے کھینچی ہے وہ اس کے تخیل کا کمال ہے۔ پروفیسر حبیب نے سائنٹفک انداز سے ان عوامل کا تجزیہ کیا ہے۔ انھوں نے بڑی سچی بات کہی ہے کہ "انتظامیہ کی نچلی اسامیاں پورے طور پر ہندوؤں کے ہاتھوں میں رہیں چنانچہ یہ ہندو ہی تھے جنھوں نے ترکوں کی حکومت کے قیام میں ان کی مدد کی اور وہی اس کا نظم ونسق کرتے تھے۔ اگر ان کی مدد نہ ہوتی تو ترک بہت تھوڑی سی مدت ہندوستان میں گزارتے۔ وہ آگے کہتے ہیں: "ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ اندازہ لگایا جائے کہ ریاست خود بڑے پیمانے پر ہندوؤں کو مسلمان بنا رہی تھی اور نہ یہ کہ غلبے میں انھوں نے کوئی پُرجوش قدم اٹھایا ہو تبلیغ دین کا۔ منطقی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تعداد میں وہ اتنے ہی تھے جتنا کھانے میں نمک ہوتا ہے۔ ترک یا مغل کیا ایک ایسی حکمت عملی پر قائم رہ سکتے تھے جو ہندو عوام سے مستقل دشمنی اور تنازعہ کی پالیسی ہو ہندو جو ان سے تعداد میں کئی گنا زیادہ تھے۔"

ہیمو وکرمادتیہ کے متعلق مصنف لکھتا ہے۔ "اکبر کے عہد میں ہیمو نام کا ایک بہادر شخص سامنے آیا۔ وہ بڑا جنگجو تھا پہلے اس نے دلی میں بھی کام کیا تھا۔ اس نے بیرونی دشمنوں کو نکال باہر کرنے کا عہد مصمم کیا تھا۔ مناسب موقع دیکھ کر اس نے دلی پر حملہ کیا۔ مغل فوج ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ وہ بد دل ہو کر بھاگ گئی اور دلی آزاد ہو گئی۔ بھگوا جھنڈا ایک بار پھر دلی

کی فضاؤں میں آب و تاب کے ساتھ لہرایا تھا۔" مصنف نے اس حکمراں کا نام نہیں دیا جس کی ماتحتی میں ہیمو نے دہلی میں رہ کر خدمت انجام دی تھی۔ اس سے قبل ہیمو نے ایک ذی اثر وزیراعظم کی حیثیت سے محمد شاہ عادل سور (۵۵-۱۵۵۳ء) کے دربار میں نوکری کی تھی۔ کم از کم ہیمو کے نزدیک سبھی مسلمان بیرونی دشمن نہیں تھے۔ ہیمو کی فوج جس نے دہلی میں مغل فوج کو منتشر کر دیا تھا اس میں ایک بڑی تعداد میں افغان فوجی بھی شامل تھے۔ مبارک خاں بہادر خاں شادی خاں اس کی فوج کے اہم ونگ کمانڈر تھے۔ شادی خاں مگر بھی پانی پت کی لڑائی میں مارا گیا۔

اکبر کے متعلق مصنف لکھتا ہے "وہ نظر آ میار تھا۔ اور اس کی اس عیاری سے بہت سے حکمراں اس کے جال میں پھنس گئے تھے۔ لیکن ایک ایسا کو وہ بیوقوف نہیں بنا سکا۔ وہ مہارانا پرتاپ تھا۔ یہ نہیں بھولا تھا کہ اکبر بالآخر ایک بیرونی حکمراں ہے۔ انھیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اکبر ملائم لہجے میں گفتگو کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ بیرونی حکمراں تھا۔"

مصنف اپنے فرقہ وارانہ تعصب کا تاریخ کے مسخ شدہ واقعات کے ذریعے پرچار کرتا ہے۔ ہلدی گھاٹی کی جنگ کے متعلق مصنف لکھتا ہے "ہلدی گھاٹی میں ایک بھیانک جنگ لڑی گئی۔ اکبر اپنی حکمت عملی میں کامیاب ہوا۔ وہ بڑا تیز آدمی تھا۔ اس مہم کی کمان اس نے اپنے لڑکے سلیم کو سونپی تھی۔ اسے مان سنگھ پر بھروسہ نہیں تھا۔ مان سنگھ اکبر کا ایک ادنیٰ نوکر تھا۔ میدان جنگ میں فوجیوں نے سلیم سے پوچھا۔ "شاہزادے فوج میں دونوں جانب راجپوت ہیں ہم کسے ماریں؟" سلیم نے جواب دیا، "کسی کو بھی مارو فتح ہماری ہوگی۔ سلیم، دوست اور دشمن کی عمدہ پرکھ رکھتا تھا۔"

تاریخی واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکبر اور مہارانا پرتاپ کی جنگ میں کسی مذہبی معاملے کا دخل نہ تھا۔ یہ محض دو حکمرانوں کی شاہی انا کی جنگ تھی۔ یعنی اکبر اور میواڑ کے رانا کی۔ ہلدی گھاٹی کی جنگ کا تجزیہ کرنے کے بعد ہمیں پروفیسر ایل سری واستو کا بیان صحیح نظر آتا ہے۔ "اس بات کا کوئی محل نظر نہیں آتا ہے کہ مغل دربار میں رانا کی ذاتی حاضری پر زور دیا جائے خاص طور پر اس حالت میں کہ اس نے اپنے بڑے لڑکے امر سنگھ کو آگرہ بھیج دیا تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ اکبر کی فرمانروائی کو تسلیم کر لیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی نہیں ہونی چاہیے کہ اکبر کے لڑکے اور اس کے ولیعہد جہانگیر نے رانا کے جذبات کا خیال کیا اور اس کی ذاتی شرکت پر اصرار نہیں کیا۔

مسلم حکمرانوں کو خون پرگے کے طور پر پیش کرنے کے لیے اور بالواسطہ طریقہ پر اپنے قاری کو یاد دلانے کے لیے کہ مسلمان ان کے پرانے اور کٹر دشمن ہیں، مصنف نے تاریخ کے آداب کو اپنی دشنام طرازی کا نشانہ بنایا ہے۔ ہم لوگ ان تاریخی ماخذوں کی صداقت کے سلسلے میں کوئی سوال نہیں اٹھائیں گے جن کا تعلق سلیم اور مسلمان فوجیوں کے مابین مکالمے سے ہے۔ لیکن اس بات کی نشاندہی کرنا از بس ضروری ہے کہ ہلدی گھاٹی کی جنگ کے وقت (جون ۱۸، ۱۵۷۶ء) شہزادہ

سلیم کی عمر (تاریخ پیدائش ۳۰ اگست ۱۵۶۹ء) مشکل سے سات برس کی تھی۔ فوج کا پورا انتظام اکبر نے راجہ مان سنگھ کو سونپا تھا۔

زیر تبصرہ کتاب میں عہد وسطیٰ کے مسلمانوں کی حکومت کو ہر جگہ بیرونی حکومت کہا گیا ہے۔ آٹھ سو سال کی غلامی؟ یا ایک مبالغہ آمیز فقرہ ہے جو عام طور پر مستعمل ہے۔ مسلم عہد حکومت کو ہندوستانی تاریخ کا تاریک ترین اور بنجر ترین دور بتایا جاتا ہے۔ وہ میلا تھا پرستی ہیں۔ اگر آج کی فرقہ پرستی کے نظریے کو پرکھا جائے تو ہم سیدھے اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ انھیں اس کی عقلی تائید تاریخی ماضی سے حاصل ہوتی ہے۔

میں یہاں تاریخ کی تاویل کی کچھ اور مثالیں مختلف مصنفوں کے یہاں سے پیش کروں گا۔

(۱) گرو ارجن دیو کو جہانگیر نے مروا دیا کیونکہ انھوں نے ان کے باغی لڑکے دارا شکوہ کو امان دی تھی۔ (؟) (۲) بھائی متی داس کو آرے سے چروا دیا گیا۔ سوچیے کتنی تکلیف انھیں ہوئی ہوگی۔ (۳) قوم غلامی کی زنجیر کو توڑنے کے لیے بے قرار ہوگئی۔ غیر ملکیوں کے ننھے منے ظالم اب انھیں محکوم نہیں بنا سکتے تھے۔ (۴) آزادی کی جنگ ہمارے لیے مذہبی جنگ بن گئی۔ (۵) اپنے دھرم کی رسوائی کا سوال ہے۔ سن کر کر گائیں اور برہمن ذبح کیے جا رہے ہیں، مندروں کو توڑا پھوڑا جا رہا ہے، ماؤں اور بہنوں کو ذلیل کیا جا رہا ہے۔ ان کے (شیواجی کے) جسم کی مچھلیاں غصے میں سخت ہوگئیں۔

اوپر میں نے کچھ مثالیں کتاب کے آخری چار ابواب سے پیش کی ہیں۔ ایک منتخب جوابی سوالوں کا ہے جو ابواب میں درج شدہ سوالناموں سے حاصل کیے گئے۔ یہاں ان کی پیشکش بے محل نہیں ہوگی۔ ان سے مصنفین کے نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) پہلے مسلمان حملہ آور کا نام تھا ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۳۳ (خالی جگہ کو پر کیجیے) (۲) کس کے عہد میں ملک کو دشمنوں کی فوج بھی ہاتھ نہیں لگا سکی تھی۔ ۳۵ (۳) نقشے پر دکھاؤ، قنوج، متھرا اور کاشی ۳۶۔ (۴) سومناتھ کا انتظام کس نے لیا؟ ۳۷ (۵) نظم بتاؤ میں ۳۸۔ (الف) آرے سے کسے چیر اگیا تھا (۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔) (ب) کسے قتل کیا گیا تھا (۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔) (ج) کسے دیوار میں چنوا دیا گیا تھا (۔۔ ۔۔ ۔۔) (د) کس کے منہ میں اس کے بیٹے کا گوشت ٹھونس دیا گیا تھا (۔۔ ۔۔ ۔۔) (ہ) کس کے سر پر گرم تیل انڈیلا گیا تھا (۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔)

تاریخ میں اس قسم کے اشتعال انگیز بیان سے بچوں کے ذہن پر ایک خاص قسم کے اثرات مرتب ہوں گے۔ کل ہند ہسٹری کانگریس (۱۹۶۱ء منعقدہ دہلی) کے ایک سمپوزیم سیشن میں جس کا موضوع تھا قومی یکجہتی کے حل میں ہندوستانی تاریخ دانوں کی خدمات — پروفیسر عرفان حبیب نے بتایا کہ جب اسکول سے یونیورسٹی کے اعلیٰ مدارج تک ہمارے نوجوانوں کو ماضی کی غلط کاریوں کے قصے جو خاموشی سے انتقام کی باتیں کرتے ہیں سنائے جائیں گے تو پھر یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہوگی کہ آج

بھی ہمارے ملک میں اقلیتوں کا قتل عام ہوتا ہے۔[39] ۱۹۶۱ء میں ممکن ہے کہ خاموشی سے انتقام کی آواز بلند کی جاتی ہو لیکن آج ۱۹۸۸ء میں یہ آواز بے حد بلند ہو گئی ہے۔

عہد وسطیٰ کے کچھ تاریخی مآخذ کی جھلکیوں کو ترجمہ کرنے اور انھیں ترتیب دینے کا مقصد اور ۱۸۴۹ء میں مسلمان حکمرانوں کی غلط کاریوں کو پیش کرنے میں جو ایلیٹ کا مقصد تھا، وہ آج بالکل سمجھ میں آجاتا ہے۔[40] لیکن گورو گاتھا کے مصنف کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ فرقہ وارانہ جنون کا ابھرنا لازمی ہو جائے جو کہ مصنف کی دلی خواہش ہے۔

پروفیسر محمد حبیب کے بیانات جو ان کے مقالے 'سر ہنری ایلیٹ' میں درج ہیں، آج بھی ہمارے حالات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "ماضی ہماری پہنچ سے باہر ہے، ہمیں جس کی فکر ہے وہ آج ہے اور آنے والا کل ہے"۔ فرقہ وارانہ امن و امان قائم رکھنے کیلیے یہ ضروری ہے کہ تاریخ کی ایسی دیسی کتابوں پر پابندی لگا دی جائے۔

حوالے:

(۱) بپن چندر صحیح کہتے ہیں کہ "درحقیقت اس امر میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ تاریخ کی فرقہ وارانہ تاویل ہی ہندستان میں فرقہ پرستی کا خاص نظریہ ہے۔ اس کے بغیر فرقہ وارانہ نظریے کی تحویل میں کچھ بھی نہیں رہ جائے گا۔"
Communalism in Modern India, Vani Educational Books, Delhi, 1984, p.209.

(۲) کانپور کے فسادات کے لیے جو انڈین نیشنل کانگریس نے ایک انکوائری کمیٹی بنائی تھی اس نے ۱۹۳۲ء میں اپنی رپورٹ کے پیش لفظ میں اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ عہد وسطیٰ کی تاریخ میں جو فرقہ وارانہ رجحان اسکول کی تاریخی کتابوں اور دوسری تاریخی کتابوں میں ملتا ہے، وہ ایک خاص کردار ادا کر رہا ہے دونوں فرقوں کو مضبوط بنانے میں
ملاحظہ ہو بپن چندر Op.cit. صفحات ۲۳۵–۲۱۴ (۳) ملاحظہ ہو بپن چندر Op.cit., p.211. (۴) گورو گاتھا صہ ۵۳–۵۲ (۵) ایضاً (۶) ایضاً صہ ۵۳ (۷) ایضاً صہ ۵۵–۵۳ (۸) Early Muslim in India, Books and Books Publishers, New Delhi, 1984, pp.21-23, 50. (۹) گورو گاتھا صہ ۵۹–۵۰ (۱۰) غزنی کے قاضی نے سلطان مسعود سے ایک ہونے کے بت کا نذرانہ لینے سے انکار کر دیا کیوں کہ جو جنگیں اس کے والد سلطان محمود نے کی تھیں وہ رسول اکرم کے تصور جہاد سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔ پروفیسر محمد حبیب 'The Urban Revolution in Northern India' Politics and Society During the Early Medieval Period, collected works of Prof.Md.Habib, ed. by Prof.K.A. Nizami, Peoples Publishing House, Delhi, 1974, Vol.I, p.60.

گوروگا تھا، ص ۶۳ (۱۲) ایضاً ص ۶۰ مصنف اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ مذہبی مقامات کو مسمار کرنا رسول اکرمؐ کی تعلیمات میں داخل نہیں ہے۔ وہ لکھتا ہے "اگر رسول اکرمؐ زندہ ہوتے تو وہ اس عمل کی صد درجہ مذمت کرتے۔" (۱۳) ایضاً ص ۶۸-۶۹۔

(۱۴) اس قسم کی تحریروں سے متاثر ہو کر بہت پہلے ۱۹۶۳ء میں راجستھان کے تین مشہور پروفیسروں نے بشمول جی۔ سی۔ پانڈے نے برسرعام یہ مطالبہ کیا تھا کہ مسلمان رضاکارانہ طور پر سومناتھ کی کم از کم جزوی مرمت کیلئے فنڈ جمع کریں تاکہ تاریخی تلافی ہو سکے۔ اس مذہبی تنگ نظری کی جس میں ان کے پرکھے بھی شامل تھے۔ ملاحظہ ہو بپن چندر، op.cit., p.226n.41.

(۱۵) A Comprehensive History of India, Vol.V. مولفہ پروفیسر محمد حبیب اور پروفیسر خلیق احمد نظامی، پیپلز پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۷۰ء، ص ۱۹۵-۱۹۶ (۱۶) ایضاً ص ۱۶۹ کے۔ ایس لال op.cit. ص ۴۶۔

(۱۷) گوروگا تھا، ص ۲۰، ۴۲۔ (۱۸) ایضاً ص ۴۳ (۱۹) دیکھئے Romila Thapar, Communalism and the Writing of Indian History, P.P.House, Delhi, 1984, pp.1-23.

(۲۰) دیکھئے 'MEDIEVAL INDIAN HISTORY AND THE COMMUNAL APPROACH, PP 28-58 VIDE. IBID.

(۲۱) ایک بار علماء کا ایک وفد التتمش کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ کچھ سخت گیر رویہ اختیار کرے۔ التتمش نے اپنے وزیر نظام الملک جنیدی سے کہا وہ علماء سے اس کا جواب دے دیں۔ وزیر نے کہا لیکن ابھی ہندوستان کچھ ہی دن پہلے فتح ہوا ہے اور اس وقت مسلمان اتنی تعداد میں ہیں جیسے کھانے میں نمک ہو۔ اگر اس قسم کے احکامات ہندوؤں کے خلاف صادر ہو جائیں تو عین ممکن ہے کہ وہ متحد ہو کر خلفشار برپا کریں اور چونکہ مسلمان مختصر تعداد میں ہیں اسلئے ہو سکتا ہے کہ وہ اس عام بے چینی کو دبا نہ سکیں۔ ملاحظہ ہو پروفیسر خلیق نظامی: Some Aspects of Religion and Politics in India, ادارہ ادبیات دہلی، ۱۹۷۴ء ص ۳۱۵-۳۱۶

(۲۲) گوروگا تھا، ص ۳ (۲۳) A.L.Srivastava, Akbar the great, vol.I, Shivalal Agrawal & Company Publishers, Agra, 1967, pp.24-27.

(۲۴) گوروگا تھا، ص ۴ (۲۵) ایضاً ص ۵ (۲۶) A.L.Srivastava, op.cit., vol.II, p.328. (۲۷) ایضاً جلد ۱ ص ۴۰۳ (۲۸) رومیلا تھاپر vol. ۱ ص ۳۱۱ (۲۹) گوروگا تھا، ص ۷

(۳۰) ایضاً ص ۸ (۳۱) ایضاً ص ۹ (۳۲) ایضاً ص ۱۲ (۳۳) ایضاً ص ۱۴ (۳۴) ایضاً ص ۱۵ (۳۵) ایضاً ص ۱۵ (۳۶) ایضاً ص ۱۶ (۳۷) ایضاً ص ۲۳ (۳۸) ایضاً ص ۲۴ (۳۹) PIHC, 1963, Calcutta, p.354. (۴۰) ایضاً ص ۳۵ (۴۱) 'Collected Works of Prof.Md.Habib', op.cit., vol.I, p.12.

ڈاکٹر طارق سعید
شعبۂ اردو، سابقہ پوسٹ گریجویٹ کالج
اردو یونیورسٹی [illegible]

اتر پردیش کی نصابی کتب برائے درجہ ششم تا دہم کی روشنی میں

مسلم حکمراں: تاریخ کا جائزہ

سب سے پہلے میں نہایت ادب سے یہ اعتراف کرنا چاہوں گا کہ میرے مقالے کا عنوان "مسلم حکمراں کی تاریخ کا جائزہ" میں لفظ مسلم ایک زائد لفظ ہے لیکن اسے آپ لغت کی مجبوری کہہ لیں یا میری کم علمی کہ مسلم کی اصطلاح کے بغیر محمد بن قاسم کے حملے سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک کی تاریخ کو کسی اور قوم، ملت یا مذہب کے نام منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ "مسلم حکمراں"، "مسلم لشکر" یا "مسلم حکومت" جیسی اصطلاح کے استعمال سے جو نقشہ ذہن میں فوراً تشکیل پاتا ہے، اس نقشہ یا امیج سے اتر پردیش سرکار کی نصاب کمیٹی درجہ ششم تا دہم کے ممبران نیز اس نصاب کو کتابی شکل دینے والے معزز مصنفین کا ذہن بالکل عاری ہے۔ نصاب کمیٹی کے ممبران، معزز مصنفین کی جماعت کے علاوہ اس جماعت کے سرکاری مشیر کار، تاریخ کے موضوعاتی ذیلی کمیٹی کے دوسرے رکن، تعلیمی کارپوریشن کے سکریٹری اور ڈائرکٹر، مسلم حکمراں سے ایسی جانور خصلت مخلوق مراد لیتے ہیں جس کے ایک ہاتھ میں خون آلود تلوار ہے اور دوسرے میں ہرا ہلالی جھنڈا اور زبان پر نعرۂ تکبیر۔ افسوس اس امر پر ہے کہ مسلمان دانشور بھی چند تبدیلیوں کے ساتھ مسلم حکمراں کی یہی صفات بتاتے ہیں۔ اور وہ محمود غزنوی، محمد غوری اور علاء الدین جیسے Criminals کو مسلمان کہتے ہوئے شرماتے نہیں بلکہ طرّہ یہ کہ ان کو فخر سے اپنا ہیرو بتاتے ہیں اور ان کی غلط کاریوں کی تاویل کرتے ہیں۔ برعکس ان کے، راشٹریہ کرت کتابوں کے مصنفین ان Criminals کو مسلمان کہہ کر گالیاں دیتے ہیں، معصوم ذہنوں میں زہر کا بیج بوتے ہیں اور مستقبل کے ہندوستان کو سخت خطرے کی طرف لے جا رہے ہیں۔ راشٹریہ کرت کتابوں کے مصنفین سے محض اتنی شکایت ہے کہ انہوں نے Criminals کو مسلمان کہا ہے۔ Criminals کی تاریخ کو بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ درجہ ششم تا دہم رسالت مآب محمد صاحب سے جوڑ دیا ہے۔ جب کہ رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے Criminals کو امن و اسلام کا زندہ نمونہ بنا دیا اور ان کی معدوم و موہوم شخصیتوں کو آفاقیت سے ہمکنار کیا۔

راشٹریہ کرت کتاب درجہ سات میں عربوں کا سندھ پر حملہ کے عنوان سے نہایت اختصار سے کام لیتے ہوئے راجہ داہر کے پسپائی کا ماتم کیا ہے اور بعد کے پیراگراف میں راجپوتوں کی قوت کو زیادہ اور خلفا کی قوت کو کمزور

بنا کر طالب علموں کے ذہنوں کو پراگندہ ہونے سے بچا لیا گیا ہے تاکہ وہ کتاب کے پہلے باب میں ہی مایوسی کا شکار نہ ہو جائیں۔
لیکن نویں درجہ کی راشٹریہ پرکرت کتاب میں تفصیل سے سارے واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چند وہ الفاظ جو قابل
گرفت ہیں اور جذبہ محبت کے مخالف ہیں، ملاحظہ کریں:

"राजा दाहिर रावर नामक स्थान के समीप सन 712 ई० में युद्ध में घायल हुआ तथा रात आने से पहले वीरगति को प्राप्त हुआ। दाहिर की वीरांगना पत्नी रानी बाई ने अरबों के विरुद्ध युद्ध संचालन किया परन्तु वह शत्रु सेना प्रबल बाढ़ को रोकने में असमर्थ रही। विवश होकर राजा दाहिर की पत्नी ने राजमहल की अन्य स्त्रियों सहित जौहर व्रत अपनाया और अग्नि को वरण किया।" पृष्ठ 179

یہاں ایک طرف راجہ داہر کا वीरगति को प्राप्त होना تو دوسری طرف विवश होकर जौहर व्रत अपनाना ہے۔ ان دونوں باتوں کی روشنی میں اگر راجہ اور اس کی بیوی سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے
تو مسلمانوں کے لیے نفرت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے جو کسی طرح حق بجانب نہیں ہے۔ اگر معصوم طالب علموں کو
یہ معلوم ہو کہ محمد بن قاسم، ولید بن عبدالملک کی حکومت کے ایک سفاک و ظالم گورنر حجاج بن یوسف
کے اشاروں کا غلام و تابع ہے تو نفرت حجاج سے پیدا ہوگی، رسالت مآب، حضرت عمر بن عبدالعزیز، محمد بن قاسم یا
ان کے دین اسلام سے نہیں۔ لیکن گیارہویں درجہ کی ایک کتاب मान्यता प्राप्त جس کے مصنف شیو
نارائن سنگھ رانا اور شیو راج سنگھ رانا ہیں माध्यमिक भारत भूमि का इतिहास نے محمد بن قاسم کے
712 عیسوی کے حملہ کو 1947 عیسوی کے تقسیم ہندوستان کے حادثے سے خوبصورتی سے جوڑنے کی کوشش کی ہے تاکہ
اسلام اور مسلمان کے لیے ہندو ذہنوں میں کبھی جذبہ محبت بیدار نہ ہو۔ ان کے الفاظ ہیں:

"आठवीं निर्णायक घटनाओं का यह क्रम ऐसा बना कि जिस के परिणामस्वरूप हमारे देश का विभाजन हुआ और 1947 ई० में पाकिस्तान की स्थापना हुई।" पृष्ठ 227

درجہ سات میں الگ سے ایک باب قائم کر کے جس کا عنوان ہے، "तुर्कों के आक्रमण"
سے ترکی سلطنت کا جائزہ لیا گیا ہے جب کہ درجہ نو ______

بھی "केन्द्रीय शक्ति का विघटन व विदेशी आक्रमण" کے باب میں محمد بن قاسم کے بیان کے ساتھ کیا گیا "तुर्कों के आक्रमण महमूद गजनवी व मुहम्मद गोरी" کا ذیلی سرخی سے ترکوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ محمود غزنوی کے نام ۱۷ حملے محمد غوری کے نام ۵ حملے درج کئے گئے ہیں۔ دونوں کو Criminals بتایا گیا ہے۔ مندروں کو توڑنا، دولت اکٹھا کرنا اور بے گناہوں کا قتل عام کرنا دونوں کی خصوصیت بتائی گئی ہے۔ دونوں کو ہندو راجپوتوں کا دشمن کہا گیا ہے اور یہ بھی لکھا گیا کہ دونوں مقصد براری کے لئے اسلام کا استعمال کرتے ہیں لیکن یہ کہیں نہیں لکھا گیا ہے کہ یہ دونوں اسلام کے معاملے میں اندھے تھے اور اسلامی سدھانتوں کو نہیں جانتے تھے، صرف نام کے مسلمان تھے۔ بلکہ افسوس تو یہ ہے کہ درجہ نو کی راشٹریہ کرت کتاب میں "اب اسلام کی تلوار خلفاؤں سے ترکوں کو استھانانترت (स्थानान्तरित) ہو گئی" ص ۱۰۸ پر لکھا ہے جب کہ لکھا یہ ہونا چاہئے تھا کہ "اب اسلام کی تلوار ظالموں سے شیطانوں کے پاس پہنچ گئی جو دراصل انہیں کے صفائے کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ آگے اسی کتاب میں لکھا ہے "بھارت میں اسلام دھرم کے پھیلاؤ روپ سے کا سہرا بھی محمود کو ہی دیا جاتا ہے۔" ص ۱۰۸ سمجھ میں نہیں آتا کہ ظلم سے انصاف کا بیج کیسے بویا جا سکتا ہے۔ زیادتی کس طرح امن قائم کر سکتی ہے۔ واضح رہے کہ طالب علموں پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام ظلم و زیادتی کا نام ہے۔ تاکہ بچے ذہنوں میں نفرت پیدا ہو۔ اسی صفحہ پر محمود کی شخصیت کے لئے یہ الفاظ موجود ہیں۔

"वह निःसन्देह एक क्रूर बर्बर लुटेरा मानवता का शत्रु निर्मम आक्रमणकारी व सभ्यता और संस्कृति का विध्वंसक था"

یہ الفاظ سچے ہیں یا جھوٹے کی بحث سے قطع نظر کسی مسلمان میں کیا معمولی انسان کے لئے بھی درست نہیں۔ چہ جائیکہ مسلم حاکم یا اس کی حکومت فی الواقع حضرت علی کے بعد دنیا نے مسلم حاکم کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ سرگت علاؤالدین خلجی کی سرگرمیوں کی طرح کا ایک اور واقعہ صفحہ تاریخ پر سرزد ہوتا ہے جس کو درجہ نو کی کتاب میں مصنفوں نے "میواڑ الجیان" سے عبارت کیا ہے پہلے راشٹریہ کرت کتاب کے درجہ ۷ کے الفاظ دیکھئے۔

"यहाँ भी वीर राजपूतों ने मातृभूमि की रक्षा के लिए अद्भुत साहस और शौर्य के साथ युद्ध किया। सुरक्षा की आशा न रहने पर अन्य राजपूत महिलाओं के साथ रानी पद्मनी ने जौहर प्रथा के अनुसार आग में जल कर प्राण त्याग दिये।" पृष्ठ 48

اب درجہ ۸ کی کتاب سے انہیں خیالات کو اور نفرت پیدا کرنے والے الفاظ کی صورت میں دیکھئے :

"अलाउद्दीन चित्तौड़ के राजा रत्नसिंह की परम सुन्दरी रानी पदमनी को प्राप्त करना चाहता था। यद्यापि राजपूत सेनाएं पराजित हुईं किन्तु चित्तौड़ जीतने के पश्चात भी सुल्तान पदमनी को प्राप्त न कर सका। रानी ने महल की अन्य स्त्रियों के साथ जौहर व्रत अपनाया और अग्नि में जलकर मर गई। सुल्तान को राख ही हाथ लगी" (पृष्ठ 114)

ہندوستان کے مسلم حکمرانوں میں اورنگ زیب کا نام لئے بغیر مقالہ ادھورا رہ جاتا ہے۔ درجہ سات کی راشٹریہ کرت کتاب کے باب "اورنگ زیب" میں مسلم اور سکھ کے مابین کھائی بنانے کی زیادہ کوشش کی گئی ہے اور مسلم اور ہندو کھائی کو جوں کا توں رہنے دیا گیا ہے۔ مثلاً ساتویں درجہ کی کتاب میں ہے :

"उसके शासन काल की एक मुख्य विशेषता यह है कि जहाँ एक ओर मन्दिरों का विध्वंस हुआ वहीं कुछ स्थानों के ब्राह्मणों तथा पुरोहितों को सम्राट द्वारा भूमि प्रदान की गयी। इसके पीछे धार्मिक और राजनीतिक तथा अन्य कारण हो सकते हैं।" (पृष्ठ 153-154)

لیکن ۱۰ ویں درجہ کی راشٹریہ کرت کتاب یہ انکشاف کرتی ہے :

"औरंगजेब की धार्मिक नीति अकबर की धार्मिक नीति के ठीक विपरीत थी उसने अकबर द्वारा किये उन सभी प्रयासों पर जिनसे हिन्दू मुस्लिम एकीकरण को प्रोत्साहन मिलता था विराम चिन्ह लगा दिया। उसके समय में इस्लाम को पुनः राज धर्म घोषित किया गया। हिन्दू मन्दिरों अथवा पूजा स्थलों को नष्ट करवाना उसके लिए साधारण बात बन गई।" (पृष्ठ 176)

آخر اورنگ زیب کا وہ کون سا اسلام تھا جس نے اس کی روز مرہ کی زندگی میں مندروں کو گرانے کے عمل کو صحیح قرار دے دیا تھا۔ اگر کوئی مسلم حاکم کسی بھی مذہب کی کوئی عبادت گاہ کی ایک اینٹ یا ایک ہتھوڑا اپنے ظلم سے کھسکا دے تو گویا مسلمان ہی نہیں رہ گیا۔ قرآن میں واضح حکم ہے کہ غیروں کے معبود کو برا کہو کیونکہ بنانے

۱۵۷

میں تمہارے اللہ کو بھی وہ بُرا کہیں گے ۔ اور جس مسلمان نے بھی قرآن کے کسی ایک حکم سے بھی انکار یا تجاوز کیا وہ مسلمان ہی نہیں ۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ یا تو اورنگ زیب سرے سے مسلمان ہی نہ تھا اور یا اس نے کسی مندر کو قصداً گرایا ہی نہیں ، اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ اس نے کسی مندر کو قصداً ہی گرایا پھر بھی اسلام کی حد اس پر جاری ہوگی کیونکہ اسلام کسی بھی شخص کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اللہ کی زمین پر حاکم بن جائے ۔ حکومت کا حق صرف اللہ کو ہے ۔ اسلام میں صاحب اقتدار حاکم نہیں ، نائب خدا ، نائب رسولؐ ہوتا ہے اور اورنگ زیب نائب رسولؐ کے منصب پر فائز نہ تھا بلکہ دلی کے تخت پر رونق افروز تھا ۔ جس کو ہمارے ارشد یکرت کتابوں کے مصنفین نہیں جانتے اور پتہ نہیں کس ضد میں اورنگ زیب کے زمانے میں اسلام کو سرکاری مذہب کا رتبہ دے دیتے ہیں جب کہ نائب رسولؐ حضرت علیؓ کے بعد اسلام کبھی کسی بھی اسٹیٹ کا دین نہیں ۔

●●

۲۵۹

ساتویں صدی میں دکنی سلطنت کے شاہ عادل شاہ نے شہنشاہ اکبر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا اور اس کتب خانہ کی نگرانی کے لیے سنسکرت کے ایک اسکالر وامن پنڈت کی تقرری کی ۔ عادل شاہ کے جانشین ابراہیم عادل شاہ نے جن کو غریبوں کا دوست کہا جاتا تھا اور جن کو ان کی عدل گستری ، غریب پروری اور منکسر المزاجی کی وجہ سے نوشیرواں ثانی کہا جاتا تھا ، انھوں نے اپنی بیشتر نظموں میں ہندوؤں کی علم کی دیوی کے گیت گائے تھے ۔ مزید برآں انھوں نے چند ہندو تیرتھوں کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا ۔

۱۵ ویں صدی کے دوران کشمیر میں شاہ زین العابدین نے اپنے پیش رو کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے فرار ہو جانے والے اور اپنے اپنے گھروں کو خیرباد کر چلے جانے والے ہندوؤں کو واپس لانے کے لیے اپنے خصوصی ایلچی بھیجے اور ان کی بات تسلیم کی ۔ فارسی زبان کے ساتھ ساتھ سنسکرت پر بھی ان کو عبور تھا ۔ انھوں نے اپنشد کا فارسی میں ترجمہ کرایا اور ہندوؤں کے تہواروں میں آزادی اور دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے تھے اور کئی مندر بھی تعمیر کرائے تھے ۔

بنگال میں سلطان ناصر شاہ اور سلطان حسین شاہ نام کے پٹھان بادشاہوں نے بھی مہابھارت اور بھاگوت پران کا ترجمہ بنگالی زبان میں کرایا تھا ۔ (قومی آواز ۲۶ نومبر ۱۹۹۲ء)

●●

پروفیسر اوم پرکاش گپتا
شعبۂ تاریخ، رضا پوسٹ گریجویٹ کالج
رامپور (یو۔پی)

یو۔پی کی سکنڈری کلاسوں کے نصاب میں

ہندستان کے عہدِ وسطیٰ پر تاریخی کتابیں

سیمینار کا اضافی موضوع تھا "تاریخ کی غلط بیانیاں" جو واقعی قابلِ توجہ ہے کیونکہ یہ جائزہ بلاشبہ کچھ حقیقتوں کی وضاحت کرے گا جو ہماری سنجیدہ فکر کی مستحق ہیں۔

کتابوں پر تبصرہ کرنے سے پہلے مجھے اپنے مقصد کی صفائی کرنی ہوگی کہ میں نے ان خاص سباق اور تاریخ کے اس مخصوص عہد کا کیوں انتخاب کیا۔

سکنڈری درجات کی کتابوں کا انتخاب میں نے سن کے تقاضے سے کیا۔ اسکول کے سکنڈری درجات میں درجہ ششم سے درجہ ہشتم شامل ہیں۔ ان درجات میں طلبار کی عمر دس سال سے تیرہ سال کی ہوتی ہے علم نفسیات کی رو سے اس سن و سال کے لڑکے سن بلوغ سے پہلے کے زمانے سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ یہ بے حد کمسنی کا زمانہ ہوتا ہے تاہم یہ زمانہ ہوتا ہے جب شخصیت کی نشو و نما کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ دوستی ہمدردی محبت اور سماجی انصاف کے اوصاف انسان کے اندر اسی زمانے میں پیدا ہوتے ہیں۔ بچے میں جو صفات اس دور میں پیدا ہونے لگتے ہیں اور وہ ساری زندگی اس کی مدد کرتے ہیں۔ بلوغیت سے پہلے کا یہ زمانہ بچپن سے متوان شباب کے درمیان کہیں آتا ہے، اس عمر کے بچے نہ تو اتنے ناپختہ ہوتے ہیں کہ پروں والی پری اور کانے دیو کے وجود پر یقین لے آئیں اور نہ ان کا شعور اتنا پختہ ہوتا ہے کہ وہ تاریخی شعبوں کی زنبیل سے سچائی کو شناخت کرکے برآمد کریں۔ وہ جذبات اور جوش و ولولے کی دنیا میں آباد رہتے ہیں اور ان کے یہاں منطق اور اسباب نہیں ہوتے ہیں۔ ایک بار جب وہ جذبات کے عفریت کے قبضے میں آگئے تو پھر آسیب اتارنے والا عامل بھی ان کے دلوں کی اصلاح نہیں کرسکتا۔ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے کہ شخصیت کی تکمیل اپنا ڈھانچہ بنا لیتی ہے اور شخصیت کی تکمیل سماجی ماحول سے ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے۔

دوسرے یہ کہ میں نے صرف عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ میں یہ کتابیں منتخب کی ہیں اس میں بھی ایک

منسلک ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ ہندو حکومت کے ٹوٹنے اور ہندستان میں ترکوں کی آمد سے شروع ہوتی ہے۔ تاریخ کی دیوی صرف شمشیر آہن کو جانتی ہے اور ان سپاہیوں کی ذکاوت و ہوشیاری سے واقف ہوتی ہے جن کے ہاتھ میں میدان جنگ ہوتا ہے۔ لیکن وہ مورخ جن کا ذہن مذہبی تنگ نظری کے کہرے سے بنا ہوا ہو وہ اس فتح کو ایک مذہب پر دوسرے مذہب کی فتح قرار دیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عہد وسطیٰ کا ہندستان دو مذہب اور دو تہذیب کے درمیان مقابلہ پیش کرتا ہے، لیکن اس مقابلے کے ہمیشہ یہ معنی نہیں ہوتے ہیں کہ جنگ وجدال بھی ہوتی ہوگی۔ ہمیشہ آپس میں ضم ہونے کا ہم آہنگی کا دور اور آپسی ربط کا عمل جاری رہا ہے۔ بہرحال فرقہ پرست جو مورخ کے بھیس میں آتے ہیں انھیں یہ موقع مل جاتا ہے کہ وہ سچائی کو تنگ نظری کے رنگ سے رنگ دیں۔ عصبیتوں کی روشنائی سے ہم بخوبی دونوں طرح کے کام لے سکتے ہیں یعنی ایک طرف اخلاقی سچائی کی بھی اس روشنائی سے مذمت کرسکتے ہیں اور پھر اسی روشنائی سے ہم نازیبا جھوٹ کو پسند بھی کرسکتے ہیں۔ ایک ہندو مورخ تاریخ کی تاویل ہندو ذہنیت سے کرسکتا ہے اور مسلمان مورخ مسلم ذہنیت سے۔ عہد وسطیٰ کے ہندستان کی تاریخ فرقہ پرستی کو روشن رکھنے کے لیے سوکھی گھاس کا ڈھیر مہیا کرتی ہے۔

غرض ایک طرف تو سکنڈری درجات کے جذباتی بچے ہیں اور دوسری طرف نہایت ہی حساس عہد کی تاریخ ہے۔

میں نے اسکولوں کی تقسیم ان کے انتظامیہ کی بنیاد پر نہیں کی ہے بلکہ ذریعہ تعلیم کی بنیاد پر کی ہے۔ یوپی میں انگریزی میڈیم کے اسکول ہیں۔ ہندی میڈیم کے اور اردو میڈیم کے اسکول ہیں۔ اب ہم سکنڈری درجات کے نصاب میں جو عہد وسطیٰ کے ہندستان کی تاریخ کی درسی کتابیں ہیں ان پر اپنی توجہ مبذول کریں گے۔

<u>انگریزی میڈیم اسکولوں کی درسی کتابیں:</u> ساتویں درجے کی کتاب جس کا نام ہے History & Civics-

سنہ ١١٠٠ء اور سنہ ١٧٥٠ء کی ہندستانی تاریخ کو اپنے احاطے میں لیتی ہے۔ یہ کتاب NCERT کے زیر اہتمام شائع کی گئی ہے اور یہ رومیلا تھاپر کی تصنیف ہے۔ میں مصنف کے تاریخی اپروچ پر تبصرہ کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ وہ روشن خیال تاریخی ادراک کی پنڈتوں میں سمجھی جاتی ہیں۔ واقعات سادے الفاظ میں پیش کیے گئے ہیں اور ایک معقول رویہ ان کی تاویل کے سلسلے میں رکھا گیا ہے۔ اس عہد کی اقتصادیات پر زور دیا گیا ہے۔ اس باب میں ١٢٠٠-٨٠٠ Kingdom of the North A.D.

جوں جوں عطیہ لینے والوں کی تعداد بڑھتی گئی زیادہ سے زیادہ زمین ان کے ہاتھ میں آتی گئی۔ لہٰذا یومیہ کی کل رقم جو بادشاہ کے پاس آتی تھی اس میں کمی آگئی۔ ... آمدنی جاگیرداروں اور بادشاہ کے درمیان رہ گئی جس کے سبب بادشاہ فاضل رقم فوج پر نہیں خرچ کرسکتا تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ شمالی ہند کی مملکتیں ترکی حملے کے خلاف مناسب طریقے سے اپنا دفاع نہ کرسکیں۔ (IBID P. 36-37)

مصنف نے مذہب کو بھی نہیں بخشا ہے وہ لکھتی ہیں۔

مندروں کو منہدم کرنے کا ایک فائدہ اور بھی تھا۔ محمود یہ دعویٰ کرسکتا تھا اور اس نے کیا بھی کہ بتوں کو توڑ کر اسے مذہبی امتیاز حاصل ہوگیا ہے۔ (ایضاً ص ۳۴)

میرا خیال ہے کہ عہد وسطیٰ کے ہندستانی تاریخ کی درسی کتابیں طلباء کے ذہن میں آگ لگا سکتی ہیں یا مسلم حملہ آوروں کی بت شکنی کے سلسلے میں ایک فرد یہی مبالغہ آمیز بیان سے یا ان پر زور دینے سے مزید اس بیان سے کہ چند ایک بادشاہوں نے شاذونادر کبھی مذہبی تشدد برپا کیا تھا۔ فیروز شاہ تغلق سکندر لودھی جو سلطنت عہد سے تعلق رکھتے ہیں یا مغل عہد سے تعلق رکھنے والا اورنگ زیب تاریخ دانوں کے تعصب کا نشانہ رہا ہے۔ ہندو ذہنیت رکھنے والے تاریخ داں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ہندوؤں کے اور ہندو دھرم کے اعلانیہ دشمن تھے، دوسری جانب مسلم تاریخ داں انھیں انتہائی احترام سے انھیں غازی کا مرتبہ دیتے ہیں اور اس درجہ اعزاز دیتے ہیں کہ انھیں ملحدوں کی زمین میں دین محمدی کا محافظ پشت پناہ اور سب سے بڑا حامی قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کتاب میں کوئی بُرا فرقہ پرستانہ اپروچ نہیں ملتا ہے اگر کچھ ایسی تاریخی صداقتیں جن سے احساس میں تلخی پیدا ہوسکتی ہے ہماری توجہ کھینچتی ہیں تو دوسری ہی ساعت ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسری صداقت شکری گوبوں کی صورت میں پیش کی گئی ہیں تاکہ اس سے تاثر میں توازن قائم ہو۔ مثال کے طور پر فیروز تغلق کی مذہبی پالیسی ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

اس نے کٹر ذہنیت علماء کو اس بات کی اجازت دی تھی کہ وہ کچھ معاملات میں حکومت کی پالیسی پر اثر انداز ہوسکیں۔ وہ نہ صرف یہ کہ غیر مسلمانوں کے لیے بہت کم رواداری تھا بلکہ ان مسلمانوں کے سلسلے میں بھی اس کا یہ رویہ تھا جو عقیدے میں سخت نہیں تھے۔ (ایضاً ص ۵)

لیکن سلطانوں کا 'غیر مسلمانوں کی جانب کم رواداری کے رویے کو اس طرح متوازن کیا جاتا ہے کہ قدیم ہندستانی تہذیب سے اس کی محبت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ کتاب یوں بیان کرتی ہے۔

> فیروز کو ہندستان کی قدیم تہذیب سے محبت تھی۔ اس کے حکم سے بہت ساری کتابیں جو سنسکرت میں تھیں اور مذہب اور فلسفہ کے موضوع پر تھیں کا فارسی اور عربی میں ترجمہ کرایا گیا۔ (ایضاً ص ۵۳)

لیکن اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کا جو جائزہ مصنف نے لیا ہے وہ اپنی جانب ہماری توجہ مبذول کراتا ہے۔ کتاب اس کے متعلق یہ کہتی ہے۔

> معاملات بد سے بدتر ہوتے گئے کہ وہ مسلمانوں کے ایک انتہاپسند گروہ سے عقیدت رکھتا تھا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اسلامی شریعت کے مطابق حکومت چلائے گا... جب اس نے جزیہ لاگو کیا تو وہ غیر مقبول ہو گیا (غیر مسلمانوں پر پول ٹیکس)۔ اس کے اندر یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ بادشاہ کا کام حکومت کرنا ہے اور حسن وخوبی حکومت کرنا ہے اور مذہب کو معاملات حکومت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔

بلاشبہ مندرجہ بالا عبارتیں صداقت کو پیش کرتی ہیں لیکن صرف نصف صداقت کو۔ مصنف کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ اس بات کو بھی طلبا کے علم میں لائے کہ اورنگ زیب نے کچھ مندروں اور گوردواروں کو زمینوں کا عطیہ دیا (بی۔ این۔ پانڈے خدا بخش یادگاری لکچر س پٹنہ ۱۹۸۶ء) دوسری طرف اورنگ زیب نے ان لوگوں کے سامنے جو کچھ ہندو افسروں کو ان کی نوکری سے معطلی کا مطالبہ کر رہے تھے کھلے عام یہ اعلان کیا کہ مذہب کا ریاست کے سیکولر معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے اور اس نوع کے معاملات میں تعصب کو کوئی مقام نہیں دیا جا سکتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود زیر حوالہ کتاب تاریخی سچائیوں کے توڑ مروڑ سے پاک ہے۔ کتاب میں حکمرانوں کے لیے خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو مدحیہ انداز اختیار نہیں کیا گیا ہے۔

<u>ھندی میڈیم اسکول</u>: ہم شکر گزار ہیں یوپی گورنمنٹ کے جس کی ستائش اس باب میں کی جا سکتی ہے کہ اس نے سکنڈری درجات کے نصاب میں یکسانیت برتنے کی کوشش کی۔ تقریباً سبھی ہندی میڈیم اسکولوں میں خواہ وہ سرکاری ہوں یا پرائیویٹ سکنڈری درجات کے لیے ایک ہی کتاب داخل نصاب کی گئی ہے۔

'بھارت کا اتہاس اور ناگرک جیون' پارٹ II، شائع کی ہے۔ ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کی سٹیٹ کاؤنسل نے۔ کتاب منتخب شدہ مصنفین کے ایک بورڈ نے تیار کی ہے۔ جس کی سربراہی ڈاکٹر گردھاری پرشاد نے کی ہے۔ کتاب کے دیباچے میں کتاب کے اغراض ومقاصد

اس طرح پیش کیے گئے ہیں۔

سماج کے دیودھ ورگوں میں راشٹریہ ایکیکرن او دھرم بھاؤ سمک لکتا کا وکاس کرنے میں سہاتا پردان کرنے کے اُدیش سے اتر پردیش شاسن نے یہ نرنے لیا ہے... کہ ایسی پستک مالا کی رچنا کی جائے جو دیش کے بھاوی ناگرکوں کو بھارتیہ سماج کے کرمک وکاس کا سمیک بودھ کرانے کے ساتھ ساتھ ان میں لوک تانترک جیون شیلی، سرو دھرم سدبھاؤ تتھا سماج واد جیسے راشٹریہ آدرشوں کے پرتی آستھا وکست کرنے میں سہایک ہوں۔

(اس مقصد سے کہ قومی اتحاد اور جذباتی یکجہتی کو سماج کے مختلف طبقے میں فروغ دیا جائے، حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سلسلہ وار کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جائے جو کہ ہندوستانی سماج کے تدریجی ارتقا کا صحیح علم ملک کے مستقبل کے شہریوں کو پہنچانے میں معاون ثابت ہوں نیز یہ کہ وہ زندگی کے جمہوری ڈھانچے اور سبھی مذاہب احترام اور سوشلزم کے عقیدے کو فروغ دینے میں مددگار ہوں۔)

کتاب کے مصنفین نے اس بات کی حتی المقدور کوشش کی ہے کہ وہ مندرجہ بالا اغراض و مقاصد پر سختی سے کاربند رہیں۔ حقائق کو سادہ الفاظ میں پیش کیا گیا اور جو نتائج برآمد کیے گئے ان میں عصبیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کچھ جانی بوجھی سچائیوں کو صاف گوئی اور ایمانداری کی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ ذیل میں کچھ حوالے پیش کیے گئے ہیں جن میں مسلمان بادشاہوں کے کردار اور اعمال کا جائزہ لیا گیا ہے۔

علاءالدین شاسن کے معاملے میں دھرم کے دخل کو پسند نہیں کرتا تھا۔ (ایضاً ص ۵۰)

فیروز کا اسلام دھرم میں اٹوٹ وشواس تھا پرنتو انیہ دھرم کے لوگوں کے ساتھ اس کا ویوہار ٹھیک نہیں تھا اس نے انیہ دھرم کے انویائیوں پر جزیہ لگایا، شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس کا ویوہار ٹھیک نہیں تھا۔ (ایضاً ص ۵۰)

مندرجہ بالا کتاب کے مصنف نے ہلکے پھلکے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ویوہار ٹھیک نہیں تھا (سلوک اچھا نہیں تھا) جس سے طلبا کے دل میں کوئی تلخ احساس نہیں پیدا ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اس سچائی کو متوازن بنانے کے لیے اس کے بالمقابل ایک دوسری سچائی پیش کر دی ہے۔ شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس کا ویوہار ٹھیک نہیں تھا۔

لیکن جزیہ کا تعلق صرف ہندوؤں سے تھا لفظ 'انیہ دھرم کے لوگوں کے ساتھ' اور دوسرے مذاہب کو بدل کر لفظ 'ہندو' کا استعمال کرنا چاہیے۔ سکندر لودی کے متعلق کتاب کی تحریر یہ ہے۔

سکندر لودی انیہ دھرم کے ماننے والوں کے ساتھ اچھا دیوہار نہیں کرتا تھا ان کے ساتھ کٹھورتا کا ویوہار کرتا تھا اور ان کے پوجا پاٹھ پر اس نے پرتی بندھ لگا دیا تھا۔ (ایضاً ص ۶۵)

ایسے الفاظ مثلاً: دھرم اتیاچار ـــــــــــــــ یہاں نہیں ملتے ہیں اور اس سے مصنفین کے سیکولر اپروچ کا پتہ چلتا ہے۔ ایک سنجیدہ انصاف پسند اور دور رس تاویلات کا نمونہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں جو اورنگ زیب کے متعلق ہے۔

وتیہ کرما کی پرتی کے لیے ہندوؤں پر جزیہ کر لگا۔ ۔ ۔ یہ جیسی اس کے سمے میں جزیہ کر کی دَر سلطنت کال کے فیروز تغلق تتھا سکندر لودی کے سمے سے کم تھی کنتو کچھ مغل ادھیکاریوں نے کر کی وصولی میں ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے شاسن کال کی ایک مکھیہ گھٹنا یہ ہے کہ جہاں ایک اور مندر کا دھونش ہوا وہاں کچھ استھانوں کے برہمنوں تتھا پروہتوں کو سمراٹ دوارا بھومی پردان کی گئی۔ کچھ دھرم پری ورتن بھی ہوئے کنتو دیگتیگت دھارمک سوتنترتا پر روک نہیں لگائی گئی۔ (ایضاً ص ۱۵۳-۱۵۴)

اگر ہم اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کے مندرجہ بالا جائزے کا مقابلہ ۔ ۔ ۔ ۔ کی اس درسی کتاب سے کریں جس پر انگلش میڈیم اسکولوں کے باب میں ہم بحث کر چکے ہیں تو ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ ہندی کی یہ درسی کتاب اپنے اپروچ میں انگریزی کی درسی کتاب سے کہیں زیادہ سیکولر ہے۔ مندرجہ بالا جائزے کے مؤلفین یوں نظر آتا ہے کہ تاریخی سچائیوں کے علم سے بہت زیادہ بہرہ مند ہیں اور انھیں سیکولرازم کا بھی گہرا احساس ہے۔ وہ ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔

چنانچہ وہ درسی کتاب جسے یوپی سرکار نے اپنے سکنڈری اسکولوں کے نصاب میں رکھی ہے قومی یکجہتی کے نقطۂ نگاہ سے تاریخ نویسی کی ایک شافی کوشش ہے۔

اردو میڈیم اسکول: ہر چند کہ ہم میں سے بیشتر لوگوں نے خوش اسلوبی سے پبلک اسکول کلچر سے ہم آہنگی کر لی ہے۔ تاہم ہم میں سے بہت سے لوگوں پر اب تک مکتب کا خوف مسلط ہے۔ ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ طلبا کا بھلا صرف مکتب اور مدرسے کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ ان مکتبوں اور مدرسوں کا اپنا ایک خاص انتظام ہے اور ان کا ایک خاص طریقۂ تعلیم بھی ہے اس لیے وہ اپنے مخصوص نصاب کے ساتھ چلتے رہیں۔ لیکن منجملہ اور مضامین کے تاریخ بھی ایک مضمون ہے جو ان اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ یوپی میں بہت سارے اردو میڈیم اسکول موجود ہیں۔

تاریخ کی وہ درسی کتاب جو ان اداروں کے نصاب میں داخل ہے' وہ اس وقت ہمارے پاس ہے اور اس پر ہم تبصرہ کر رہے ہیں۔ کتاب کا نام "آئینۂ تاریخ" ہے۔ اور یہ دو حصوں میں ہے۔ پہلا حصہ یہاں کے قدیم باشندوں سے شروع ہو کر تغلق خاندان کے زوال پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ سلطنت عہد کے دوسرے خاندانوں کا نیز مغل عہد کا احاطہ کرتا ہے۔ کتاب کے مصنف افضل حسین ہیں اور یہ مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

پیش لفظ میں مصنف نے تاریخ نویسی کے مختلف رجحانات پر بحث کی ہے اور آخر میں اس نقطۂ نظر پر پہنچا ہے:

"اگر ایک مسلمان صحیح اسلامی ذہنیت کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس کا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ واقعات کو جیسے وہ فی الواقع گذرے ہیں بلا کسی تعصب کے جوں کا توں سامنے رکھے۔"

(ایضاً جلد اول ص ۵)

آئیے اب ہم اس کے کچھ ابواب کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ مصنف کس حد تک ایسی تاریخ لکھنے میں ایماندار رہے جس میں تعصب کا شائبہ بھی نہ ہو۔ مصنف نے پورے ۵ صفحات پر علاء الدین خلجی کے عہد کو پیش کیا ہے۔ اس نے جو مالی اصلاحات کی ہیں اور جو معاشی منصوبے بنائے ہیں ان پر ہم بحث نہیں کریں گے، لیکن ڈھائی صفحے پر پھیلی ہوئی ایک گفتگو ہے جو علاء الدین اور دلی کے قاضی مغیث کے درمیان ہوئی ہے۔ اس باب کا عنوان یہ رکھا گیا ہے۔ علاء الدین اور قاضی مغیث الدین۔ تاریخ فیروز شاہی میں ضیاء الدین برنی کے ارادے سے جو لوگ واقف ہیں جنہوں نے مندرجہ بالا شخصیتوں کی گفتگو کو پیش کیا ہے وہ اس مصنف کے خیال کا بھی اندازہ لگالیں گے۔ فیروز شاہ کے مذہبی رویے کو اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے:

وہ شریعت کا بہت پابند تھا اور اسلام کی اشاعت کا دل سے خواہاں تھا۔ (ایضاً جلد اول ص ۱۱۵)

بھگتی مت کے اثرات' نام کی سرخی کے تحت جو لکھا گیا ہے۔ اس میں مصنف نے یہ اشارہ کیا ہے:

"تمام مذاہب بچے ہیں اسی اصول کی اشاعت نے سیدھا اور سچا راستہ تلاش کرنے کی ضرورت کے احساس کو گھٹا دیا چنانچہ دین حق کی اشاعت میں اس سے کافی رکاوٹ پیدا ہوئی" (ایضاً جلد اول ص)

سکندر لودی کے ذاتی کردار کو مصنف نے اس طرح پیش کیا ہے:

تقویٰ اور پاکبازی میں سکندر اپنے باپ سے بھی آگے تھا۔ ارکان اسلام کی خود سختی سے پابندی کرتا تھا

اور دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا" (ایضاً جلد اول ص ۴۰۷)

مصنف نے ہندوؤں کے ساتھ اس کے رویے کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اس نے اس کے کٹر مذہبی مزاج کی سخت تنقید کی ہے، لیکن اس نے ڈاڑھی رکھنے کے سلسلے میں اس کے نفرت انگیز رویے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ (عبداللہ: تاریخ داؤدی میں ڈبلیو ۹۷، ۵۔۸۰ اور تاریخ سلاطین افغانی، ص ۲۲ میں احمد یادگار نے حوالہ دیا ہے اس گفتگو کا جو اس کے اور حاجی عبدالوہاب کے مابین داڑھی کے سلسلے میں ہوئی ہے۔

افضل حسین کی مندرجہ بالا تصنیف طبقات ناصری کا بیسویں صدی کا ایڈیشن نظر آتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ منہاج السراج کا آسیب اس کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی جود و سخا سے ان سارے مسلمان بادشاہوں کو جنہوں نے تاج و تخت سنبھالا بخش دے گا۔ وہ کہتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی سوجھ بوجھ دی تھی (ایضاً جلد دوم ص ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر دے (ایضاً جلد دوم ص ۱۰۳)

باری تعالیٰ نے اسے سکندر جیسی صالح اولاد عطا فرمائی (ایضاً جلد دوم ص ۴۳)

لیکن ان بیانات کو تبصرے میں شامل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان روایتی مدرسوں میں تاریخ کی تعلیم لازماً اسی نوع کے جائزے کو اپنی درسیات میں شامل کرے گی۔

شہنشاہ اکبر کی مذہبی رواداری کی پالیسی ہندوؤں کے ساتھ اور اس کی پرخلوص کوشش کہ ہندومت اور اسلام میں بے حد قربت ہو جائے ایسی کوشش ہے کہ اسے نہایت عزت و احترام کے ساتھ ہندستان کی تاریخ میں شامل کرنا چاہیے۔ اکبر کی رواداری نے اس رستے ہوئے زخم پر مرہم رکھا جو ماقبل کے تنگ نظر حکمرانوں نے لگائے تھے۔ لیکن 'آئینہ تاریخ' کا مصنف یوں نظر آتا ہے کہ اکبر کے پیکر کو برباد کرنے کے درپے ہے۔ اس نے عبدالقادر بدایونی کا بہروپ بھر لیا ہے، اور بجائے اس کے کہ وہ اکبر کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو وہ اسے اسلام دشمن قرار دیتا ہے۔ 'اسلام سے بغاوت اور دین الٰہی کا فتنہ' اس عنوان کے زیر تحت وہ لکھتا ہے:

"دین سے اس کی ساری عقیدت بغاوت میں بدل گئی اور ان میں تو وہ ایسا کھیل کھیلا کہ مذہب و اخلاق و شرافت و انسانیت نے سر پیٹ لیا۔ شیعیت کی طرف راغب ہوا تو متعہ کو جائز کر کے خود امام عادل بن بیٹھا اور سنی علماء کو اور اکابر دین کو بے حد اذیتیں پہنچائیں ... ہندومت کی طرف بڑھا

تو وضع قطع اور طرزِ معاشرت ہندوانی اختیار کی... مندر بنوا کر بت پرستی کا باقاعدہ انتظام کیا۔

(ایضاً جلد دوم ص ۱۴۳)

وہ دارا شکوہ کے متعلق لکھتا ہے۔

"اس کے عقائد اور اعمال کے باعث تینوں بھائی اور ذمہ دار علماء اسے مرتد اور اسلام سے خارج شمار کرتے تھے" (ایضاً جلد دوم ص ۱۴۷)

لہذا ایک اکبر ہی کے سلسلے میں جو کچھ اس نے لکھا ہے اس سے کتاب کی قدر و قیمت کا تعین بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ ہر چند کہ یہ کتاب فرقہ پرستی کا زہر نہیں اگلتی تاہم اس سے مسلمانوں کے اندر اس نوع کے جذبات ابھرتے ہیں کہ ہندوستان کے کٹر سنّی مسلمان حکمرانوں کے گم گشتہ ایام کو دوبارہ بحال کیا جائے۔

تجاویز: عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی جتنی تاریخی کتابیں سکنڈری درجات کے لیے شائع ہوئی ہیں ان پر از سر نو نظر ڈالی جائے۔ ایک معیاری درسی کتاب ایسے مورخوں کی سرپرستی میں لکھی جانی چاہیے جن کی ایمانداری بحیثیت سکولر مورخ کے مسلم ہے اور ان پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ یہ کتابیں اصل اور مقامی زبانوں میں شائع ہونی چاہئیں لیکن ان کا موضوع ایک ہی ہونا چاہیے۔ پرائیویٹ اداروں کو اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہیے کہ وہ اپنے طریقے سے تعلیم دیں۔ ان کا نظم و نسق، اسٹاف، نصاب اور وہ درسی کتابیں جو پڑھائی جاتی ہیں وہ سنٹرل بورڈ آف ایجوکیشن کے اختیار میں رہیں۔

میرے اپنے محسوسات۔ یہ ہیں کہ مذہب سب سے زیادہ اثر انگیز اور حرکی ہے قومی یکجہتی کی راہ میں۔ ہمارے مارکسی مورخوں کے لیے روٹی ہو سکتی ہے۔ نیز ان لوگوں کے لیے جو دنیاوی زندگی کے متمنی ہیں۔ لیکن روح کی غذا تو محبت کی شراب ہے جس کا دائمی سرچشمہ مذہب ہے۔ ہمارے دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم آج خدا کے متعلق بہت کم جانتے ہیں لیکن خدا کی وکالت سب سے زیادہ کرتے ہیں۔ ہم خدا کے لیے مسجد اور مندر کی چہار دیواری میں جنگ کر رہے ہیں لیکن ہمیں اپنے دلوں میں اس کی موجودگی کا کبھی احساس نہیں ہوتا۔ چنانچہ میری تجویز یہ ہے کہ تمام بڑے مذاہب کا تقابلی مطالعہ مختصر کے ساتھ ہماری درسی کتابوں میں شامل ہونا چاہیے کیوں کہ مختلف مذاہب کی یکتائی کی روح وہ ابدی صداقت ہے کہ خدا حاضر و ناظر ہے اور ہم سبھی اسی ارو شنی کی مخلوق ہیں۔ مذہب کی روشنی کے سامنے غلط مذہبی نعرے جو بہکانے والوں تنگ نظر والوں اور فرقہ پرستوں کی طرف سے اٹھائے جاتے ہیں، کہیں پنپ نہیں سکتے ہمارے طلبا کو چاہیے کہ وہ مذہب

کی سچی اسپرٹ کو مذہبی سیاسی پروپیگنڈے سے الگ کر دیں۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہماری تاریخ کی درسی کتابوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ وہ طلبا کو صرف سیاسی نوعیت کا سواد فراہم کریں گی۔ فتوحات اور انتظام و انصرام کی کہانیاں بڑے جوش و خروش سے پیش کی جاتی ہیں۔ نہ تو مذہب کی سچی اسپرٹ کی تعریف کی جاتی ہے اور نہ فقیروں اور سادھوؤں کی مذہبیت کو تابناک بنا کر پیش کیا جاتا۔ کہیں بھی ہندو سنتوں اور صوفیوں کی مذہبی تہذیبی ہم آہنگی کی کوششوں کی کوئی مثال نہیں پیش کی جاتی ہے۔ سکنڈری درجات کے کتنے طلبا کو یہ بتلایا گیا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء لوگوں کو بہ زور مشرف بہ اسلام کرنے کے سخت مخالف تھے اور انھوں نے جذب کے عالم میں کہا تھا۔ ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے۔

اسکول کے درجوں کی کتنی کتابیں ہیں جنہوں نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ ہندو جوگی معزز مہمانوں کی طرح صوفیوں کی خانقاہوں میں رہا کرتے تھے؟ ہمارے بچوں کو مندروں کی دولت کے حصول کے لیے محمود کی لوٹ مار کے قصے سنائے جاتے ہیں لیکن انھیں یہ نہیں بتایا جاتا کہ ہندو اس کی فوج میں بھی تھے اور معزز شہریوں کی طرح اس کی عملداری میں غزنی میں بھی رہتے تھے۔

ایسی ساری سچائیوں کو عہد وسطیٰ کی تاریخ کی درسی کتابوں میں شامل کرنا چاہیے۔

خلاصہ :

صرف عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کا میرا انتخاب منطقی ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے، عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ ترکوں کی ہندستان میں آمد اور ہندو راج کے خاتمے سے شروع ہوتی ہے۔ تاریخ کا شعور صرف لوہے کی تلوار کو جانتا ہے اور ان سپاہیوں کی ہوشیاری سے واقف ہے جنھوں نے اسے میدان جنگ میں اٹھایا لیکن وہ تاریخ داں جن کے اذہان مذہبی تنگ نظری کی شکلوں سے بنے ہوئے ہیں اسکو ایک مذہب پر دوسرے مذہب کی فتح قرار دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ عہد وسطیٰ کا ہندستان دو مذاہب اور دو کلچر کا تصادم پیش کرتا ہے لیکن اس تصادم کے یہ معنی نہیں ہے کہ ہمیشہ اسلحوں کی ٹکر ہوتی ہوگی۔ ایک عمل جذب ہونے کا ہم آہنگی کا اور مرکب بننے کا جاری تھا۔ بہر حال تاریخ والوں کا بھیس بدل کر فرقہ پرستوں کو یہ موقع ہاتھ آیا ہے کہ وہ تنگ نظری میں صداقت کو رنگ دیں۔ عصبیتوں کی روشنائی کو اچھی طرح اخلاقی صداقت کی مذمت میں بھی صرف کیا جاسکتا ہے اور نامناسب جھوٹ کی پسندیدگی میں بھی۔ ایک ہندو تاریخ داں تاریخ کی تاویل اپنے ہندو ذہن سے کر سکتا ہے اور مسلم تاریخ داں مسلم

ذہن سے عہد وسطیٰ کی مسلم ہندوستان کی تاریخ ڈھیروں سوکھی گھاس فرقہ پرستی کی ایندھن کے لیے مہیا کرتی ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو سکنڈری درجات کے جذباتی لڑکے ہیں اور دوسری طرف تاریخ کا سب سے زیادہ حساس عہد ہے۔ مذہب کو بھی مصنف نے بخشا نہیں ہے۔

"مندروں کو تہ و بالا کرنے سے ایک دوسرا فائدہ بھی تھا۔ وہ (محمود) یہ دعویٰ کر سکتا تھا۔ اور اس نے ایسا کیا بھی کہ بتوں کو توڑ کر اس نے مذہبی فضیلت حاصل کر لی ہے۔

میرا یہ خیال ہے کہ ہندوستان کی عہد وسطیٰ کی تاریخ کی درسی کتابیں طلبا کے ذہن کو خاصا مشتعل کرتی ہیں کیونکہ ان میں غیر ضروری توجہ صرف کی جاتی ہے مسلم حملہ آوروں کے بت شکنی کے واقعات کو مبالغہ آمیز طور پر پیش کرنے میں اور ان مذہبی مظالم کی پیش کش میں جنھیں کچھ بادشاہوں نے روا رکھا۔ فیروز شاہ تغلق، سکندر لودھی، جو دہلی سلطانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور مغل عہد کے اورنگ زیب یہ وہ حکمراں ہیں جو تاریخ دانوں کی عصبیت کا شکار رہے۔ ہندو ذہنیت رکھنے والے تاریخ دانوں نے ان لوگوں کو ہندوؤں اور ہندومت کے تسلیم شدہ دشمنوں کی طرح پیش کیا ہے۔ اور دوسری طرف مسلم تاریخ دانوں نے انھیں احتراماً غازی کا مرتبہ دے دیا ہے۔ اور ان کی قدر و منزلت میں انھیں ملحدوں کی سرزمین پر دین محمدی کا حامی، محافظ اور نگہبان قرار دیا۔ لیکن یہ کتاب کسی سنجیدہ فرقہ وارانہ بات سے خالی نظر آتی ہے۔ اگر کوئی بھی بات تاریخی واقعات کے سلسلے میں ایسی کہی گئی ہے جس سے احساسات مجروح ہو سکتے ہیں تو دوسری سچائی میٹھی گولی کی طرح پیش کی گئی ہے تاکہ توازن قائم رہے۔ مثال کے طور پر فیروز تغلق کی مذہبی پالیسی ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

"اس نے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ چند معاملات میں ریاست کی پالیسی پر اثر ڈالیں۔ وہ صرف غیر مسلمانوں کے سلسلے ہی میں نہیں بلکہ ان مسلمانوں کے سلسلے میں بھی جو راسخ العقیدہ نہیں تھے، کم روادار تھا۔ (ایضاً ص)

لیکن سلطان کا غیر مسلمانوں کی جانب کم رواداری کے رویے کو قدیم ہندوستانی تہذیب سے اس کی محبت ایک توازن بخش دیتی ہے۔ کتاب یہ روداد اس طرح پیش کرتی ہے۔

"فیروز کو ہندوستان کی قدیم تہذیب سے محبت تھی۔ سنسکرت کی بہت ساری قدیم کتابیں جن میں مذہب اور فلسفے کی کتابیں شامل تھیں اس نے عربی اور فارسی میں ترجمہ کرائیں" (ایضاً ص۵۳)

لیکن مصنف کا اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کے سلسلے میں جو اندازہ ہے وہ ہماری خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

"حالات اور بھی بدتر ہو گئے کیونکہ وہ ایک کٹر مسلم گروہ سے متاثر تھا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ شریعت اسلامی کے عین مطابق حکومت کرے گا .... جب اس نے جزیہ عاید کیا تو وہ غیر مقبول ہو گیا (غیر مسلمانوں پر ایک POLL TAX)۔ اسے اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ بادشاہ کا کام خوش اسلوبی سے حکومت کرنا ہے اور یہ کہ مذہب کو حکومت کے کاموں میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔ (ایضاً ص ۱۳۱-۱۳۲)

بلاشبہ مندرجہ بالا جملے صداقت پر مبنی ہیں۔ لیکن یہ نصف صداقت ہے۔ مصنف کو طلباء کے علم میں یہ بات بھی لانی چاہیے کہ اورنگ زیب نے کچھ مندروں اور گردواروں کو کچھ زمین عطیات بھی دیے۔ (دیکھیے بی این پانڈے کے خدا بخش یادگاری لکچر ۱۹۸۶ء)۔ اس کے علاوہ اورنگ زیب نے ان لوگوں کے سامنے جو کچھ ہندو افسروں کی شاہی نوکریوں سے معطلی کا مطالبہ کر رہے تھے کھلے بندوں یہ اعلان کیا کہ مذہب کو حکومت کے سیکولر کاموں سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے اور اس قسم کے کاموں میں تعصب کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ زیر تبصرہ درسی کتاب میں تاریخی صداقتوں کو کہیں بھی توڑ مروڑ کر پیش نہیں کیا گیا ہے کتاب میں کسی خاص فرقے کے بادشاہ کے لیے کوئی مدحیہ انداز اختیار نہیں کیا گیا ہے۔

"بھکتی گروہ کے اثرات کے زیر عنوان مصنف اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ:

"تمام مذاہب سچے ہیں اس اصول کی اشاعت نے سیدھا اور سچا راستہ تلاش کرنے کی ضرورت کے احساس کو گھٹا دیا چنانچہ دین حق کی اشاعت میں اس سے کافی رکاوٹ پیدا ہوئی"۔ Vol. II P. 91

سکندر لودھی کے ذاتی کردار کے متعلق مصنف نے درج ذیل باتیں کہی ہیں

"تقویٰ اور پاکبازی میں سکندر اپنے باپ سے بھی آگے تھا ارکانِ اسلام کی خود سختی سے پابندی کرتا تھا اور دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا"۔ Ibid. Vol. II. P. 47

مصنف نے ہندوؤں کے متعلق اس کے مذہبی رویے کے سلسلے میں کوئی بات نہیں کی ہے ہر چند کہ اس سے سکندر کی کٹر مذہبی فطرت کے حق میں زبردست وزن ڈالا ہے۔ لیکن اس نے یہ نہیں لکھا ہے کہ سکندر داڑھی رکھنے والوں کے لیے ایک بے رخی کا رویہ اختیار کرتا تھا (عبداللہ تاریخ داؤدی ص ۵۰، اور احمد یادگار، تاریخ سلاطین افغان ص ۴۳ میں داڑھی کے متعلق حاجی عبدالوہاب سے اپنی گفتگو کا حوالہ اس طرح پیش کرتے ہیں۔)

مغل شہنشاہ اکبر کی ہندوؤں کی جانب مذہبی رواداری کی پالیسی اور اس کی پُرخلوص کوشش ہندومت اور اسلام کی آمیزش تیار کرنے کی جانب ہندوستان کی تاریخ میں ایک عزت کا مقام پا گئی۔ اکبر کی مذہبی رواداری

اس رستے ہوئے زخم کے لیے مرہم کا کام کرتی ہے، جو اس سے پہلے کے متشدد حکمرانوں نے لگائے تھے۔ لیکن اکیڈمی تاریخ کے مصنف اکبر کی تصویر کو مانند کرنے کے درپے ہیں۔ ان پر عبدالقادر بدایونی کی مہر لگی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اکبر کے گن گائیں، وہ اسے اسلام کا دشمن قرار دے دیتے ہیں۔ اسلام کے خلاف بغاوت کے زیر عنوان وہ لکھتے ہیں:

"دین سے اس کی ساری عقیدت بغاوت میں بدل گئی اور بعد میں تو وہ ایسا کھیل کھیلا کہ مذہب و اخلاق اور شرافت و انسانیت نے سر ٹیک لیا۔ شیعیت کی طرف راغب ہوا تو متعہ کو جائز کر کے خود امام عادل بن بیٹھا اور سُنّی علماء کو اور اکابر دین کو بے حد اذیتیں پہنچائیں۔ ۔ ۔ ہندومت کی طرف جھکا تو وضع قطع اور طرز معاشرت ہندووانی اختیار کی۔ ۔ ۔ مندر بنوا کر بت پرستی کا باقاعدہ انتظام کیا۔" Ibid, VOL. II, P. 120

وہ دار الشکوہ کے متعلق یہ لکھتے ہیں:

"اس کے عقائد اور اعمال کے باعث تینوں بھائی اور ذمہ دار علماء اسے مرتد اور اسلام سے خارج شمار کرتے تھے۔" Ibid, VOL. II, P. 174

چنانچہ اکبر کا یہ جائزہ ہی اس درسی کتاب کی قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لیے کافی ہے۔ گو کہ یہ کتاب فرقہ پرستی کا مہلک زہر نہیں اگلتی ہے تاہم اس سے مسلمانوں کے جذبات اس سمت میں ابھر سکتے ہیں کہ ہندوستان کے راسخ العقیدہ مسلمان حکمرانوں کے گذرے ہوئے دور کو دوبارہ بحال کیا جائے۔

مشورے:- تمام عہد وسطیٰ کی تاریخ کی ایسی ساری کتابیں جو سکنڈری درجات کے نصاب میں داخل ہیں، نظرثانی کی مستحق ہیں۔ ایک معیاری درسی کتاب تیار کی جائے ایسے تاریخ دانوں کی سرپرستی میں، جن کی دیانتداری پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا ہے۔ کتاب کو قومی اور علاقائی زبانوں میں پیش کیا جا سکتا ہے، لیکن انکا نفس مضمون ایک ہی ہونا چاہیے۔ پرائیوٹ اداروں کو اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہیے کہ وہ تعلیم پر اپنے انداز سے دباؤ ڈالیں۔ ان کی انتظامیہ عملے، نصاب، اور جو کتابیں درجات میں داخل کی گئی ہیں وہ مرکزی بورڈ آف ایجوکیشن کے زیر نگرانی کام کریں۔

جناب اشفاق علی
لکھنؤ

جنگم باڑی مٹھ کے لیے مسلم بادشاہوں کے عطیات

جنگم باڑی مٹھ:

کاشی کی قدامت اور عظمت کی مختلف روایتوں میں سے یہاں کا "جنگم باڑی مٹھ" بھی ایک ہے۔ جنگم باڑی مٹھ اور محلے سے شاید ہی کوئی کاشی کا رہنے والا غیر متعارف ہو۔ البتہ جنگم باڑی مٹھ کے ان تاریخی منصوبوں سے ضرور ہی صرف تھوڑے سے عالم ہی باخبر ہوں گے جن پر جنگم باڑی مٹھ کی قدامت مبنی ہے۔ یوں تو کاشی میں اور بھی بہت سے مٹھ ہیں، جنکی عظمت اور قدامت کچھ کم قابل ذکر نہیں، پھر بھی لوگوں کا کہنا ہے اور جس کے لیے تاریخی ثبوت بھی ہیں کہ جنگم باڑی مٹھ یہاں کا سب سے قدیم مٹھ ہے۔ وہ صرف مٹھ ہی نہیں ایک بڑا ادارہ بھی ہے۔

یہ ویر شیو فرقہ والوں کا مٹھ ہے۔ ویرشیومت کے بانی خود بھگوان شنکر تھے۔ ایسا کہا جاتا ہے۔ اس قول کے متعلق مختلف باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ اس مت کی قدامت کے متعلق ہندو دھرم کی مستند کتابوں میں جو باتیں مذکور ہیں' وہ ویرشیومت کو شیو کی طرح ہی ازلی بتاتے ہیں۔ چینی سیاح ہیون چیانگ کے سفرنامہ میں بھی ۱۲ جگہوں پر پاشوپتوں شیووں کا ذکر ہے۔

چودہ سو سال پرانا کاغذ:

اس مٹھ میں بادشاہوں کے ذریعہ دیے گئے دان پتروں (بیناموں) کا بھی ایک اہم میوزیم ہے۔ انھیں دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ جنگم باڑی مٹھ ایک پرانا تاریخی مٹھ ہے۔ چودہ سو سال پرانا ۶۳۵ء کا ایک فرمان آج بھی مٹھ میں محفوظ ہے۔ جس پر کاشی کے اس وقت کے حکمراں شری جے سنہہ دیو کا بینامہ درج ہے جس کے مطابق انھوں نے مٹھ کو جنگم پور کی وہ زمین دان کی تھی جسمیں اب کاشی ہندو یونیورسٹی قائم ہے۔ اس فرمان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ بینامہ ایک فریم میں لگا کر آج تک مٹھ میں رکھا ہوا ہے۔ اس کاغذ کی صداقت کو چیلنج کرتے ہوئے (ضلع کورٹ سے لیکر) ہائی کورٹ تک ایک مقدمہ بھی لڑا گیا تھا جس میں بیس برسوں کی بحث کے بعد آخر میں یہ مان لیا گیا کہ یہ اور مٹھ سے متعلق دوسرے بینامے صحیح ہیں۔ کچھ مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ

ہندستان میں کاغذ کا استعمال مسلم حملہ کے بعد ہوا۔ لیکن مشہور مورخ رائے بہادر پنڈت گوری شنکر اوجھا کی کتاب "دی کرلیوگرافی آف انڈیا" میں ص ۱۷۱ پر لکھا ہوا ہے کہ عیسوی صدی کے چار سو سال پہلے بھی ہندستان میں روئی سے کاغذ بنا کرتے تھے۔ اس بنا پر بھی یہ تندر دیو کا بیعنامہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد کچھ لوگ کاغذ کی تحریر پر سوال اٹھاتے ہیں کہ چھٹی صدی میں جو تحریر رائج تھی یہ اس سے مختلف ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں بھی متعدد رائیں ہیں۔ شری لوئی رائس کی کتاب "ایپی گرافیکا کرناٹیکا" میں کہا گیا ہے کہ اس بیعنامہ کی تحریر وہی ہے جو اس زمانہ میں رائج تھی۔ یہ ماہرین تحریر کے اختلاف کا موضوع ہے۔ ہم یہاں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ الہ آباد ہائی کورٹ نے بھی بڑے بڑے مورخوں کی دلیلوں کی بنیاد پر اسے صحیح مانا ہے۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ چھٹی صدی میں یہ تندر دیو نامی کوئی شخص کاشی کا حکمراں نہیں تھا۔ اس کے خلاف تاریخ اس بات کا ثبوت ہے کہ پانچویں صدی میں قنوج کے راجہ نے کاشی پر قبضہ کیا تھا اور کاشی کے راجہ اس کے تحت خود مختار راجہ بنے رہے اس طرح یہ ثابت ہے کہ جے تندر دیو اس وقت کاشی کے راجہ تھے اور انھوں نے یہ دان کیا تھا۔ اس بیعنامہ کی ایک مصدقہ نقل تانبے کے ورق پر لکھی ہوئی ہے جسے مہاراجہ پربھو نارائن سنگھ نے لکھوایا ہے۔ یہ بھی مٹھ میں محفوظ ہے۔

مسلم حکمرانوں کے عطیات :

اس مٹھ میں ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اورنگ زیب اور محمد شاہ کے ذریعہ مختلف اوقات میں مٹھ کو دیے گئے دان پتر بھی اپنی اصلی حالت میں خستہ حالت میں رکھے ہوئے ہیں۔ ہندو راجاؤں کا مٹھ کو دان دینا تو فطری تھا ہی۔ لیکن ان مغل بادشاہوں کے ذریعہ مٹھ کو دیے گئے دان انکے تئیں آج کل رائج ہندو مخالف نظریات کا واضح تردید کرتے ہیں۔ یہ دان پتر بناوٹی نہیں۔ ضلع کورٹ سے لیکر الہ آباد ہائی کورٹ تک برسوں انکی چھان بین کی جا چکی ہے، اور سر یدوناتھ سرکار جیسے دور مغلیہ کے ماہر مورخ کو بھی انکی سچائی ماننے کیلئے مجبور ہونا پڑا ہے۔ بنارس گزیٹیر میں ص ۱۲۲ پر بھی ان فرمانوں کا صاف ذکر ہے۔ ان فرمانوں میں اس مٹھ کو دیے گئے زمینوں کا ذکر ہے۔ ہمایوں بادشاہ نے مرزا پور ضلع کے چنار نامی علاقہ میں جنگم واڑی مٹھ کے سادھوؤں کی امداد کے لیے تین سو بیگھہ زمین دان کی تھی۔ ان کے بعد کے بھی مغل بادشاہوں نے اس فرمان کو مانتے ہوئے نئے فرمان بھی جاری کیے جو اب تک مٹھ میں ہیں۔ مغل بادشاہوں کے دان پتر (فرمان) ۱۵۳۰ء سے ۱۷۲۸ء صدی تک کے بیچ کے ہیں۔ ہمایوں کے بعد اکبر نے ۴۸۰ بیگھہ زمین دان کی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان فرمانوں میں یہ ذکر نہیں ہے کہ معافی میں دی گئی یہ زمین کونسی ہے۔ اکبر کے تین فرمان یہاں ہیں۔ جہانگیر کے وقت کے بھی دو فرمان ہیں، جن میں اکبر کے ذریعہ کیے گئے دان (عطیہ) کی جانچ اور اسکی حمایت ہے۔ شاہجہاں کے وقت کے ۱۹ فرمان ہیں۔

اورنگ زیب نے خود شیو درشن کیا :

مغلوں میں سب سے سخت اور مشہور ہندو مخالف اورنگ زیب کے سلسلہ میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ جب وہ کاشی آیا، مندروں کے انہدام کی مہم میں جنگم باڑی مٹھ پہنچا۔ لیکن داخل ہوتے ہی اسے ایسا لگا کہ کوئی عظیم الجثہ کالا دیو کی شبیہ اسکی طرف سرخ سرخ آنکھوں سے دیکھ رہی ہے اور اسے نگل جائے گی۔ حکومت اور فوجی طاقت سے لیس شہنشاہ اورنگ زیب کانپ اٹھا اور فوراً باہر آیا اور مٹھ کے انہدام کا ارادہ ترک کرکے اس نے بھی زمین عطیہ کیا۔ اصل دستخط شدہ کاغذ اب تک مٹھ میں محفوظ ہے جس میں یہ سب کچھ لکھا ہوا ہے۔

اس مٹھ کے تحت نیپال کے بھرتپور نامی مقام پر بھی ایک جنگم باڑی مٹھ ہے، جسے شاہ نیپال جے ٹنڈر مل دیو نے وکرمی سمبت ۶۹۲ کی جیسٹھ شکل اشٹمی کو بھومی دان دیا تھا۔ شاہ نیپال کا یہ فرمان بھرتپور میں آج بھی ایک پتھر پر کھدا ہوا محفوظ ہے۔

جناب مہر الٰہی
علیگ وغیرہ

این سی ای آر ٹی کی تیار کردہ نصابی کتابوں میں قابل اعتراض مواد

نام کتاب۔ تاریخ اور علم شہریت (VIII)

باب ۹۔ ہندستانی قومی تحریک کا وجود میں آنا۔ (ص ۱۹۸)

تم سید احمد بریلوی کی بغاوت کے بارے میں پڑھ چکے ہو۔ اس بغاوت کو "وہابی بغاوت" کہا جاتا ہے۔ ۱۸۵۷ کے بعد بھی کافی عرصے تک یہ بغاوت چلتی رہی۔ انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں اس بغاوت کو دبا دیا گیا۔ پھر وہابی رہنماؤں نے سہارن پور کے نزدیک دیوبند میں ایک اسکول قائم کیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس اسکول کے لئے انگریزی سرکار یا اس کے حامیوں سے کوئی مدد نہیں لیں گے۔ دیوبند کا اسکول اپنے طلبا کے دلوں میں قوم پرستی کے احساس کو ابھارتا ہے۔ اس کے طلبا ملک کی آزادی کے لیے کوشش کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

Wahabi Movement کا ترجمہ وہابی بغاوت کیا ہے (۲) اس ادارے کے بانی کا نام نہیں دیا ہے۔ کس سن میں قائم کیا؟۔ (۳) اور ان شخصیتوں نے جنگ آزادی میں کیا قربانیاں دیں۔ فاضل مصنف و مرتب نے کوشش کی ہے کہ طلبا کو کم سے کم معلومات فراہم کی جائیں۔

"اسی زمانہ میں کچھ تعلیم یافتہ مسلمانوں نے حاکموں سے تعاون کی پالیسی کی ضرورت محسوس کی۔ وہ انگریز حاکموں کی مدد سے اپنی حالت بہتر بنانا چاہتے تھے۔ کچھ تحریکیں بھی شروع ہوئیں ان کا مقصد جدید تعلیم پھیلانا، پردہ کی رسم کو ختم کرنا اور ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی رسم کو ختم کرنا تھا۔ ۱۸۶۳ میں نواب عبداللطیف نے کلکتہ کی مسلم ادبی سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔" ص ۲۲۱

مندرجہ بالا تحریک کا مقصد پردہ کی رسم کو ختم کرنا یا ایک سے زیادہ شادی کرنے پر پابندی لگانا نہیں تھا۔ یہ گمراہ کن بیان ہے۔

- سماجی اور مذہبی اصلاح کی تحریکیں (ص ۲۱۳)

برہمو سماج، وید سماج اور پرارتھنا سماج اور آریہ سماج:

رام کرشنا مشن کا بیان۔

دیانند ویدوں کو مطلق سچ مانتے تھے، وہ ہندومت کو ایک متعین اور جنگجو شکل دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے

شدھی (سنگٹھن) کرنے کا طریقہ شروع کیا۔ جو ہندو بھی مسلمان یا عیسائی بن گئے تھے انہیں وہ پھر ہندو بنانا چاہتے تھے: (ص۔ ۲۲۰)

ہمارے سماجی یا مذہبی مصلح/ مبلغین خواہ کسی بھی فرقے سے متعلق ہوں وہ بھی Communalism کے حلقۂ مسموم کے اسیر تھے۔

کیا اس پہلو کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ بچوں کو سچ کے طور پر پیش کرنے کے خاص موضوع پر عمل کرنا چاہئے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ اس عبارت کو اگر حذف کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔

سرسید احمد خاں کے بارے میں نہایت کم اور ناقص معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"مسلم اصلاحی تحریکیں" (ص۔ ۲۲۰ تا ۲۲۲)

سر سید احمد خاں: سرسید احمد خاں کی پیدائش مغل دربار کے ایک سردار کے خاندان میں ۱۸۱۷ء میں ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک منصف کے عہدہ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت شروع کی۔ وہ بغاوت کے دنوں میں بھی کمپنی کے وفادار رہے اس لیے انگریزی حکام ان کی بات پر دھیان دیتے تھے انہوں نے انگریزوں کو مسلمانوں کی ضروریات کے بارے میں بتایا۔ کافی کہنے سننے کے بعد سرسید احمد خاں انگریزوں کو مسلمانوں کی حالت پر دھیان دینے کے لیے تیار کر سکے۔ مسلمان صرف یہی چاہتے تھے کہ کوئی ان کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دے۔ (جملہ اضافی ہے)

انگریزی کی کتاب History and Civics میں یہ عبارت نہیں ہے۔

ہندی Text اور اردو Text کی عبارتوں میں تقریباً یکسانیت ہے۔

"ان کے سامنے سب سے مشکل سوال (اسلام) مذہب اور تعلیم کے متعلق اصلاحی کام تھا۔ انہوں نے مسلمانوں سے پاکیزگی اور سادگی کو اپنانے کے لیے کہا جو اسلام کے بنیادی اصول تھے۔ کیا اسلام کے بنیادی اصول پاکیزگی اور سادگی ہی ہیں؟

انگلش Text کی عبارت اس طرح ہے:

"Syed Ahmed Khan (1817-98) came from a family of nobles of the Mughal Court. He joined the service of the Company as a Judicial officer and remained loyal to them during the days of the Revolt. This gave him a right to speak for his community which the rules could not long ignore. He pointed out to the British the

depressed position of the Indian Muslims when the rules had declared as their 'real enemies and most dangerous rivals.' After hard persuation, Syed Ahmed Khan was able to convince the British officials of the necessity of a better understanding of the Indian Muslims." (p.2341)

(۱) اردو ٹکسٹ میں سرسید احمد خاں ہے اور انگلش ٹکسٹ میں سید احمد خاں۔ (۲) اردو ٹکسٹ میں صرف سال پیدائش ۱۸۱۷ء دیا ہے جبکہ انگلش ٹکسٹ میں سال پیدائش اور وفات (۱۸۹۸-۱۸۱۷) دیا ہے۔

(۳) اردو اور ہندی کی کتابوں کی عبارتوں میں یکسانیت ہے۔ جبکہ انگلش ایڈیشن میں دوسری جگہوں پر بھی فرق ہے۔

- کتاب 'اسباب بغاوت ہند' کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ • صرف انگریزوں سے وفاداری کا تصور ابھرتا ہے۔
- سرسید کا اصل مقصد، مسلمانوں میں تعلیم جدید کی طرف توجہ دلانا تھا، مذہبی اصلاح نہیں تھا۔ • 'تہذیب الاخلاق' کا نام بھی نہیں دیا۔

مجموعی حیثیت سے سرسید کی تصویر ایک انگریز پرست شخص کی ابھرتی ہے۔ اور یہی مقصد معلوم ہوتا ہے۔

نتیجہ: اردو اور ہندی کے طلبا کو بعض وہ حقائق نہیں معلوم ہو سکتے جو انگریزی کے اسی درجہ کے طالب علم کو معلوم ہوتے ہیں دونوں میں یہ تفریق کیوں رکھی گئی ہے۔ اسکی کیا مصلحت ہے؟

("with courage and wisdom" کا ترجمہ)

"ہمت اور دانشمندی کے ساتھ انہوں نے ان رکاوٹوں کو راستے سے ہٹایا۔ انگریزی تعلیم پھیلانے کے لیے انہوں نے نئے اسکول قائم کیے۔ انہوں نے ۱۸۶۴ء میں سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ اس سوسائٹی نے سائنس اور دوسرے موضوعات پر لکھی ہوئی انگریزی کتابوں کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ سماجی اصلاح کے متعلق آزاد خیالوں کی اشاعت کرنے کے لیے انہوں نے ایک انگریزی۔ اردو اخبار بھی نکالا.....

(تہذیب الاخلاق کے بارے میں غلط اطلاع ہے۔ تہذیب الاخلاق صرف اردو میں نکلتا تھا۔)

ان کی سب سے بڑی کامیابی ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا قیام تھا۔ آگے چل کر وہ مسلمانوں کا سب سے اہم تعلیمی ادارہ بن گیا۔ اس میں کئی معلم انگلینڈ سے بلائے گئے تھے سارے ہندستان کے بڑے بڑے مسلمانوں نے کالج کی حمایت کی۔ انگریزوں نے اس کی توسیع میں کافی دلچسپی دکھائی۔ (ص ۲۲۳) ——

انڈین نیشنل کانگریس کے سلسلہ میں

انہوں نے مسلمانوں سے انڈین نیشنل کانگریس میں شامل نہ ہونے کے لیے کہا۔ ان کی خواہش تھی کہ مسلمان انگریزوں سے اچھے تعلقات بنا کر اپنی حالت کو بہتر بنائیں: (ص ۲۲۲)

"ब्रिटिश सरकार ने मुसलमानों को समझाया कि उनका हित हिन्दुओं से अलग होने में है। अतः अंग्रेज सरकार के प्रोत्साहन से आगा खाँ तथा अन्य मुस्लिम नेताओं ने 1906 ई० में मुस्लिम-लीग की स्थापना की।"

भाग-3.

مسلم رہنماؤں کی تصویریں:۔

تاریخ سے متعلق پہلے حصہ پر کل ۵ تصاویر ہیں۔ مسلم حکمرانوں کی تصاویر۔

• سراج الدولہ • ٹیپو سلطان • بہادر شاہ ظفر • سرسید احمد خاں • بدرالدین طیب جی • اور مولانا آزاد کی تصاویر نہیں ہیں • امرتسر میں ایک جلوس میں علی برادران۔ (دو واضح تصویر) • عبدالغفار خاں • جواہر لال کی تین جگہ مختلف پوز میں تصاویر • مہاتما گاندھی کی صرف ایک جگہ۔

۱۵۳

میری رائے ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں ایسے اقتباس لکھ کر ہندستان میں فرقہ واریت نہ پھیلایا جائے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے مگر اس میں تعصب نہ برتا جائے اور دونوں فرقوں کے بادشاہوں حکمرانوں یا بزرگوں کی ایک طرح عزت کی جائے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے مختلف عمر کے مطابق یا مختلف ضرورتوں کے تحت ہی پیش کیا جائے۔ مورخ کو ہدایت دی جائے کہ نفرت اور تعصب کا عینک ہٹا کر ہی اسکول کے طالب علموں کے لیے تاریخ مرتب کریں تو زیادہ فائدہ مند ہو گا۔ ہندستان کی یکجہتی خطرے میں ہے۔ اس لیے اس طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

ڈاکٹر ارشد الاسلام
شعبۂ تاریخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تاریخ کی درسی کتابیں: ایک تنقیدی جائزہ

(اترپردیش سے متعلق (تیسرے درجے سے آٹھویں درجے تک)

یہاں ہم مختلف درسی کتابوں کی کچھ عبارتیں ابتدائی نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس مطمح نظر کے مزید پیشکش کی وضاحت کے لیے جو تاریخ کو حکمرانوں اور بادشاہوں کی جاگیر نہیں سمجھتا۔

- وہ بہت دھن لولپ تھا اور دھن دیش بھارت پر آکرمن کر دھن لوٹنے کو اچھک تھا۔ ص ۲۲
- محمود سوئم تو پڑھا لکھا نہیں تھا پر ودّوانوں کا آدر کرتا تھا۔ ص ۲۵

ہمارا اتہاس اور ناگرک جیون (بھاگ ۔ ۲)۔

دولت کی ہوس اور جہالت دو وصف جو سطور بالا میں نظر آتے ہیں جو عوامی روایتوں میں ایک ہیرو کردار کا امتیاز کرتے ہیں۔ تاریخ اس کے اوپر اپنا مقدمہ مرکوز کرنا چاہتی ہے۔ جیسا کہ ہم محمود غزنوی کے کیس میں دیکھتے ہیں۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ سلطان ہمیشہ جنگ میں حاصل شدہ مال غنیمت کو اپنے خزانے کے لیے قانونی جائیداد سمجھتا تھا اور مندر میں دولت جمع کرنے کی خلاف ورزی کرتا تھا۔ (ناظم ۱۹۷۱، ۹۳-۱۴۳ PP)۔

حاصل شدہ ریکارڈوں کی بھرمار S.C.E.R.T کی درسی کتابوں کو پھیلاتے ہوئے اس خیال کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں کہ سلطان ہندوستان پر حکومت کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے فتح کیے ہوئے حصے کو اپنی اقلیم میں ملا لیا اور لاہور میں اپنا گورنر مقرر کر دیا۔ (ناظم ص ۱۰۱، ۱۹۷۱)۔ محمود غزنوی کو مذبذب بالایمان کے برخلاف قرآن، فقہ اور دینوی علوم میں دسترس حاصل تھی۔ اس کے باپ سبکتگین نے اسے پندنامے سے روشناس کرایا، جسے سیاست پر ایک معرکۃ الآرا تصنیف سمجھا جاتا ہے (ناظم ص ۳۵) موضوع سلطان کی علمی اور شرعی صلاحیتوں کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ اس نے تفرید الفروع نام کی ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فقہ پر ایک معیاری تصنیف تھی۔ (حاجی خلیفہ II P32)

- ترکی میں دھرم کا جوش بہت ادھک تھا۔ نئے راجیہ جیتنے کی اچھا سے بھی ان کا منوبل اونچا تھا

وے کیول وجے پراپت کرنے کے لکش کو اپنے سامنے رکھا تھا اور اسے پراپت کرنے کے لیے اچت تھا
اچوت سادھن کا پریوگ کرنے میں سنکوچ نہیں کرتے تھے۔" صا۲

ناجائز طریقے سے اقتدار کو اپنے قبضے میں کرنا سلطانوں کا آخری مقصد ہوتا۔ یہ بات اس تاریخ میں موجود ہے جو ہندوستان میں اسکول کے بچوں کو پڑھنے کو ملتی ہے۔ ترک بہرحال قبائلی تھے۔ اور ان کے اندر وحشیانہ جبلتیں موجود تھیں لیکن انھیں جمہوری اصولوں سے محبت تھی اور اکثر حالات میں جب ہو ونی حقوق کے معاملات ان کے سامنے ہوتے تو وہ انتخابات کرانے (قریشی ‎(PP. 217 1971 تاہم وہ اپنی پسند کو شاہی عمل ہی تک محدود رکھتے۔

فیروز کا اسلام دھرم میں اٹوٹ وشواس تھا پرنتو انیہ دھرم کے لوگوں کے ساتھ ان کا ویوہار ٹھیک نہیں تھا۔ اس نے انیہ دھرم کے انویایوں پر جزیہ کر لگایا۔ شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس کا ویوہار ٹھیک نہ تھا۔ اس کے شاسن میں ملا علما (اسلام دھرم کے دھان دھرم ادھیکاری) کا پربھاؤ ادھک بڑھ گیا تھا۔

"کافروں سے بغض" یہ ایک رویہ ہے جو تاریخ کی درسی کتابوں کی رسائی کی امتیازی خصوصیت ہے۔ تازہ حوالے صاف صاف درگزر اور حقائق کی غلط پیش کش کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ بلاشک و شبہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ فیروز ایک پارسا مسلمان تھا لیکن ان غیر مسلموں پر جزیہ لگانے کا حادثہ جو اس سے پہلے کے حاکموں کے دور میں معاف تھا، یہ بتاتا ہے کہ اس میں کچھ شاہی تعصب کا دخل نہ تھا۔ فیروز کی سمجھ میں راہبوں، پجاریوں اور وہ سارے لوگ جن کی مذہبی معروفیتیں ہیں نیز عورتوں اور بچوں پر جزیہ کی ادائیگی معاف ہے۔ بہرحال وہ برہمن جو پوجاپاٹ کی ذمہ داریوں سے الگ ہیں ان پر بھی یہ ٹیکس نافذ کیا گیا۔ لیکن ان پر ٹیکس گھٹا کر معمولی سی رقم کر دیا گیا یعنی دس تنکہ اور پچاس جیتل سالانہ کر دیا گیا۔ یہ کمی برہمنوں کے بڑھتے ہوئے احتجاج کے پیش نظر کی گئی" (مصنف ‎PP. 383-384 قریشی ‎(1971 (p.67 لیکن دیونی کہ اس نے (فیروز) جزیہ ذمیوں پر عائد کیا۔ گمراہ کن ہے۔ پول ٹیکس اور جزیہ کو فاتح سندھ محمد بن قاسم کے زمانے سے دیکھنا چاہیے (محمد حبل کو ان۔ ‎۱۹۶۹، ۲۸۸ P)۔ مندرجہ بالا عبارت حوالہ دیتی ہے شیعہ مسلمانوں کا ‎Per. Sc. فتوحات فیروز شاہی کا سلطان شیعوں میں ملحدوں اور ‎(IBAHATIYAHS) کو چنتا ہے اور برہمنوں کے ساتھ ان کی زناکاری کا ذکر کرتا ہے اور انھیں قتل کا حکم دیتا ہے۔ جلاوطنی اور سزا کا مرتکب قرار دیتا ہے کیوں کہ ان باتوں کے لیے ملک کے سماجی اور مذہبی قانون میں سخت مخالفت کی گئی ہے۔ (فیروز شاہ) ‎۱۰۰ PP) بہرکیف ایشور ٹوپا (۱۳۳۳) نے فیروز نے انصاف اور دادرسی کا جو قانون نافذ کیا تھا اس کی کامیابی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ کسی بھی فرد کے ہاتھ میں ایذا پہنچانے اور ظلم ڈھانے کی طاقت نہیں ہے۔

• وہ (سکندر) انیہ دھرم کے ماننے والے کے ساتھ اچھا دیوہار نہیں کرتا تھا۔ ان کے پرتی کٹھورتا کا دیوہار کرتا تھا اور ان کے پوجا پاٹ پر اس نے پرتی بندھ لگایا تھا ۹۴۔

یہ سطریں ایک ایسے مغرور شاہزادے کی نفسیاتی حالت کی ترجمانی کر رہی ہیں جو تخت کا خواب دیکھ رہا تھا۔ تاریخ داؤدی، نوجوان لودی کی زندگی کا ایک واقعہ سناتی ہے کہ مذہبی جوش میں وہ ایک پرانے مندر کو مسمار کرنے اور ہندوؤں کو مقدس پانی میں نہانے سے روکنے کے لیے جا رہا تھا کہ ایک مشہور عالم عبداللہ اجودھانی کی مزاحمت پر اس کا غصہ فرو ہوا جنھوں نے اسے محبت کے ساتھ یہ سمجھایا تھا کہ وہ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کو شہزادگی کے فرائض میں داخل کرے۔ (عبداللہ ۱۹۵۴ء) بعد میں یہ بات مشاہدے میں آئی کہ سکندر عوام کی نگاہ میں معیاری شخص قرار پایا۔ (فرشتہ p. 183) ہندوؤں نے روحانی اور علمی دائرے میں شریک ہونا شروع کر دیا اور مسلمانوں کے ذہین شاگردوں میں ان کا شمار ہونے (فرشتہ I.P. 323) ایک ہندو شاعر جو اپنے فرضی نام برہمن کے نام سے جانے جاتے تھے انھیں مسلم کالج میں پروفیسر کی جگہ ملی۔ (بدایونی I.P. 323) اس کے علاوہ بہت سارے گرنتھ (e.g. TIBBI-I-SIKANDARI) بعد کے دنوں میں سنسکرت ادب اور ویدک طریقہ علاج سے اس کی وابستگی کا ذکر کیا ہے۔ طبقات اکبری اور دوسرے ذرائع اس بات کی بے شمار شہادتیں فراہم کرتی ہیں کہ سلطان نے بغیر کسی عصبیت کے امدادی کاموں کا بیڑا اٹھایا۔ (عبداللہ مترجم نظام الدین احمد ص ۲۱۲) اس نے اپنی رعایا میں پکا ہوا کھانا اور نقد تقسیم کروایا۔ ہندوؤں کے درمیان غلہ یوں تقسیم کروایا کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق مسلمانوں کے ہاتھ کا پکا کھانا کھانا ممنوع ہے۔

• ادھیکانش سلطانوں نے بھارتی جنتا کی سکھ سویدھا پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ ان کے شاسن کا مکھیہ اُدیش یہ تھا کہ ان کی اپنی اور اپنے ورگ کی امیری و جاگیرداری کی سکھ سویدھا و شان و شوکت میں کوئی کمی نہ ہونے پائے ۹۵

سلطان اپنا ادھیکانش سمے تتھا شکتی یدھوں ہی میں لگاتے تھے۔ سلطان کے شاسن کا پرمکھ اُدیش سامراج وستار اور شترو کا دمن کرنا تھا۔ اس کارن وے اپنی پرجا کی بھلائی کے کاریہ پر ادھک دھیان نہیں دے پاتے تھے" ۹۶

تاریخ فیروز شاہی ہمیں بتاتی ہے کہ سلطانوں نے عوامی مفاد میں کون کون سے کام کیے۔ التمش نے اپنے پینے کے پانی کا ایک بڑا حوض مہرولی میں (حوض شمسی) بنوایا جو آج بھی لوگوں کے استعمال میں ہے۔ تغلق نے صرف یہ کہ سات سو میل لمبی سڑک دلی سے دولت آباد تک بنوائی بلکہ اس نے پولیس کے محکمے کی ہمت افزائی کی اور ڈاک اور مخبر کاری کے انتظامات

عوام کی بہبودگی کے لیے کیے۔ چیل بار فیروز شاہ نے سماجی حالات کا جائزہ لیا اور اس نے ایک دیوان خیرات قائم کیا تاکہ ان لوگوں کی امداد کی جائے جو جوان بیٹیوں کی شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی استطاعت نہیں رکھتے۔ (مصنف ص۳۴۹ تا ص۳۵۱) محمد تغلق نے بے روزگاری اور گداگری کے مسائل پر غور و خوض کیا اور اس نے ستی کی بھیانک اور غیر انسانی رسم کے خلاف آواز اٹھائی جیسا کہ ابن بطوطہ لکھتا ہے۔ (عماری ص۲۹)

"اچھے سینکوں کو کبھی کبھی جاگیریں دی جاتی تھیں۔ ان کے کم کو نقد یتن دیا جاتا تھا۔ یدھ سے لوٹی ہوئی سمپتی کا کچھ بھاگ سینکوں کو بھی بانٹ دیا جاتا تھا۔ کچھ ہندو سینکیں میں رکھے جاتے تھے پر انھیں اونچے پد نہیں دیئے جاتے تھے۔" ص۱۰

نہ صرف فوج میں بلکہ انتظامیہ میں بھی بہت سارے مقامی ہندوؤں کی ایسے اونچے عہدوں پر ترقی ہوگئی جس کے وہ مستحق تھے۔ تاریخ بیہقی (ص۴۱۲ تا ص۴۱۵) تلک کو پیش کرتی ہے جو کہ حجام ذات کا ہندو تھا۔ اور جو غزنوی کے عہد میں فوج کا جنرل ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے ہندو جنرلوں کا ذکر آتا ہے جنھیں ان کی وفاداری اور بہادری کے لیے سلطان ایبک اور بلبن نے القابوں سے نوازا تھا (برنی ص۱۰۷ حسن نظامی ۸۶ تا ۱۰۵) غزنوی کی فوج کے مشہور ہندو جنرلوں میں سوندی رائے ہندو بجرائے اور ناتھ شامل ہیں (ایشوری پرشاد ص۴۷) عصامی ہندو جنرلوں میں گل چندرا اور سیج رائے کا بھی ذکر کرتا ہے جو کہ غیاث الدین تغلق کی فوج میں تھے (عصامی ص۳۸۲)

"ان کا شاسن جنتا کے پریم پر نہیں ورن سینک شکتی پر آدھارت تھا۔ سلطان کی شکتی جہاں تک پہنچ سکتی تھی وہاں تک ان کا شاسن چلتا تھا۔ جس بھاگ میں ان کی سینک شکتی دربل پڑ جاتی تھی وہ بھاگ ان کے سامراج سے نکل جاتا تھا۔" ص۹۹

تاریخ کیقباد جیسے بادشاہوں کی نشاندہی کردیتی ہے جن کا واحد مشغلہ عیش کوشی تھا۔ یکا دکا بے پناہ مظالم کے واقعات تاریخ کو بدنما کردیتے ہیں لیکن بادشاہوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ انسانیت اور اعلیٰ اوصاف کے نمونہ بن جائیں ایسا ہی ہے جیسے ہم ان سے انسان کامل ہونے کی توقع کریں۔ (قریشی ص۲۲۹) وہ تفصیل سے سلطانوں کی رعایا پروری کی بات کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ (سلطان) اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ وہ خلق خدا کی خدمت کریں اور ان کا تحفظ کریں جن کی ذمہ داری ان کے سر ہے۔ (ص۲۱۹) ان کے فلاحی ادارے اسپتال، مسافر خانہ، سرائے، کاروان سرائے، اسلیے کھولے جاتے کہ عوام قحط اور خشک سالی سے محفوظ رہ سکیں، اخلاقی اصول وغیرہ، جو سلطانوں نے برتے ان کا خاصا بیان ہم عصر ماخذوں میں ملتا ہے۔ دستاویزات بتاتی ہیں کہ شاہی کچہریاں کور دہ علاقوں میں کام کرتی تھیں تاکہ غریب عوام محفوظ

دہی اور انصاف میں آسانیاں پیدا ہوں: مسالک الابصار، صبح الاعشار، عفیف فیروز شاہ اور فتوحات فیروز شاہی اس دور کے کچھ اہم ماخذ ہیں جو کہ ملیچ چلتی آرا کو رد کرتے ہیں جن کا نمونہ ہم نے اوپر کے متن میں دیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ دلی میں محمد تغلق کے عہد میں تقریباً ۷۰ ہسپتال تھے اور یہ بڑی ہی خوش اسلوبی سے کام کرتے تھے۔ یہاں معالج اور سرجن بھی تھے اور بیماروں کی خدمت کے لیے خدام بھی موجود تھے۔ اشیائے خورد و نوش اور دوائیں حکومت کی طرف سے مہیا کی جاتی تھیں۔

قریشی کہتا ہے کہ متنازعہ فیہ مسائل پر ماہر قانون داں بیٹھے رہتے تھے لیکن بالآخر رواداری اور قانون کی حکمت ہندستان میں مسلم نظام سیاست کا بنیادی اصول بن جاتے۔ بہر حال یہ بات قابل توجہ ہے کہ مغل حکمرانوں کو ہمیشہ مقامی باشندے سمجھا گیا اور انھوں نے ایک مخلوط تہذیب کے فروغ کے لیے جو کوششیں کی تھیں انھیں ہمیشہ سراہا گیا اور اس کی جھلکیاں ان کے آئین جہاں بانی، فن تعمیر، فن موسیقی اور فن مصوری میں نظر آتی ہیں۔

؀ زبان جو سلسلہ خیال کی پیشکش کا ذریعہ ہے۔ ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔ شخص طاقتوں کے کردار کی ساکھو کے تعین میں جوان کتابوں کا غالب مسئلہ ہے۔ یہاں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں یہ دکھانے کے لیے کہ کرداری پیکروں کو پیش کرنے میں کس طرح زبان استعمال کی جاتی ہے اور قاری کے ذہن پر اس کا کیا اثر قائم ہوتا ہے۔ رانا پرتاپ یا شیواجی کا ذکر شریفانہ زبان میں کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے ذکر میں جو زبان استعمال کی جاتی ہے اس سے جو پیکر ابھرتا ہے وہ ایک ولین کا ہے جو قابل نفرت ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ جن ہندوؤں کو ہندو حکمرانوں نے امتیازی حیثیت دی ان کے لیے نفرت آمیز لہجہ نہیں اختیار کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔

- ”رانا پرتاپ بھیشن یدھ کرتے ہوئے گھائل ہوئے۔“ ص ۱۲۶
- ”رانا پرتاپ اپنا راجیہ پنہ پراپت کرنے میں لگے رہے۔“ ص ۱۲۷
- ”اورنگ زیب سے ملنے وہ (شیواجی) آگرہ آئے۔“ ص ۱۵۱
- ”اورنگ زیب موغل راجیہ کی استھاپنا کرنا چاہتا تھا۔“ ص ۱۵۱
- ”اورنگ زیب جون و پشاور گیا۔“ ص ۱۵۰

شخصیتوں کے کارنامے جو جنگ آزادی کے تاریخی واقعات میں ملتے ہیں۔ ان کا ذکر غیر ذمہ دارانہ طور پر کیا گیا ہے۔ کچھ لوگ بڑی اہمیت کے حامل ہیں مثلاً کانپور کے عظیم اللہ خاں، بریلی کے بہادر خاں، احمداللہ شاہ، جنرل بخت خاں، مولوی سرفراز علی جو شہرت نہیں پا سکے۔ باوجود اس کے کہ ۱۸۵۷ء کے واقعات میں ان کا ذکر ناگزیر ہے۔ اسی طرح حسرت موہانی، علی برادران، آزاد سبحانی اور دوسرے بہت سارے لوگ جو روشنی کا مینار رہے ہیں ہماری نو آبادیات مخالف جنگ میں

بچوں کے خیال میں کوئی جگہ نہیں پاتے۔ تاریخی واقعات کی پیشکش میں مصنف کا رویہ یا تو معذرت خواہانہ ہو گیا ہے یا پھر وہ غرور و تعصب میں بہہ جاتا ہے۔ ان کی نفسیاتی صحت کا نتیجہ نہ صرف یہ کہ تاریخی تناظر کو مسخ کرتا ہے بلکہ واقعات کی غلط بیانی سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اورنگزیب کے دربار میں شیواجی کی ملاقات جذبات سے لبریز خون سے پر ہے۔ تصنیف جذبات میں بہہ جاتی ہے اورنگ زیب کے اس سلوک پر کہ اس نے شیواجی کو پنج ہزاری منصب داروں میں شامل کیا۔ اور ذرا اس رویے کا مقابلہ کیجیے شیواجی کے اس رویے سے کہ جنھوں نے اورنگ زیب سے انتقام لینے کا عہد کیا اور نتیجے میں ۱۶۷۴ء میں ذریعہ خود مختار ریاست کے طور پر مراٹھا راج قائم کیا۔ تاہم اس بات کا اعتراف کیا کہ زہر میں لہریں جو کہ لاشعور میں سرگرم عمل رہتی ہیں اپنے ساتھ غرور و عصبیت کو بھی لے کر چلتی ہیں۔ لائق تحسین احتیاط برتا گیا ہے۔ ان کے اظہار کو نظر انداز کرتے ہیں

لکشمی بائی ویش کی آزادی کے لیے انگریزوں سے لڑی۔ انتساب میں جھانسی کی رانی کے نام سے پرستش میں

شیواجی اورنگ زیب سے بیعت کرنے کیلیے آگرہ پہنچے کہ ان کا دربار میں اچھا سمان کیا جائے گا۔ کنتو اورنگ زیب کے برتاؤ سے انھیں پریشانی اٹھانی پڑی۔ ان کے دشمن ہونے پر مغل سمراٹ نے انھیں قید کر لیا۔ کنتو وہ چترائی سے دان کی مٹھائی کے ٹوکرے میں بیٹھ کر اورنگ زیب کے چنگل سے بچ کر باہر نکل آئے۔ وے متھرا ہوتے ہوئے مہاراشٹر پہنچ گئے۔ انھوں نے دوبارہ سورت پر آکرمن کر کے کافی دھن اکٹھا کیا۔ ۱۶۷۴ء میں رائے گڑھ میں بڑے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ سوتنتر شاسن کے روپ میں شیواجی راجیہ بھیشک ہوا۔

سفارشات (۱) ممتاز اسکالروں کی ایک کمیٹی کی تشکیل ہونی چاہیے جس کے سپرد یہ کام کیا جائے کہ وہ وقتاً فوقتاً تاریخ کی درسی کتابوں کا جائزہ لیتی رہے تاکہ ضروری معلومات فراہم کی جائیں اور غیر علمی تفصیلات کی اصلاح کی جائے۔

(۲) اگر تاریخ پڑھانے کا یہ مقصد ہے کہ طلبا کو تاریخ کے مختلف عہد میں سماجی اور پیداواری رشتوں کی حرکیات سے روشناس کرایا جائے۔ تو پھر اس کو اسی طرح پیش کرنا چاہیے۔

(۳) شخصی داستانوں کی طرح خوانیاں تاریخ نہیں بن سکتیں۔ اسلیے بہادری اور ہیبت کی تفصیل کی جگہ نفسیاتی سماجی اور اقتصادی محرکوں جو شاہ کی طرف سے ہوتی ہیں ان کا ذکر کرنا چاہیے۔

(۴) قوم پرستی کا وہ تصور جو درسی کتابوں میں درج ہے اس کی اصلاح ہونی چاہیے اور قوم پرور نظریات کا جامع اور صحت مند تصور پیش کرنا چاہیے۔

(۵) مصنفین کو یہ ہدایت دینی چاہیے کہ وہ ایسی زبان استعمال کریں جو ان کی ذاتی اور سماجی تعصبات کی حامل نہ ہو۔

کتابیات

فارسی اور عربی تصنیفات : عبداللہ۔ تاریخ داودی مولفہ اس۔ اے۔ رشید ۱۹۵۴ء۔ عفیف، شمس سراج۔ تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۹۰ء۔ علی بن حامد کوفی۔ چچ نامہ مولفہ ان۔ اے۔ بلوچ، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء۔ علی قلقشندی۔ صبح الاعشٰی انگریزی ترجمہ۔ اوٹو اسپائز علیگڑھ، ۔ العتبی۔ تاریخ یمینی۔ فارسی ترجمہ جرباد قانی مولفہ طہران۔ عوفی۔ جوامع الحکایات B.M.MS. OR 236 A.H. 1272 بیہقی۔ تاریخ بیہقی مولفہ A.F W.H.MORLEY. CAL. 1862.

برنی، ضیاء الدین۔ تاریخ فیروز شاہی کلکتہ ۱۸۹۰ء۔ فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ مولفہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۶۴ء۔ فیروز شاہ تغلق۔ فتوحات فیروز شاہی مولفہ اس۔ اے۔ رشید، علیگڑھ ۱۹۵۴ء۔ حسن نظامی۔ تاج المآثر، آصفیہ لائبریری No.283 ابن بطوطہ۔ رحلہ انگریزی ترجمہ آف مہدی حسن بڑودا ۱۹۵۳ء۔ عصامی۔ اے۔ ام فتوح السلاطین مولفہ یوشا۔ مدراس ۱۹۴۸ء۔ نظام الدین احمد۔ طبقات اکبری، کلکتہ ۱۹۲۷ء۔ شہاب الدین عمری۔ مسالک الابصار، انگریزی ترجمہ آئی۔ اچ۔ صدیقی، قاضی ایم احمد دہلی

جدید تصنیفات: ناظم ام۔ محمود آف غزنہ، دہلی ۱۹۶۷ء۔ قریشی، آئی۔ اچ۔ Administration of the Sultanate of Delhi, Delhi 1971 ٹوپا، الیشورا Pakistan in Pre-Mughal Times, Delhi, 1976.

مضمون۔ ظفر الاسلام

FATAWAI-I-FIRUZ SHAHI and the problems of Muslims Non-Muslims relatives in the 14th Century India. Bulletin of Comparative Religion, Hamdard Nagar. July 1981.

جناب راجا برار

تاریخ میں ہیر پھیر

اتر پردیش کی برسر اقتدار جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی نے اپنے ایک سالہ دور اقتدار میں تو اریخ کے میدان میں جو غیر معمولی تبدیلیاں کی ہیں وہ دور رس اثرات کی حامل ہیں اور یہ ملک کے سیکولر نظام اور اس کی سالمیت و یکجہتی کے لیے اپنے اندر زبردست خطرات لیے ہوئی ہے اس طرح اس سے ملکی آئین میں اقلیتوں کو حاصل تعلیمی حقوق کی بھی پامالی ہو رہی ہے۔

دراصل یہ عناصر ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کو ایک مخصوص کلچر میں رنگنے کی ایک بڑی اور منظم کوششوں میں لگے ہوئے ہیں تاکہ وہ اس ملک کی ڈگر کو اپنے مخصوص نظریہ کے عین مطابق موڑ سکیں اس سارے منصوبہ بند آپریشن کے پیچھے آر ایس ایس کے بزرگ نظریہ ساز اور تاریخ داں پروفیسر اوم ناگپالا کا دماغ ہے جو مدھیہ پردیش کالج ایجوکیشن بورڈ میں ایک کلیدی عہدہ پر فائز ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کسی تنظیم یا جماعت پر فرقہ پرستی کا بھوت سوار ہو جائے تو اس کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو جاتی ہے۔ یہ جماعت بھی ہندی۔ ہندو۔ ہندوستان' کے فلسفہ کو ان چار ریاستوں میں تھوپنا چاہتی ہے جہاں وہ برسر اقتدار ہے اور وہ اس کام کو "حب الوطنی" کا تقاضہ قرار دیتی ہے۔

بنیادی طور پر اس سوچ کے پیچھے ایک نسل اور ایک مذہب پر مبنی "راشٹر" کا نظریہ کام کر رہا ہے جو آر ایس ایس کے سابق سر سنگھ چالک (صدر) گرو گولوالکر نے پیش کیا تھا جو ہٹلر کی شخصیت سے متاثر تھے۔ ۱۹۳۹ء میں شائع ایک کتاب میں گولوالکر نے نظریہ تعمیر کی بھی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ "ہندوستان کے تمام غیر ہندوؤں کو نہ صرف ہندو کلچر کو اپنانا چاہیے بلکہ ہندو دھرم کے تئیں عقیدت و احترام کا جذبہ بھی رکھنا چاہیے اور اس کے تمام باشندوں کو خواہ وہ کسی بھی مذہب یا فرقہ یا علاقہ سے تعلق رکھتے ہوں انھیں ہندو نسل اور ہندو تہذیب کو اپنانا چاہیے۔

ان چار ریاستوں (یوپی، مدھیہ پردیش، راجستھان اور ہماچل پردیش) میں جہاں بی جے پی برسر اقتدار ہے دراصل تواریخ میں ہیر پھیر اور نصاب تعلیم میں تبدیلی کے پیچھے یہی سوچ محرک بنی ہوئی ہے۔ ان کوششوں کا مقصد آریاؤں کی بالادستی اور تفوق (Superemacy) ثابت کرنا، ویدک تہذیب و تمدن کی عظمت رفتہ کو اجاگر کرنا،

اور قرونِ وسطیٰ کے ہندو حکمرانوں کی جرأت بہادری کو سامنے لایا ہے جو دہلی کے سلاطین اور مغل بادشاہوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے تھے اس کے تحت تاریخ کی کتابوں میں صرف نئے "تاریخی حقائق" ہی شامل نہیں کیے گئے بلکہ پہلے سے موجود چند اسباق کو بھی حذف کر دیا گیا ہے۔

حال ہی میں ان ریاستوں کے وزراء تعلیم کی ایک مشترکہ میٹنگ ہوئی تھی جس میں ایک ایجوکیشن پلان تیار کیا گیا گو ماضی میں بھی اس سلسلہ میں کوشش کی جاتی رہی ہے. جنتا پارٹی کے دورِ اقتدار (۷۹ - ۱۹۷۷ء) میں بھی حکمراں جماعت میں شامل جن سنگھ (موجودہ بھارتیہ جنتا پارٹی) نے این سی ای آر ٹی کی درسی کتابوں میں تبدیلی کی مہم کی تھی مگر اس اس میں کوئی بڑی رکاوٹ نہیں ملی تھی تاہم ایل کے ایڈوانی کے وزیر اطلاعات و نشریات ہونے کے باعث سرکاری ذرائع ابلاغ میں ان عناصر کو دراندازی ہونے کا موقع مل گیا تھا۔

گو ملک میں بہت پہلے سے آر ایس ایس کا طریقۂ تعلیم رائج ہے مگر اس کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں ہے۔ آر ایس ایس کے تعلیمی نظریات کے پھیلاؤ کے لیے ودیا بھارتی نامی اس کی صفِ اول کی ایک تنظیم ہے جس کے تحت ملک بھر میں ہزاروں اسکول چل رہے ہیں. اتر پردیش میں ہی ایسے اسکولوں کی تعداد ۳۲۵ ہے جن میں تین لاکھ بچے زیرِ تعلیم ہیں ان اسکولوں میں جو نصاب پڑھایا جا رہا ہے۔ اب وہ سرکار کی سرپرستی میں چلنے والے اسکولوں میں بھی پڑھانا شروع ہو گیا ہے جبکہ مدھیہ پردیش حکومت نے اس تنظیم کو پرائمری اور مڈل اسکول سطح کے امتحانات منعقد کرنے کے اختیارات بھی تفویض کر دیے ہیں جہاں اسکے زیرِ اہتمام ۱۸۰۰ اسکول چل رہے ہیں۔

یہ عناصر اب اس ملک کی شاندار تاریخ کو مسخ کر کے اپنے مزاج اور فطرت کے مطابق بنانا چاہتے ہیں. اس سے قبل کے مورخ مغل حکمرانوں کو انگریزوں کی طرح اس ملک کا حکمراں نہیں تسلیم کرتے بلکہ انہیں غیر ملکی حملہ آور اور لٹیرا قرار دیتے ہیں یہاں تک کہ اکبر جیسے بادشاہ کو جنہوں نے صلح کل کی پالیسی کو اپنایا اور اس ملک کو اپنا مادر وطن تصور کیا. ایک غیر ملکی حملہ آور قرار دے رہے ہیں جبکہ اکبر کے سپہ سالار مان سنگھ کو "دھرتی کا لال" تصور کرتے ہیں. عہدِ وسطیٰ کی تاریخ جو ہندوستانی تاریخ کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہے۔ کو یہ عناصر مسخ کر رہے ہیں اس طرح رانا پرتاپ اور مغل حکمراں کے درمیان ہلدی گھاٹی پر اقتدار کی جنگ کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے. رانا پرتاپ نے اراولی پہاڑ پر جو کیمپ لگایا تھا اس پر کیسریا جھنڈا دکھایا جا رہا ہے شیام نرائن پانڈے کی نظم "ہلدی گھاٹی" جس کو ۱۹۸۵ء میں ہندی ادب کی کتاب سے خارج کر دیا گیا تھا اب اس کو دوبارہ شاملِ نصاب کر لیا گیا ہے۔

تعلیمی پالیسی میں جو تبدیلیاں کی گئی ہیں وہ بنیادی طور پر ایک مخصوص سیاسی جماعت کے مقاصد کی تکمیل کے لیے

میں آٹھ درجات تک کی تاریخ کی کتابوں میں سب سے بڑی اور اہم تبدیلی سندھ تہذیب یا ہڑپا تہذیب سے متعلق ہے۔
رین کو اس ملک کا ہی باشندہ قرار دیا گیا ہے اور دعوے کے ثبوت میں ہندستان کا ایک قدیم نقشہ بھی دیا گیا ہے اور کہا گیا
ہے کہ آریاؤں کا اصل وطن ہندستان ہی تھا اور وہ کسی دوسرے ملک سے نقل مکانی کر کے یہاں نہیں آئے تھے جبکہ پنڈت
جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب "بھارت ایک کھوج" میں آریاؤں کو غیر ملکی قرار دیا ہے۔

تاریخ کی کتاب کے دوسرے حصے کے باب ۱۱ میں ہندستان کی نشاۃ ثانیہ اور تعمیر جدید کے حوالے سے صفحہ ۱۱۷ پر
"دلتوں کی فلاح" مضمون میں کہا گیا ہے کہ ہندو سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کے خلاف جہاد کرنے والوں میں مہاتما گاندھی،
گوتم بدھ، رامانند، چیتنیہ پربھو، ریداس، کوم ودرشندے سوامی، شردھانند کے اصلاح معاشرہ کے پروگراموں کی چرچا کی
کی گئی ہے حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ بدھ مذہب کو ختم کرنے کے لیے اس ملک میں کیا کچھ نہیں کیا گیا۔

اس کتاب کے باب ۱۲ میں نیتا جی سبھاش چندر بوس، ۱۹۴۰ء میں ناگپور میں آر ایس ایس کے بانی ڈاکٹر کیشو راؤ
بلی رام ہیڈگوار سے ملاقات کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔ اسی باب میں ہیڈگوار کے ایک قول "بھارت بھارتیوں کے لیے ہے اور
بھارتیوں کا ہے" کو نقل کیا ہے اور پنڈت مدن موہن مالویہ سے ہیڈگوار کے دیرینہ مراسم کو اجاگر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دلتوں
کے مسیحا ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کو بھی ۱۹۳۹ء میں آر ایس ایس کے ایک کیمپ میں شریک ہونے کا انکشاف کیا گیا ہے اور اس
سبق میں لکھا گیا ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر کو یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ اب اس ملک میں ہندوؤں کی اعلیٰ ذات اور پچھڑی ذات
کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کا حوالہ دے کر سماج کے ایک بہت بڑے طبقہ کو سیاسی طور پر فرقہ پرستوں
کے قریب کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا گیا ہے۔

پہلے باب میں شہنشاہ بابر کی مذہبی پالیسی کو اپنے ڈھنگ سے پیش کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ بابر کے مقامی
نمائندہ میر باقی نے اجودھیا میں مندر کی جگہ مسجد تعمیر کرائی تھی اگرچہ یہ معاملہ ابھی متنازعہ ہے اس کے باوجود ہندو عوام
اسے ایک مندر ہی تصور کرتے ہیں اسی طرح دوسری کتاب سے گاندھی جی پر جو مضمون تھا اس کو نکال دیا گیا ہے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ
درجہ ششم کے لیے منظور شدہ ہندی کی کتاب "نو بھارتی" کے تازہ ایڈیشن میں گاندھی جی پر مضمون "میرا بچپن" کا بھی وہی حشر ہوا ہے۔

اسی طرح امریکہ کے ابراہم لنکن جنھوں نے دنیا کو جمہوری نظام کا فلسفہ دیا اور امریکہ کے صدر کی حیثیت سے انھیں
ایک قابل احترام ہستی تصور کیا جاتا ہے پر مضمون بھی "نو بھارتی" سے کھرچ دیا گیا ہے۔ درجہ ششم کے لیے ہندی کی رائج کتاب
"گیان بھارتی" سے سنت شاعر کبیر داس کو بھی نکال دیا گیا ہے۔

اسی کتاب میں حضرت محمد صاحب کے عنوان سے ایک مضمون تھا کہ اکثریتی فرقے کے بچے بھی اسلام اور اس

کے پیغمبر کی تعلیمات سے واقف ہو سکیں۔ لیکن اسے حذف کر دیا گیا ہے۔

آر ایس ایس کے افکار و نظریات کے زبردست مبلغ اور محقق پی این اوک جنھوں نے چند برس قبل ایک کتاب میں لکھا تھا کہ آگرہ کا تاج محل دراصل شیو مندر تھا جس کو مغل حکمراں شاہجہاں نے توڑ کر تاج محل بنوایا تھا اس مضمون کو سرکاری درسی کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ سرکاری اسکولوں میں رائج ترمیم شدہ ایڈیشنوں میں آر ایس ایس کے اہم لیڈروں کو جدید ہندستان کے معمار کی فہرست میں شامل کر دیا گیا ہے اور انھیں جنگ آزادی کا سورما قرار دیا ہے۔

درسی کتاب میں اجودھیا کے مندر مسجد تنازعہ کو لے کر ایک نئی تاریخ کو جنم دیا جا رہا ہے تاکہ کمسن بچوں میں بھی فرقہ پرستی کا زہر گھولا جا سکے اور ان میں مسلمانوں سے انتقام کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

ہندستان میں ودیا بھارتی کے علاوہ ایسی متعدد تنظیمیں ہیں جو تعلیم کے میدان میں ہندو کلچر کے لیے کام کر رہی ہیں۔ ان میں نمایاں طور پر ڈی اے وی ایجوکیشنل سوسائٹی ملک بھر میں ۷۵۰ کے قریب اسکول اور کالج چلا رہی ہے جس کا مقصد تعلیمی اداروں میں آریہ سماجی افکار کی تشہیر کرنا ہے۔

• رام کرشن مشن کے زیر اہتمام بھی سو سے زائد اسکول چل رہے ہیں۔ اس سوسائٹی کا صدر مقام کلکتہ ہے۔ یہ سوسائٹی وویکانند اور رام کرشن کے نظریہ کو فروغ دے رہی ہے۔ سناتن دھرم سبھا کے بھی تقریباً سو اسکول اور کالجوں کا مقصد ہندو دھرم کی تشہیر و اشاعت کرنا ہے۔ آندھرا پردیش کے علاقہ میں وویکانند مشن کے بھی تقریباً ۱۵۰ اسکول چل رہے ہیں اور اس سوسائٹی کا بنیادی کام عیسائی مشنریوں کے زیر اہتمام چلنے والے تعلیمی اداروں کا توڑ کرنا ہے۔

اتر پردیش کے وزیر تعلیم کا یہ اعلان کہ اب ان کی سرکار کسی بھی اقلیتی ادارہ کو تسلیم نہیں کرے گی کیوں کہ ان اقلیتوں کے اداروں سے علیحدگی پسندی کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے حالانکہ ملکی آئین میں اقلیتوں کو اپنی مرضی سے اسکول قائم کرنے اور انھیں چلانے کے اختیارات کی ضمانت دی گئی ہے۔

وزیر موصوف نے مزید فرمایا کہ اردو کے کسی بھی اسکول کو کھولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ علاوہ بریں انگریزی میڈیم اسکول خاص طور پر مانٹیسری اسکولوں کو چلانے پر بھی پابندی عائد کر دی جائے گی۔ کیونکہ بیشتر مانٹیسری اسکول ہندی سے منظور شدہ ہیں لیکن اس فیصلے سے صد فیصد خواندگی کی جو شرح مقرر کی گئی ہے وہ پوری نہیں ہو سکے گی۔ اتر پردیش میں ویسے بھی خواندگی کی شرح قومی سطح سے بہت کم ہے۔ اسی طرح پرائمری اسکول سطح تک سنسکرت کی تعلیم کو بھی لازمی قرار دیا گیا ہے اور اب ہر طالب علم کو خواہ وہ کسی بھی مذہب یا فرقے سے تعلق رکھتا ہو اسے لازمی طور پر سنسکرت بھی پڑھنی ہوگی۔

اردو کے سلسلے میں نرائن دت تیواری کی چیف منسٹر شپ میں اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دیے جانے کا جب

اعلان کیا گیا تھا تو اس ذہنیت سے تعلق رکھنے والے طلبا نے ایک نعرہ دیا تھا۔

اردو اگر تھوپی گئی لڑکوں پر
تو خون بہے گا سڑکوں پر

اس طرح کی لسانی جارحیت کے پیچھے جو ذہن کام کر رہا ہے وہ ملک میں اقلیتوں کی زبان اور کلچر کو فنا رفتہ نیست و نابود کر دینا چاہتا ہے، تاکہ آگے چل کر تمام اقلیتیں اس ہندو راشٹر کی دھارا میں شامل ہو کر اپنی پہچان اور شناخت کو ختم کر دیں۔ وہیں ریاستی سرکار اپنے اس طرز عمل سے ریاست کے کروڑوں نیم خواں اور جذباتی ہندو عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتی ہے جن کے جذباتی استحصال کے ذریعہ وہ راج سنگھاسن تک پہنچی ہے۔

وزیر تعلیم نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ اب ہندی کتابوں میں "گ" سے گدھا نہیں بلکہ یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ عناصر دیو مالائی کلچر کو "گ" سے "گنیش" پڑھایا جائے گا۔ اسے فروغ دینے کے لیے مذہبی ہستیوں کے نام پر تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ ایسا ہی ایک فیصلہ ریاضی سے متعلق ہے کہ اب سرکاری اسکول میں ویدک گزنت پڑھائی جائے گی۔ کیونکہ یہ حساب ویدک عہد کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ ویدک گزنت کی تدریس کے سلسلے میں صوبہ کے ریاضی کے استادوں کو لکھنؤ میں ٹریننگ بھی دی جا چکی ہے۔

درسی کتابوں میں جس طرح سے ترمیم کی جا رہی ہے اس سے کم سن بچوں کے ذہن پراگندہ ہو جائیں گے اور اس صوبہ کے طالب علموں کو قومی سطح پر مقابلہ جاتی امتحان میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ وہ اپنے ڈھنگ سے تاریخ کی تشریح کریں گے اور علم ریاضی کے سوالوں کو ویدوں کے منتروں کی روشنی میں حل کریں گے۔!!

(ملیحہ ایسٹ اینڈ نیوز الائنس)

جناب احمد یوسف
پٹنہ

بہار کی درسی کتابیں

رسول اللہؐ کے متعلق

(۱) "By the time of his (Prophet Mohammad) death, his teachings had spread over the whole of Arabia. These teachings were coll-ected in the Holy Book named the Quran." (Learning History - Ancient India - class VI, p.111).

● قرآن خدا کا کلام ہے، یہ رسول اللہؐ کی تعلیمات کا مجموعہ نہیں۔

(۲) "مسلمان محمد صاحب کے علاوہ فقیروں اور مزاروں کی بھی پوجا کرنے لگے" (سوم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم، ص ۹۰)

● مسلمان محمد صاحب کی پوجا نہیں کرتے۔ محمد صاحبؐ ان کے پیغمبر ہیں۔ ان پر کلام پاک نازل ہوا اور وہ خاتم المرسلین ہیں۔ مسلمان مزاروں کی پوجا نہیں کرتے۔ صاحب مزار سے عقیدت کے معنی پوجا نہیں ہوتے ہیں۔

(۳) "محمد نے ایک نئین دھرم اسلام کا اپدیش دیا۔" (اتہاس اور ناگرک شاستر) برائے درجہ ہفتم ص ۲

● اب تک تو ہندی کی کتابوں میں محمد صاحب لکھنے کی روایت تھی۔ اس مصنف نے "صاحب" کا استعمال بھی غیر ضروری قرار دیا۔

ہندستان میں مسلم عہد

(۴) "مسلم سامراج" (سوم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم، ص ۱۵)

● مسلمان یہاں کبھی سید کبھی پٹھان اور کبھی مغل بن کر آئے۔ اس لیے مسلم سامراج کی اصطلاح غلط ہے۔

(۵) "مسلمان آکرمن ہوتے رہے" (سوم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم، ص ۳)

● مسلمان آکرمن کی بجائے پٹھان آکرمن یا مغل آکرمن کہہ سکتے ہیں، یا پھر غزنوی کا آکرمن یا غوری کا آکرمن۔

(۶) "اس چھن بھن ہوتے ہوئے سین سامراج کو مسلم آکرمن کاریوں نے اپنے دامن سے صاف کر دیا" (سوگم بھارتیہ اتہاس – درجہ ہفتم، ص ۱۵)

● ظاہر ہے کہ جب آکرمن کاری تھے تو پھر دمن بھی کیا ہوگا۔ یہ بار بار دمن کا ذکر آپ کیوں کرتے ہیں۔

(۷) "بھارت میں مسلم سامراج استھاپت ہوا" (سوگم بھارتیہ اتہاس – درجہ ہفتم، ص ۱۸)

● مسلم سامراج کی بجائے سید سامراج، پٹھان سامراج وغیرہ کر سکتے ہیں۔

(۸) "وہ پہلا ایسا مسلم آکرمن کاری تھا جو مسلم شاسن استھاپت کرنا چاہتا تھا، اس میں اسے سپھلتا بھی ملی۔ محمد غوری کو اس کارن بھارت میں مسلم راجیہ کا استھاپک کہا جاتا ہے" (سوگم بھارتیہ اتہاس – درجہ ہفتم، ص ۲۲)

● "مسلم راجیہ" تاریخی طور پر یہ بات غلط ہے۔

(۹) اور بھارت میں مسلمان سامراج کی نیو پڑی یہ لودی خاندان (سوگم بھارتیہ اتہاس – درجہ ہفتم، ص ۵۵)

● ہر خاندان کے ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمان سامراج کی نیو پڑی۔

(۱۰) "وہ (ہیمو بقال) مغلوں کو کھدیڑ کر بھارت میں ہندو راج استھاپت کرنا چاہتا تھا" (سوگم بھارتیہ اتہاس – درجہ ہفتم، ص ۹۶)

محمود غزنوی سے متعلق

(۱۱) "۱۰۰۹ – ۱۰۰۸ میں محمود کا چھٹا آکرمن پورا پنجاب پر ہوا ... اس میں دھارمک کٹرتا بھی ادھیک تھی" (سوگم بھارتیہ اتہاس – درجہ ہفتم، ص ۳۱)

● یہاں دھارمک کٹرتا کا سوال کہاں اٹھتا ہے؟ لوٹ مار دھرم تو نہیں ہے۔

(۱۲) "محمود کے آکرمن کی ویشیشتائیں تھیں۔ لوٹ پاٹ، ہتیا، اگنی کانڈ، مندروں کی سمپتی لوٹنا، مورتیوں کو توڑنا، مورتی پوجکوں کی ہتیا کرنا وغیرہ" (سوگم بھارتیہ اتہاس – درجہ ہفتم، ص ۳۳)

● یہ جنگیں اپنے علاقوں کے توسیع کے لیے کی جاتی تھیں، سرحدیں بھی متعین شدہ نہیں تھیں۔ لیکن ان باتوں کا ذکر بار بار کرنے سے فرقہ وارانہ اشتعال پیدا ہوتا ہے۔

علاء الدین خلجی

(۱۳) "وہ (علاء الدین خلجی) پہلا ترک مسلمان تھا جس نے راجنیتی اور دھرم کو ایک دوسرے سے الگ رکھا" (سوگم بھارتیہ اتہاس – درجہ ہفتم، ص ۳۶)

● کیا اس سے پہلے ایسا نہیں تھا؟

(۱۴) "اسلام دھرم کا پرسدھ گرنتھ 'قرآن شریف' قانون کا آدھار تھا۔" (سلطنت کال، تاریخ، سوم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۲۵

● کیا سلطنت پیریڈ میں ہی بادشاہ شرعی حکومت کر رہا تھا۔ علاء الدین خلجی کے متعلق کس طرح یہ بات کہی جا سکتی ہے۔

جزیہ

(۱۵) ہندوؤں کو بھومی کر کے علاوہ مکان کر، پشو کر اور جزیہ بھی دینے پڑتے تھے" (عہد علاء الدین خلجی سوم بھارتیہ اتہاس درجہ ہفتم) ص ۴۰

● جزیہ کے متعلق تو بہت سنا گیا ہے لیکن ہندوؤں کو زمین ٹیکس اور مویشی ٹیکس دینا پڑتا تھا یہ بات نہیں کہی گئی تھی۔

(۱۶) "ہندوؤں کو لگان کے علاوہ مکان اور مویشیوں پر ٹیکس اور جزیہ بھی دینا پڑتا تھا" (بسلسلہ علاء الدین خلجی ــــ ہندوستان کی تاریخ۔ ۲۔ درجہ ہفتم) ص ۶۰

جبری مسلمان بنانا

(۱۷) "ہندوؤں کا مسلمان کے روپ میں جاتی پریورتن دو روپوں میں ہوا۔ بہت سے ہندو مسلمانوں سے دوا یک سمبندھ کر اور ان کے ریتی رواجوں کو اپنا کر سوچ سمجھ کر مسلمان بنے۔ دوسری اور دباؤ میں آکر بھی انھیں مسلمان بننا پڑا۔ سلطنت کے پرارمبھ کے سمے مسلمانوں نے دھرم پریورتن کے لیے زبردستی کی تھی۔" (سوم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۷۶،۷۷

● بڑے پیمانے پر ایسا کبھی نہیں۔

(۱۸) "اپنی شکتی کے بل پر مسلمانوں نے یہاں اسلام کا پرچار کیا۔" (سوم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۷۶

● طاقت کے بل پر عام طور سے ایسا نہیں ہوا۔ صوفیوں نے محبت کے گیت گائے۔

اورنگ زیب

(۱۹) "راجیہ کے اونچے پدوں پر اس نے پرانے مسلمانوں کو ہی نیوکت کیا۔" (سوم بھارتیہ اتہاس درجہ ہفتم) ص ۱۰۶

● غلط تاریخ۔

(۲۰) "مندروں کو تڑوا کر ان کی جگہ مسجدیں بنوائیں۔" (سوم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۱۰۷

● غلط تاریخ۔

(۲۱) "اورنگ زیب نے پاٹھ شالاؤں کی پڑھائی بند کر دی۔" (سوم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۱۲۳

● یہ کہاں تک صحیح ہے؟

(۲۲) "اورنگ زیب نے ایسے بہت سارے قانون وضع کیے جو ہندوؤں کے حق میں اچھے نہیں تھے۔ ۱۶۵۹ء میں اس نے

نئے مندروں کا بننا بند کر دیا" (ہندستان کی تاریخ - (۲) درجہ ہفتم) ص ۱۳۲

(۲۳) "تین سال بعد لگان وصولی کے شعبے میں ہندوؤں کی تقرری بند کرنے کا حکم جاری ہوا صدیوں سے ہندو ہی دیکھ بھال کرتے آرہے تھے۔ جو عہد حکومت سے ہی تقریباً یہ صورت حال رہی تھی" (ہندستان کی تاریخ (۲) درجہ ہفتم) ص ۱۳۲

(۲۴) "۱۶۷۹ء میں اس نے ہندوؤں پر پھر جزیہ نافذ کر دیا۔ یہ ٹیکس ہر بالغ کو دینا پڑتا تھا اس لیے غریبوں کو اس سے پریشانی ہوئی۔ ہولی دیوالی وغیرہ منانے کی تو بات ہی نہیں تھی" (ہندستان کی تاریخ - درجہ ہفتم) ص ۱۴۲

قومی ترانہ

(۲۵) "قومی ترانہ مندرجہ ذیل ہے۔ جن گن من ... اہم تاریخی رول ادا کرنے والے بندے ماترم گیت کو 'جن گن من' کی طرح ہی اعزاز بخشا ..." (علم تمدن حصہ دوم' درجہ ہفتم) ص ۳۷

● اقبال کے ترانہ 'سارے جہاں سے اچھا' کی بھی ایک تاریخی حیثیت ہے اور وہ آزادی سے پہلے بھی مقبول تھا اور آج تو وہ بندے ماترم سے زیادہ مقبول ہے اس کا ذکر کیوں نہیں؟

● قومی گیت میں آپ نے 'بندے ماترم' کو رکھا ہے' یہاں اقبال کے 'سارے جہاں سے اچھا' کو بھی رکھنا چاہیے۔

(ہمارا دیش - درجہ چہارم) ص ۲۱

● قومی ترانے میں جب آپ بندے ماترم کو شامل کرتے ہیں تو آپ کو اقبال کا قومی ترانہ سارے جہاں سے اچھا بھی رکھنا چاہیے" (ہمارا بھارت - درجہ چہارم) ص ۱۴

قومی دھارے سے مسلمانوں کو الگ کرنے کی پالیسی

(۲۶) قومی لیڈروں میں جہاں آپ نے ڈاکٹر راجندر پرشاد' ڈاکٹر سری کرشن سنگھ اور ڈاکٹر انوگرہ نرائن سنگھ کا ذکر کیا ہے وہاں آپ کو مولانا مظہر الحق' شاہ زبیر' ڈاکٹر محمود اور پروفیسر باری کا بھی ذکر کرنا تھا۔ (ہمارا بہار - درجہ سوم)

(۲۷) بہار کے بڑے لوگوں میں جہاں آپ نے جنک' جراسندھ' گوتم بدھ' مہابیر' شیر شاہ' کنور سنگھ اور برسا بھگوان کا نام دیا ہے وہیں آپ نے ڈاکٹر راجندر پرشاد کا نام دیا ہے۔ اس جگہ آپ کو مولانا مظہر الحق کا نام بھی دینا تھا اور ڈاکٹر راجندر پرشاد سے پہلے دینا تھا۔ (سرمایہ بہار - درجہ سوم) ص ۱۱۷

(۲۸) "ہندستان کی آزادی میں بہتری عورتوں کی کارگزاریاں قابل تعریف رہی ہیں۔ اس سلسلے میں کستوربا' سروجنی نائیڈو وکملا نہرو کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں" (سنہری زندگی - درجہ ۱۰-۹) ص ۳۲۸

● اور بی اماں - ریحانہ طیب جی' کلثوم سیانی' امۃ الاسلام اور حسرت موہانی کی بیوی بی بی - ؟

تعلیم

(۲۹) "رگ وید کے سوکت میں تعلیم کی اہمیت پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے" (علم تمدن حصہ ۲ - درجہ ہشتم) ص ۹۵

● ہندوستان میں دو بڑے فرقے ہندو اور مسلمان بستے ہیں۔ آپ تعلیم کی احادیث کے سلسلے میں رگ وید کا حوالہ دیتے ہیں تو پھر قرآن پاک اور احادیث سے حوالہ کیوں نہیں دیتے۔

متفرقات

(۳۰) "اسلام دھرم کے علاوہ صوفی سمپردائے ..."

(سوگم بھارتیہ اتہاس - درجہ ہفتم) ص ۲۹

● صوفیوں کا کوئی علیحدہ مذہب نہیں تھا وہ شریعت کے پابند لوگ تھے اور تزکیہ نفس کے مسئلے پر سختی سے کاربند تھے۔

(۳۱) آزاد بھارت نے چار بار اپنی آزادی اور سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے مذہبی لڑائی کی ہے" (علم تمدن حصہ ۲ درجہ ہشتم) ص

● یہ قومی لڑائی تھی اسے آپ مذہبی لڑائی نہ کہیں۔ مذہبی لڑائی کہنے سے کنفیوژن پیدا ہوتا ہے۔

(۳۲) عید الاضحیٰ مسلمانوں کا بہت بڑا تیوہار ہے" (ہمارا دیش - درجہ چہارم) ص ۱۱۵

● لیکن اس سے بڑا تو عید الفطر ہے جس کا آپ نے ذکر نہیں کیا۔

(۳۳) بقرعید سے زیادہ مسلمانوں کے یہاں عید کی اہمیت ہے آپ نے بقرعید کا ذکر کیا عید کا ذکر نہیں کیا ہے - (ہمارا سماج درجہ چہارم) ص ۱۱۱

(۳۴) "کنبہ کے ارکان وقت پر پوجا پاٹ وغیرہ کرتے رہتے ہیں" (زندگی حصہ ۵ - درجہ ۱۰) ص ۳۱

● مسلمان پوجا پاٹ نہیں کرتے اس لیے ان کا ذکر کرتے ہوئے پوجا پاٹ کے ساتھ عبادت بھی لکھے۔

(۳۵) "عید اور محرم مسلمانوں کے مشہور تیوہار ہیں" (ہمارا بہار - درجہ ۵) ص ۱۳۲

● محرم مسلمانوں کا تیوہار نہیں ہے یہ ان کے لیے غم کا موقع ہے۔

(۳۶) "مسلمانوں کے ویش بھوشا (پائجامہ، اچکن، شیروانی وغیرہ پہناوے) کا لوگوں نے آرمبھ کیا۔"

● اچکن اور شیروانی خاص ہندوستانی پہناوے ہیں اور ایک Composite Culture کی دین ہیں۔

(۳۷) اکبر کا استحان پر حضرت بابا شیخ سلیم چشتی رہتا تھا (اتہاس اور ناگرک شاستر - درجہ ہفتم) ص ۱۳۰

(۳۸) بدعتی مسلمانوں کا نیتا شیخ احمد سرہندی تھا" (اتہاس اور ناگرک شاستر - درجہ ہفتم) ص ۱۳۳

مختصر یہ کہ اس فرقہ پرستی نے جہالت اور گمراہی کا جال سا پھیلا دیا ہے۔

●●

ڈاکٹر غلام ربانی

ایم۔ ٹی۔ ٹی۔ کالج – ہرمو ہاؤسنگ کالونی
پوسٹ میڈیکل کالج رانچی ۸۳۴۰۰۹ (بہار)

بہار کے اسکولوں کے نصاب میں داخل تاریخ و سماجیات کی کتابوں کا جائزہ

میں نے اپنے مقالہ میں بہار کے اسکولوں کے نصاب میں داخل تاریخ و سماجیات کی کتابوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ رانچی ضلع جو بہار میں عمدہ تعلیم کا ایک اچھا مرکز ہے، اُسی کو خصوصی طور پر توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ یہ ضلع ریاست بہار میں تعلیم کے لئے انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ضلع میں پوری ریاست کے مختلف اسکولوں کے نصاب پڑھائے جاتے ہیں۔ نصاب کے لحاظ سے میں نے اسکولوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

1. Indian Certificate School Syllabus.
2. Central Board of Secondary Syllabus.
3. Bihar Secondary School Syllabus.

کوٹھاری کمیشن (National Education Commission) کی رپورٹ کا پہلا جملہ اس طرح ہے:

"The destiny of India is being shaped in her class rooms."

یعنی:۔ "भारत के भविष्य का निर्माण उसके अध्ययन कक्षों में हो रहा है।"

درجہ میں جیسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ویسا ہی ذہن بچوں کا بن جاتا ہے۔

میں (I.C.S.E.) کی تاریخ کی مندرجہ ذیل کتاب کے سطور پیش کر رہا ہوں جو نفرت اور فرقہ واریت کی فضا ہموار کرتے ہیں:

کتاب کا نام:۔

"Indian History and Culture" by S.L.Kaeley, V.K.Bhandari and T.Sushila, 3rd edition, 1987, Publisher Inter University Press P) Ltd.
Educational Publishers,
30/7 Shakti Nagar, Delhi-110007.

صفحہ ۱۱۸ پر مندرجہ ذیل سطور محمود غزنوی کے بارے میں ہیں:

عنوان :-

Mahmud of Ghazni

"In 1019 A.D. Mahmud led an expedition against Rajya Pal, the Pratihara ruler of Kanauj who submitted without resistance. The Sultan is said to have plundered as many as 10,000 temples and after collecting a huge booty returned to Ghazni."

صفحہ ۱۷۹ پر اسی عنوان کے تحت مندرجہ ذیل سطور ہیں:

"The Muslim forces reached Anhilwara in January 1025 A.D. but its ruler Bhim Dev fled for safety. More than 50,000 people were slain and huge booty fell into the hands of the invader."

اسی صفحہ پر دوسرا پیراگراف اس طرح ہے :

"His last invasion was against the Jats of Sind who had tried to deprive him of some of his booty from Somnath on his way back to Ghazni. He attacked them in 1026-27 A.D. and put many of them to death."

صفحہ ۱۸۰ عنوان The Results of Mahmud's invasions کے تحت مندرجہ ذیل سطور ہیں:

Sir Woolsely Haig rightly says

"His wanton destruction of the temples - the great institutions of art and architecture since ancient India - gave a death below to the art and architecture of the country."

صفحہ ۱۹۳ پر عنوان An estimate of Ala-ud-Din Khilji کے تحت مندرجہ ذیل سطور ہیں:

Lanepoole (aptly) says about Ala-ud-Din
"A bloody and unscrupulous tyrant yet none may refuse him the title of a strong and a capable ruler."

فیروز شاہ تغلق کے بارے میں صفحہ ۲۰۰ پر عنوان Firoz Shah Tughlaq ——— His religious - intolerance کے تحت مندرجہ ذیل سطور ہیں:

"Firoz was a devout Muslim of the orthodox Sunni and was intolerant of the practices of the Shias as well as of the Hindus. He imposed Jazia on the Brahmins, who had hitherto been exempted from it. He did not allow the Hindus to build any new temple. He also sought to secure converts from the Hindus by promising them exemption from the Jazia."

تیمور کے حملے کے بارے میں صفحہ ۲۰۱ پر عنوان Timur's invasion of India کے تحت مندرجہ ذیل

پیراگراف ہے:

"Having stayed in Delhi for a fortnight, Timur embarked upon his hamelvard journey, plundering Meerut, Haridwar, Nagarkot and Jammu on the way. He relieved the State treasury of the Delhi Sultanate of all the wealth accumulated during the past two hundred years."

تیمور ہی کے بارے میں اسی صفحہ کے دوسرے پیراگراف میں اس طرح درج ہے:

Badauni observes

"The city was utterly ruined and for the two whole months not a bird moved a wing in Delhi."

ہمایوں کے (Character) کے بارے میں صفحہ ۲۱۶ پر عنوان Humayun's character کے تحت مندرجہ ذیل جملے لکھے گئے ہیں:

"After a moment of trumph, he would make himself busy in his 'Harem' and dream away the precious hours in the opium-eaters paradise, whilst his enemies were thundering at the gate."

جہانگیر بادشاہ کے بارے میں عنوان Rebellion of Prince Khusrau کے تحت صفحہ ۲۲۵ پر مندرجہ ذیل اقتباس درج ہے:

"The sixth Guru Arjun Dev was asked to a pay a fine of rupees two lakhs for his offence of supporting Khusrau. When the Guru refused to pay the fine, he was arrested and tortured to death in Lahore."

صفحہ ۲۳۲ پر عنوان Trouble with Portuguese کے تحت مندرجہ ذیل سطور لکھے گئے ہیں:

"The Portuguese who had been in India for long, resorted to the policy of forcible convasion of Indians to Christianity. More after than not, they looted and attacked Indian ships."

صفحہ ۲۴۴ پر عنوان Aurangzeb's Religious Policy کے تحت مندرجہ ذیل اقتباس درج ہے

"Aurangzeb was an orthodox Sunni Musalman and the great object of his life was to make India a 'land fit for Islam'. He aimed at setting up a pure Islamic state based on the Quranic law. An order was issued in A.D.1659 forbidding the construction of new temples. In A.D.1664 he forbade even the repair of old temples. In A.D.1667 he imposed a professional tax on Hindu Merchants while Muslims traders were exempted from the payment of any such tax. In A.D.1668 the Hindus lose restrained from celebrating the Hindus religious fairs and festivals. In A.D.1669 a general order was issued

that all Hindus Pathshalas and temple school should be demolished. The officers of 'Public morals' were instructed to destroy Hindu place of worship. The Somnath temple at Patam, the Vishvanath temple of Varanasi and the Keshavnath temple of Mathura were razed to the ground and with their materials stately mosques were erected to deminate the cities.

Many Hindus who were unable to pay the tax, turned Mohammadans to obtain relief from the insults of the collectors. Stipends and gifts were levished on the converts and posts were offered to them in public services."

اسی صفحہ پر مصنفین نے لکھا ہے کہ :

"The acquisition of a Qanungoship on condition of embracing Islam passed into a proverb."

صفحہ ۲۲۵ پر عنوان Rebellions of the Sikhs کے تحت مصنفین نے لکھا ہے کہ :

"The peacful evolution of Sikhism had received a rude shock when their fifth Guru Arjun Dev was executed at Lahore in A.D.1606 under the orders of Jahangir.

Relations between the Sikhs and the Mughals took a crucial turn when Aurangzeb occupied the throne of Delhi.

Sikh temples were ordered to be destroyed and the ninth Guru Tegh Bahadur was summoned to the Royal Court. The Guru was asked to choose between conversion to Islam or death. On his refusal to embrace Islam the Guru was tortured for five days and eventually beheaded in December 1675 at Chandni Chawk in Delhi."

صفحہ ۲۲۵ پر عنوان Aurangzeb and the Rajputs کے تحت یہ جملہ لکھا ہوا ہے :

In the words of Smith

"The Deccan proved to be the grave of his reputation as well as his body."

اب میں ہیر سکنڈری اسکول کے نصاب میں داخل "आधुनिक भारत का इतिहास" کے چند اقتباسات پیش کر رہا ہوں جو قابلِ اعتراض ہیں :-

چند سطور صفحہ ۱۸ پر اس طرح درج ہیں:

"बाबर ने राजपूतों के खिलाफ युद्ध में जिहाद का नारा दिया था और अपने आदमियों को यह कहकर उनके विरुद्ध लड़ने के

लिए भड़काया था कि वे काफिर हैं और उनके विरुद्ध युद्ध करना उनका धार्मिक कर्तव्य है ।"

بچوں کے ذہن پر اس کا بہت خراب اثر پڑتا ہے اور فرقہ واریت کی بنیاد پڑتی ہے۔ صفحہ ۱۰۰ پر لکھا ہوا ہے کہ:

"बाबर मध्य एशिया तथा भारत पर लुटेरे दलों तथा शाही सरकार, तैमूर तथा अकबर के बीच की कड़ी है । एशिया के दो खूंखार विजेताओं चंगेज और तैमूर का खून उसकी नसों में दौड़ रहा था और तातारों की साहसिकता तथा अशान्ति उसे विरासत में मिली थी ।"

ان جملوں کے ذریعہ اسے خونخوار اور بدامنی پھیلانے والا بتایا گیا ہے اس حساب سے ابھی کے ہندستانی مسلمانوں میں اسی کا خون ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے کیا (Impression) ہوں گے۔
بچوں کے بارے میں جرم کی طرف مائل ہو جاتا اور مشغول رہتا طالب علموں کے ذہنوں کو ایک قدم اور آگے سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

صفحہ ۱۰۲ پر شاہ جہاں کے بارے میں مصنف لکھتا ہے:

"1612ई० में ही उसने यह आदेश निकाल दिया कि उसके साम्राज्य में उसके पिता के शासनकाल में जितने मन्दिरों का निर्माण आरम्भ किया गया था उन सबको गिरवा दिया जाय । इस आदेश के अनुसार केवल बनारस में ही 76 मन्दिरों को विनाश करवा दिया गया । बुन्देलखण्ड के हिन्दू मन्दिर तोड़वाये गये और जुझार सिंह के पुत्रों को मुसलमान बना लिया गया ।"

ان جملوں سے ہندو لوگوں میں مسلمانوں کے لیے نفرت، دشمنی اور عبادت گاہوں کو مسمار کرنے کا انتقامی جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

شاہ جہاں کے لیے کیسا ذلت آمیز جملہ استعمال کیا گیا ہے:

शाहजहाँ के शासनकाल का सम्पूर्ण गौरव उसके द्वारा निर्माण कराये गये भव्य भवनों पर आधारित है लेकिन यहाँ हमें यह

नहीं भूलना चाहिए कि इन भवनों का निर्माण प्रजा का रक्त-
शोषण करके किया गया था । अमीरों के धन को छीनकर प्रजा
पर अत्याधिक कर लगाकर जमा किया गया था और मज़दूरों
से प्राय: जबरदस्ती काम लिया गया था । इस प्रकार शान-
शौकत के लिए जन - साधारण का अत्याधिक शोषण किया
गया था ।"

جس تاج محل کو دیکھ کر ساری دنیا حیرت میں آجاتی ہے اور بنانے والے بادشاہ کا شوق، کاریگری اور ہندستان کی دولت ہندستان میں ہی خرچ کر کے اس کا سر بلند کرنے کے بارے میں تعریفوں کا انبار لگا دیتی ہے، جس تاج محل پر ہندستان کو فخر ہے کہ سات عجائبات میں سے ایک ہے، اس بادشاہ کے بارے میں یہ کہہ کر عوام کا خون چوس کر اور مزدوروں سے اکثر زبردستی کام لیا گیا ہے، سارا مزہ کرکرا کر دیا گیا ہے۔ حقیقی معنوں میں دیکھا جائے تو مغل بادشاہ کے بعد سے آج تک حکمرانوں نے عوام کا خون چوسا مگر ایک محل بھی تاج محل جیسا نہیں بنا کر دکھایا۔ تاریخی حقائق کو اس طرح (توڑ موڑ کر) پیش کرنا ساری خوشیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔

اورنگ زیب کے بارے میں مصنف لکھتا ہے کہ :

अपने शासनकाल के पहले समयों में उसने मन्दिरों के गिराने
का शाही फरमान जारी किया । अकेले इलाहाबाद प्रदेश
में और बनारस में 22 मन्दिरों को गिरा दिया गया ।
हिन्दुओं को मुसलमान बनाने के लिए प्रेरित किया तथा
इस्लाम धर्म स्वीकार करने के लिए बाध्य किया ।

اس اقتباس سے طالب علموں کے ذہنوں میں اورنگ زیب کے لیے نفرت پیدا ہوتی ہے اور مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبہ بھڑکتا ہے اور ان کا ذہن گندہ ہو جاتا ہے۔

اورنگ زیب کے بارے میں مصنف لکھتا ہے کہ :

"औरंगजेब ने अनेक हिन्दु मन्दिरों को गिराने के आदेश
जारी किये । जिस समय वह गुजरात का सूबेदार था उसी
समय से उसने हिन्दु मन्दिरों के विध्वंस का कार्य आरम्भ कर
दिया । अहमदाबाद के चिन्तामणि मन्दिर में गो-हत्या
कराकर उसने उसे मस्जिद में परिवर्तित करवा दिया ।

सिंहासनारूढ़ होते ही उसने यह आज्ञा दी कि कटक से मेदनीपुर तक जितने भी हिन्दू मन्दिर हैं वे सभी गिरा दिये जायें । शासनकाल के बारहवें वर्ष में उसने यह आज्ञा प्रसारित की कि हिन्दुओं के जितने भी मन्दिर हैं वे सभी नष्ट कर दिये जायें और उनके रीति रिवाजों का दमन कर दिया जाये । उसकी धार्मिक कट्टरता के कारण ही सोमनाथ का मन्दिर बनारस का विश्वनाथ मन्दिर तथा मथुरा का केशव राय का मन्दिर नष्ट किया गया । उसने मन्दिरों का निर्माण भी निषेध करवा दिया ।*

مندرجہ بالا جملوں میں مندروں کے گرانے کا حکم جاری کیا، بعض اہم مندروں کو ہتھیا کر مندر کو مسجد میں تبدیل کر دیا۔ ہندوؤں کے رسم و رواج کو ختم کروا دیا۔ سومناتھ، متھرا، بنارس کے مندروں کو برباد کرا دیا۔ اور مندروں کی تعمیر کو منع کروا دیا۔ طالب علم کے (Sentiments) کو کافی چوٹ لگتی ہے۔ زمانے سے طالب علم ان جملوں کو پڑھ رہے ہیں جس سے فرقہ واریت کی فضا تیار ہو رہی ہے۔ اور انتقامی جذبہ بھڑک رہا ہے۔ اسی جذبۂ نفرت کے تحت ہندوستان کے مختلف علاقوں میں فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو برباد کرنے اور قبضہ کرنے کی ناپاک کوششیں ہو رہی ہیں۔ طالب علموں کا ذہن گندہ اور زہر آلود ہو رہا ہے۔

مسلمانوں اور جاٹوں کے درمیان برتاؤ کے بارے میں مصنف لکھتا ہے کہ :

"मथुरा के जाटों के जमींदार गोकुल को पराजित कर सपरिवार पकड़ लिया और आगरे की पुलिस चौकी पर उसके अंगो को काट काटकर फेंक दिया गया और उसकी हत्या कर दी गयी । उसका परिवार जबरदस्ती मुसलमान बना लिया गया । पाँच हजार जाट युद्ध में मारे गये ।*

اس اقتباس سے مسلمانوں اور جاٹوں کے درمیان نفرت، دشمنی اور فرقہ واریت کا جذبہ بھڑکتا ہے۔

اسی طرح "اورنگ زیب اور راجپوت" عنوان کے تحت یہ بتایا گیا ہے کہ اورنگ زیب راجپوتوں سے جانوروں کی طرح نفرت کرتا تھا اور شیطان سمجھتا تھا۔ راجپوت طالب علموں کی خودداری کو کافی چوٹ پہنچتی ہے۔ نفرت اور دشمنی کا زہر جو ان جملوں میں بویا گیا ہے یہ آگے چل کر فرقہ واریت کا مواد فراہم کر سکتا ہے۔

میری رائے ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں ایسے اقتباس لکھ کر ہندستان میں فرقہ وارانہ پھیلایا جائے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے مگر اس میں تعصب نہ برتا جائے اور دونوں فرقوں کے بادشاہوں حکمرانوں یا بزرگوں کی ایک طرح عزت کی جائے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے مختلف عمر کے مطابق یا مختلف ضرورتوں کے تحت ہی پیش کیا جائے۔ مورخ کو ہدایت دی جائے کہ نفرت اور تعصب کا عینک ہٹا کر ہی اسکول کے طالب علموں کے لیے تاریخ مرتب کریں تو زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ ہندستان کی یک جہتی خطرے میں ہے۔ اس لیے اس طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

●●

پروفیسر ایس۔ اے۔ ایچ حقی
علی گڑھ

بہار کے اسکولوں کے نصاب میں داخل

تاریخ وسماجیات کی کتابوں کا جائزہ

ہندستان کی باتصویر تاریخ پارٹ ۱ (ہندستان کا عہد قدیم میں):

یہ ایک درسی کتاب ہے جو عہد اولیٰ سے ابتدائی عہد وسطیٰ تک کی ہندستان کی تاریخ پیش کرتی ہے نئے تعلیمی منصوبے کے تحت اس. ایل KAELER نے ترتیب دیا ہے اور وی کے. بھنڈاری اور جے. FUSTE نے اس پر نظر ثانی کی ہے. اس کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے طلبا میں قومی یکجہتی کا احساس فروغ پائے گا چنانچہ یہ کتاب اس مقصد کو بہت حد تک پورا کرتی ہے.

بہرحال یہاں ایک بیان غالباً نادانستہ طور پر شامل کیا گیا ہے جو ہماری خصوصی توجہ کا مستحق ہے. کثرت میں وحدت ہمارے سماج کی اہم خصوصیت ہے اور ہندستانی قومیت ہمارے گنگا جمنی ملے جلے کلچر کی عکاسی کرتی ہے، اور اپنے کردار میں سیکولر ہے. چنانچہ فاضل مصنفین نے (ص ۱۰۴) جو بیان پیش کیا ہے یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس کی کیا ضرورت ہے اور اس کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے. درج ذیل سطریں ملاحظہ فرمائیں.

"ویدک کلچر کا بڑا اثر یہ ہوا کہ وہ متحد کرنے والی طاقت بن گیا اور اس نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ہندستانیوں کی اکثریت کو ایک قوم میں سمونے کی صلاحیت رکھتا ہے (تاکیدی حصہ اضافہ) کیا ان کے کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ یہ صرف اکثریت ہے جو قوم کی تشکیل کرتی ہے اور یہ کہ اتحاد یا قومیت کی بنیاد مذہب پر ہے اور یوں غیر ہندو ہندستان کے قومی دھارے (main stream) کا حصہ نہیں ہیں؟

جدید تاریخ کی کتاب (بی. کے. بھٹناگر اور آئی. آر. مہتا) چنامبر بک ڈپو، نئی دہلی ۱۹۷۹ء):

یہ کتاب NCERT کے نصاب پر تیار کی گئی ہے اور ہندستانی تاریخ کے قدیم عہد کو اپنے احاطے میں لیتی ہے.

اس کی شروعات ابتدائی انسان کی زندگی سے ہوتی ہے اور یہ ہرش وردھن کے عہد پر ختم ہوتی ہے.

میرے خیال میں اس کتاب میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے. بہرحال، اس میں دو بیانات ایسے ہیں

جن پر توجہ دینے اور از سر نو سوچنے کی ضرورت ہے۔

(۱) عوام کے دلوں میں اس بات کی زبردست خواہش کہ ملک کے طول و عرض میں ایک مشترکہ تہذیب جاری و ساری ہو جائے (ص۳)

(۲) مہندر ورما کا نام، ہمیشہ تاریخ میں زندہ رہے گا کیونکہ اس نے بہت سارے عظیم الشان مندر تعمیر کرائے۔

اس عظیم اور طاقتور حکمراں نے یقینی کچھ اور بھی لائق توصیف کارنامے انجام دیے ہوں گے:

A Combined Text Book of History & Civics

(Fourth Revised Edition 1986)

ڈی۔ این۔ کنڈرا رگوئیل برادرس پرکاشن نئی دہلی:

یہ کتاب درجہ ششم کے لیے لکھی گئی ہے اور یہ .N.C.E.R.T نئی دہلی کے تاریخ اور سماجیات کے نصاب کے مطابق تیار کی گئی ہے۔

اس کا تاریخی حصہ ہندوستانی تاریخ کے عہد قدیم سے تعلق رکھتا ہے یعنی ابتدائی دنوں سے لے کر عہد وسطیٰ کے اوائل تک یہ کتاب خوش سلیقگی سے لکھی گئی ہے۔ اور میرے خیال میں اس میں کوئی ایسا قابل تنقید مواد نہیں ہے جس سے مختلف فرقوں میں آپس میں بغض و عداوت پیدا ہو اور جس سے فرقہ وارانہ اتحاد اور قومی یکجہتی پر کسی طرح اثر انداز ہو۔

Medieval India حصہ دوم۔ ستیش چندرا۔ X اور XI

میں نے نہایت درجہ دلچسپی سے اس کتاب کا مطالعہ کیا اسے پڑھ کر خوشی ہوئی، اور میں اس کے وسیع المشرب نظریے، فکری طہارت، اور عالمانہ تجزیے یا فیصلے سے جو کتاب کی خصوصیت بن جاتے ہیں بے حد متاثر ہوا۔

یہ کتاب خاصی مشہور ہے اور یہ اس لائق ہے کہ یہ بطریق احسن انسان دوستی، سیکولرزم، قومی یکجہتی، سوشلزم اور جمہوریت کے اقدار اور تصورات کو فروغ دے جیسا کہ NCERT چاہتا ہے۔

زیر تبصرہ جلد ۱۲۰۰ء سے اٹھارویں صدی کے ابتدائی حصے تک کو اپنے دائرے میں لیتی ہے۔ پروفیسر ستیش چندرا نے ان طاقتوں اور ان عوامل کو جنھوں نے عہد وسطیٰ میں ہندوستانی سماج اور اس کی تہذیب کو ڈھالا تھا خاصا اجاگر کیا ہے اور اس پر زیادہ سے زیادہ توجہ ڈالی ہے مختلف حلقے اور مختلف مذاہب کے عوام کی خدمات پر جو انہوں نے ہندوستانی سماج اور تہذیب کی ترقی کی راہ میں انجام دی تھیں۔

History & civics (برائے درجہ ششم):

یہ کتاب N.C.E.R.T نئی دہلی نے زیر سرپرستی ایک ادارتی بورڈ کے جس کے چیرمین ایس. ایس گوکل اور پروفیسر سید نورالحسن، پروفیسر ستیش چندرا اور پروفیسر رومیلا تھاپر ممبر نے تیار کی ہے اس طرح سماجیات (civics) کا حصہ DR. D.C. MULEY اور شری بی. سی. شرما نے تیار کیا ہے۔

یہ کتاب بڑی خوش سلیقگی اور خوش اسلوبی سے تحریر میں لائی گئی ہے تاکہ انسان دوستی، سیکولرزم، قومی یکجہتی، سوشلزم اور جمہوریت کی قدروں اور نظریوں کو بڑھاوا دیا جائے۔ یہ کتاب بھول چوک اور عصبیت سے پاک ہے کہ یہ باتیں بالعموم اسکول کی درسی کتابوں میں ملتی ہیں۔ یہ کتاب عہد قدیم کے ہندوستان کو معروضی اور سائنسی انداز سے پیش کرتی ہے۔ اپنے بزرگوں کے کارنامے پر یہ معقول پسندانہ اور حق پسندانہ تفاخر کے احساس کی تعلیم دیتی ہے اس خوبی کے ساتھ کہ اس میں احیاپرستانہ قوم پرستی یا عہد قدیم کے ہندوستانی سماج کی کمزوریوں اور خامیوں پر لیپ پوت کرنے کا عمل نہیں ملتا۔

بہرحال اس میں کچھ غلطیاں اور کچھ فروگذاشتیں بھی ملتی ہیں۔ پیغمبر محمدؐ کے متعلق جو صفحہ ۱۳۸ میں یہ تحریر کیا گیا ہے: "وہ اپنا رزق ان قافلوں میں کام کر کے حاصل کرتے تھے جو تجارتی سامان کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچاتا تھا" اور یہ کہ "اس طرح انہیں ویران صحراؤں میں طویل طویل سفر کرنا پڑتا تھا جس کے سبب انہیں غور و خوض کا کافی وقت ملتا تھا" وہ غلط ہے۔ وہ اس طرح کے غور و فکر اور استغراق کے لیے غار حرا میں گوشہ نشیں ہو جایا کرتے تھے یہ بیان بھی اسی طرح صفحہ ۱۳۹ پر "انہوں نے پہلے اپنے خاندان، اپنی زوجہ اور اپنے رشتہ داروں کو مشرف بہ اسلام کیا" غلط ہے۔ وہ لوگ جو ابتدا میں اسلام لائے ان میں ان کی زوجہ خدیجہؓ، ان کے دوست ابوبکرؓ، ان کے بھتیجے علیؓ اور ان کے خادم زیدؓ تھے جب کہ ان کے بیشتر رشتہ داروں نے مخالفانہ اور معاندانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا۔

History and civics (برائے درجہ ہفتم):

یہ کتاب N.C.E.R.T کی بہم کردہ ہدایات کے عین مطابق تیار کی گئی ہے اس معروضیت اور ہوشمندی کے ساتھ جو اس درسی کتاب کی خصوصیت تھی جو درجہ ششم کے لیے تیار کی گئی تھی۔ تاریخ کے حصے میں قرون وسطیٰ کا جائزہ دیا گیا ہے اور سماجیات کے حصے میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہم اپنا نظم کس طرح چلاتے ہیں، یعنی وہ دستور اور وہ حکومت جس کے زیر سایہ ہم رہتے ہیں۔

- بہرحال یہ بات حیرت انگیز نظر آتی ہے کہ اس کتاب میں جو پراز معلومات ہے اور جو کافی غور و فکر کے بعد لکھی گئی ہے کچھ ایسی فروگذاشتیں ملتی ہیں جن کے متعلق یہ تو نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ان میں حقائق کو دبا دیا گیا ہے، تاہم وہ ایک متنازعہ فیہ شخصیت کی غلط تعبیر کو یقین میں بدلنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جزیہ کو دوبارہ بحال کرنا، غیر مسلمانوں پر پول ٹیکس اور اورنگ زیب

کے ہاتھوں مندروں کو مسمار کرنے کے واقعہ (ص۲۱) کو بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ضروری وضاحتوں کے ساتھ نہیں کیا گیا ہے۔ جزیہ ایک ٹیکس تھا جو ان لوگوں پر لاگو کیا جاتا تھا جو فوجی خدمات انجام نہیں دیتے تھے اور اس کا دائرہ اثر بہت ہی ہلکا تھا۔ پجاریوں، عورتوں، بچوں، حکومت کے معذوروں اور ناداروں کو اس ٹیکس سے خارج کر دیا گیا تھا اور مندر جو مسمار کیے گئے تھے وہ مذہبی سے زیادہ سیاسی بنیادوں پر مسمار کیے گئے تھے۔ اورنگ زیب کی ہندو دشمنی کے سلسلے میں جو عام غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، انہیں دور کرنے کے لیے، اسباب کا حوالہ دینا چاہیے کہ اس نے مندروں کو عطیات دیے، کبھی کبھی خاص اپنی تحریر میں اپنی مہر کے ساتھ اور یہ کہ ہندو منصب داروں کی تعداد اس کے عہد میں اکبر کے عہد سے کہیں زیادہ تھی اور ہندو امراء میں مراٹھے نصف سے زیادہ تھے۔

(برائے درجہ ہشتم)

زیر تبصرہ کتاب NCERT کے زیر اہتمام تیار کی گئی۔ یہ آج کے ہندوستان کی تاریخ اور آزاد ہندوستان کے بعد کے نمایاں اور چنوتیوں پر بحث کرتی ہے۔ اسے پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور اس نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ ہماری تاریخ اور سیاست کتاب وہی ہو اس کا معیار کیا ہوتا اور وہ کتنی سست جاتی اگر ہماری نسل کو ایسی کا غیر جانب دار اور متوازن تاریخ جدید ہندوستان کی پڑھنے کو ملتی۔ یہ تاریخی ارتقاء کا تجزیہ افراد خاص خاص واقعات کے مطالعہ سے نہیں کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم لوگوں نے اسکول کے دنوں میں کیا تھا بلکہ تحریکوں اور اداروں کے مطالعہ کے ذریعے کرتی ہے۔

سماجیات کا حصہ روشن خیال شہریت کی ضرورتوں کو گرفت میں لاتا ہے اور کل کے شہریوں کو ہمارے قومی مقاصد اور جمہوریت، ہندوستانی سماج اور ہمارے سماجی مسائل اور اقتصادی چنوتیوں، پنج سالہ منصوبے، بڑھتی ہوئی آبادی اور ترقی اور افراط زر میں ہندوستان کی دفاعی اور خارجہ پالیسی، ہمسایوں کے ساتھ تعلقات اور ہندوستان اور U.N. کے متعلق انہیں آگاہ کرتا ہے۔

بہرحال میرے خیال میں کتاب میں ایک بڑی فروگذاشت رہ گئی ہے اور وہ ہے انتہا پسندوں کے کردار کے سلسلے میں۔ انتہا پسند سیاست میں انتہا پسند تھے لیکن سماجی معاملات میں قدامت پسند اور احیاء پسند بھی تھے۔ اس کتاب کی تعدد قیمت میں مزید اضافہ ہو جاتا، اور فرقہ پرستی، ذات پرستی، علاقائیت اور جارحانہ وطن پرستی کے متعلق جیں بیج ادراک حاصل ہوتا حوالے دیے جاتے انتہا پسندوں کے اس رول کے متعلق جو انہوں نے احیاء پرستی کی تعلیم اور اسے بڑھاوا دینے کے سلسلے میں انجام دیے۔ جس نے برطانوی راج کی خاطرانہ پالیسی کے ساتھ مل کر ایسے بیج بوئے کہ اس نے چالیس کے عشرے اور آنے والے عشروں میں ایسی فصل پیدا کی جو سخت ضرر رساں تھی۔

یہ کتاب مڈل اسکول کے درجات کے لیے تاریخ کی تین کتابوں کے سلسلے کی پہلی کتاب ہے۔ مصنف نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ ماضی کے مطالعے میں طلبا کی دلچسپی اور ان کی شرکت کو زیادہ کریں۔ اس طرح جہاں ممکن ہو وہاں پڑھنے کے لیے ماضی کو زندہ کریں کہ اس طرح ماضی کے واقعات آج کے حالات سے ہم رشتہ ہو جائیں اور یہ کام انہوں نے بے حد حسن و خوبی سے انجام دیا ہے۔

میرے خیال میں سماج کے مختلف حلقوں میں معروضیت اور دوستانہ تعلقات کے زاویہ نگاہ سے اس میں کوئی بات قابل اعتراض نہیں ہے۔ بہر حال، یہ بات بے محل نہیں ہوگی اگر یہ بتایا جائے کہ اشوک کی تعریف و تحسین اکبر کے اس کام کو نظرانداز کر دیتی ہے کہ اس نے اپنی عظیم سلطنت کے مختلف فرقوں میں ہم آہنگی پیدا کی تھی (ص ۵۸)، اسی طرح وہ شنکراچاریہ کے اس رول کو جو انہوں نے بدھ مت کے زوال یا انہیں آخری ضرب پہنچانے کے سلسلے میں ادا کیا تھا نظرانداز کر جاتی ہے، اور مٹھوں اور لائبریریوں کو جس پرجوش انداز سے انہوں نے تباہ کیا تھا مسلمانوں سے منسوب کر دیتی ہے جو یقیناً قابل گرفت عمل ہے۔

AN ILLUSTRATED HISTORY OF INDIAN BOOK

(Oxford University Press, 1977)

یہ کتاب عام درسی کتابوں سے بالخصوص ان کتابوں سے جو ۶۰ کے عشرے تک رائج تھیں، ایک خوش آیند انحراف ہے۔ یہ تقریباً چار سو سال کے عرصے کو اپنے احاطے میں لیتی ہے یعنی سولہویں صدی میں یا بعد یورپی تجارتی بستیوں کے قیام کے بعد سے ۱۹۴۷ء میں حصول آزادی کے وقت تک۔ یہ کتاب ہندوستانی سیاست کی تاریخ کی ان درسی کتابوں میں ایک اور کا اضافہ نہیں کرتی جن میں بالعموم جنگجوؤں کی تفصیل، انتظامی اصلاحات اور دستوری ارتقا کا حال ملتا ہے۔ مصنف نے یہ سب بھی کیا ہے لیکن یہ اس غرض سے کیا ہے تاکہ وہ اس دور کی تاریخ کا تعین کرتے ہیں یعنی اقتصادی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی عوامل کو ایک دوسرے کے پابند دکھا سکیں۔ یہ کتاب جو بصورت دیگر قابل قدر تصنیف ہے اس میں مصنف کے یک طرفہ طریقہ فکر سے لوگوں کو حیرت ہوتی ہے۔ وہ مختلف عقائد کے کارہائے نمایاں کو اجاگر کرنے میں ناکام ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ہندوستانی سماج کی نشوونما اور تحریک آزادی میں مسلمانوں نے جو رول ادا کیا ہے اسے وہ احاطۂ تحریر میں نہیں لے سکا ہے۔ مثال کے طور پر اس کتاب میں حضرت محل، بخت خاں، بدرالدین طیب جی، محمد علی، شاہنواز حسین اور مولانا آزاد کے نام کی تلاش بھی لاحاصل ہے۔

جناب اشفاق علی
لکھنؤ

تاریخی کتب میں زہریلا مواد

چونکہ ساؤتھ ایشین ریجنل سیمینار صوبہ بہار کے صدر مقام پر منعقد ہو رہا ہے، اس لیے میں سب سے پہلے ایک ایسے حکمراں کے حالات پر مبنی کتاب کے سلسلہ میں گفتگو کرنے جا رہا ہوں جس کا تعلق اسی صوبہ بہار کے مشہور مقام سہسرام سے تھا، یعنی شیر شاہ سوری۔ کتاب کا نام ہے "شیر شاہ اور اس کا عہد"۔ مصنف کا نام ہے "کالکا رنجن قانون گو" جن کے مترجم ہیں "مرکنڈام آر سے شرما" (جنھوں نے زبان اردو میں ترجمہ کیا ہے) اور اس کے ناشر ہیں ترقی اردو بورڈ کے محقق صاحب، آر۔ کے پورم نئی دہلی ترقی اردو بیورو کا سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۵ ہے۔

اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں نیشنل پریس رنجیت نگر نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ کتاب کی طباعت کا مقصد اس کے پیش لفظ اور دیباچہ میں یہ بیان کیا گیا ہے:

> "اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے حکومت ہند وزارت تعلیم و ثقافت کے تحت ماہرین سے جدید علوم پر ایسی کتابیں لکھوانا جو کہ زبان اور قوم کی ترقی میں معاون ثابت ہوں۔"

اب میں اس کتاب کے کچھ اقتباسات بطور نمونہ پیش کر رہا ہوں، جس کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ یہ کتاب اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہے:

> "اگرچہ کچھ عرصہ قبل شہر بند کے [illegible] درگاہوں میں قیام کرنے والے عالموں کی زندگی کا مطالعہ [illegible] توجہ سے دیکھتے تو [illegible] لیکن [illegible] نسبتاً کہیں زیادہ آزاد اور بے فکر اور [illegible] ہوتے تھے۔" ص ۹۰

اس تقسیم میں مسلمانوں کے متعلق نامناسب تبصرہ کیا گیا ہے، یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "[illegible] جب کسی موقع پر فرشتہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے [illegible] عمر بن خطاب بن عامل نے اپنے [illegible] ایک مشک سے [illegible] کر دی تھی جس سے کہ رسول اللہ [illegible]" ص ۲۰۳

(۲)

اب ہم تاریخ کی دوسری کتاب "تاریخ شاہجہاں" پیش کرتے ہیں۔

کتاب کا نام: ——— تاریخ شاہجہاں۔ مصنف کا نام: ——— ڈاکٹر بنی پرشاد سکسینہ۔ مترجم کا نام: ——— سید اعجاز حسین۔ اشاعت: ——— ترقی اردو بورڈ کی طرف سے پاشتراک انڈین کونسل آف ہسٹوریکل ریسرچ نئی دہلی سے شائع ہوئی۔

اس کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں جس میں شاہجہاں کی کردارکشی بے رحمی سے کی گئی ہے:

پہلا اقتباس:۔ "برنیر (مستشرق عالم) کا الزام ہے کہ شاہجہاں کا ناجائز تعلق اپنی لڑکی جہاں آرا سے تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ شاہجہاں کی بڑی لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ اس کے اعضاء جسم نہایت دلکش تھے۔ اس کا باپ اس سے پرجوش انداز میں محبت کرتا تھا۔ افواہ یہ ہے کہ اس کی انسیت بڑھتے بڑھتے اس درجہ پر پہنچی جس کا ذکر کرنا مشکل ہے۔" ص ۲۸۶

اس میں خاص بات یہ ہے کہ ہندستانی مورخ ایک یورپی مورخ کے حوالہ سے بات کرتا ہے۔ جو کہ مغلوں کو بدنام کرنے میں کافی بدنام ہے۔

دوسرا اقتباس:۔ " اس کا جواز ملاؤں کے فتوے پر تھا۔ یہ لوگ ماہرین قانون شریعت سمجھے جاتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نامناسب ہوتا کہ بادشاہ کو اس درخت سے پھل حاصل نہ کرنے دیا جائے جس کو اس نے لگایا ہو۔" ص ۲۸۷

اس اقتباس میں علماء شریعت پر براہ راست حملہ کیا گیا ہے۔ اور انھیں کس قدر گھٹیا درجہ فتوی فروش ثابت کیا گیا ہے۔

تیسرا اقتباس:۔ " اگرچہ یہ امر قابل یقین ہے کہ شاہجہاں بے حد نفس پرستی کا دلدادہ تھا۔ اس کے ماننے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی لڑکی مختلف ناجائز معاشقوں میں ملوث تھی۔ اس لیے اس کی نظر میں یہ بات قابل یقین معلوم ہوتی ہے کہ باپ و بیٹی اتنے بداخلاق ہو سکتے ہیں جتنا وہ مورد الزام ٹھہرائے گئے ہیں۔" ص ۲۸۸

اس اقتباس میں جہاں آرا بنت شاہجہاں کے متعلق کتنے گرے ہوئے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

چوتھا اقتباس:۔ " منوچی کہتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں کو صرف ایک فکر عورت کی تلاش کی رہتی تھی۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ جعفر خاں اور خلیل اللہ خاں امراء کی بیویوں سے شاہجہاں کے تعلقات ناجائز

تھے۔ یہ بات اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ جب جعفر خاں کی بیوی باہر نکلتی تو بھکاری اس کو پکار کر کہتے:
"اے شاہجہاں کی داشتہ ہم کو بھی یاد رکھنا۔" ص ۲۸۵

ان الزامات کو پڑھنے کے بعد نئی نسلوں کے ذہن میں شاہجہاں کی کیا تصویر قائم ہو گی۔

اس سلسلے میں خود مصنف کتاب بنی پرشاد صاحب سکسینہ کی رائے بڑی اہمیت کی حامل ہے جو انھوں نے شاہجہاں کے متعلق قائم کی ہے:

"کوئی عیش پسند بدکار اس بلندی کو نہیں پہنچ سکتا۔ بحیثیت شاہزادہ وہ ہم کو فرض شناس معلوم ہوتا ہے۔ بحیثیت حکمراں اس نے اپنے دل و دماغ کے وہ جوہر دکھائے جو ایک بادشاہ کے شایانِ شان ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ خون میں تیر کر تخت تک پہنچا تھا، لیکن وہ مہربان اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ قدرت نے اس کو غیر معمولی گرمیٔ عمل، زبردست تنظیمی، شجاعت، ہمت اور سب سے بڑھ کر عدیم المثال ملوکانہ قوت عطا کی تھی۔" ص ۲۸۹

آگے چل کر مصنف کتاب سکسینہ صاحب مغربی سیاحوں کے بیانات کو خود ہی تسلیم نہیں کرتے ہیں:

"۱۷ ویں صدی کے نصف اوّل میں بڑی تعداد میں مغربی سیاح ———— ہندستان آئے۔ ان سیاحوں کو فوجی برتری کا وہم تھا۔ ہندستانیوں کیلئے وحشی کا لفظ ان کی زبانوں پر تھا۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جن کو مستند سیاسی حالات کی آگاہی نہ تھی۔ اس لیے انھوں نے افواہ اور بازاری خبروں کا قلمبند کرنا کافی سمجھا۔ ان میں بعض تو کم تعلیم یافتہ اور نااہل تھے۔ وہ صحیح زاویۂ نظر سے کام نہ لے سکتے تھے۔ جو سیاح تعلیم یافتہ اور بلند خاندانوں سے متعلق تھے، ان میں ایک دوسرے قسم کا عیب تھا۔ یہ لوگ مغل حکومت اور ہندستانی اداروں کو اس نظامِ حکومت کی کسوٹی پر پرکھتے جو ان کے ذہنوں میں پہلے سے تھا۔ جب نتیجہ ان کی امیدوں سے کم نظر آتا تو معائب کو زیادہ اہمیت دیتے اور محاسن کو نظر انداز کر دیتے۔ میرا خیال ہے کہ ان سیاحوں کا بیان صداقت سے دور ہے۔" ص ۳۰

کیا اس متنازعہ اور غیر ثابت زدہ مواد کے پڑھنے سے ہندستانیوں کے دلوں میں قومی یکجہتی اور محبت پیدا ہو گی یا اس کو پڑھ کر تاج محل کے خالق اور لال قلعے کے معمار کے متعلق انتہائی نفرت انگیز بدگمانیاں جنم لیں گی۔

ہندستانی مورخین سے میری درخواست ہے کہ وہ تاریخ ایسے مقدس موضوع کو متنازعہ شبہات اور نفرت انگیز مواد سے پاک رکھنے کی کوشش کریں، تاکہ ہندستانی تاریخ ہماری نئی نسل کو تعمیری ذہن عطا کر سکے۔

●●

ڈاکٹر اخلاق اثر
بھوپال

مدھیہ پردیش کی درسی کتابوں میں دل آزاری

درسی کتابیں اگرچہ استاد کے لیے تعلیمی مواد کے معیار و مقدار کا نمونہ ہوتی ہیں لیکن طلبہ کے لیے نئی معلومات کا ریکارڈ ہونے کے علاوہ ایک ایسی شاہراہ کی طرح ہوتی ہیں جس پر تعلیم کا کارواں گامزن ہوتا ہے۔ ان کی حیثیت ایک میدان جیسی ہوتی ہے جہاں طلبہ مہارت زبان کی مشق کرتے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود درسی کتاب کی حیثیت ایک ذریعہ سے زیادہ نہیں کہ تعلیم بغیر درسی کتاب کے بھی دی جاسکتی ہے۔

ہر برس تقریباً چار سو کروڑ روپے کی درسی کتابیں شائع ہوتی ہیں لیکن ابھی تک درسی کتابوں پر اس پایہ کی تحقیق نہیں ہوسکی ہے جس کی وہ متقاضی ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سے مختلف زاویوں سے درسی کتابوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جہاں تک اردو اور اقلیتی مسائل کا تعلق ہے۔ ایک تحقیقی مقالے میں اردو اور ہندی کے الفاظ کا درسی کتب کے نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ دوسرے مقالے میں درسی کتب میں اقلیتی فرقے کی زندگی کی جھلکیوں کا جائزہ لیا گیا جو ناقابل اطمینان تھا۔

مولانا آزاد کے دور وزارت اور ڈاکٹر ذاکر حسین کے دور صدارت میں درسی کتابوں اور اقلیتی فرقے کے مسائل سے متعلق کئی وفود نے دونوں ماہرین تعلیم سے ملاقاتیں کی تھیں۔ مرکزی حکومت نے ۱۹۶۸ء میں غلام السیدین کمیٹی تشکیل دی تھی جس کی رپورٹ شائع نہیں ہوسکی۔ اس کے بعد سری نگر میں قومی یکجہتی کانفرنس نے درسی کتابوں خاص طور سے تاریخ کے موضوع پر قومی مفادات کو ملحوظ رکھنے پر زور دیا تھا۔ این سی ای آر ٹی نے قومی یکجہتی کے نقطۂ نگاہ سے درسی کتابوں کا تجزیہ کروایا تھا اور ۱۹۸۷ء میں مدراس میں منعقدہ درسی کتابوں سے متعلق سہ روزہ کانفرنس میں درسی کتابوں کے جو بنیادی اور مرکزی عناصر لازم قرار دیے تھے ان میں سیکولرزم اور مشترکہ تہذیبی ورثہ کے تحفظ کو بھی شامل کیا تھا۔ مہاراشٹر میں سروودھرم سمبھاؤ کمیٹی نے بھی اسی نوعیت کا کام شروع کیا تھا جو بعض اسباب کی وجہ سے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

ان ساری کوششوں کے علاوہ تمام ادارے جو درسی کتابیں شائع کرتے ہیں وقتاً فوقتاً کتابوں کا تجزیہ

کرواتے رہتے ہیں اور غیر ضروری، غیر حقیقی اور قابل اعتراض مواد کو نئے اڈیشنوں سے خارج کرواتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی درسی کتابوں میں قابل اعتراض مواد کم علمی یا لاعلمی کی وجہ سے راہ پا لیتا ہے۔ کبھی کبھی دل آزار مواد بعض تعصبات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ قابل اعتراض مواد اکثریتی فرقہ کا پیداوار ہو۔ کبھی کبھی ایک ہی فرقہ کے ذیلی فرقوں میں بھی بعض تحریریں دل آزاری کا سبب بن جاتی ہیں۔ تہذیبی زندگی اور اس سے وابستہ تصورات کے علاوہ قومی نظریات، تاریخی واقعات، تاریخ کی تعبیر و تشریح اور عقائد کے اظہار میں مختلف طبقوں اور فرقوں میں بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں جو کبھی کبھی مذہبی فسادات کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم ان تمام عناصر کا جائزہ لیں تو درج مواد کبھی فرقوں اور کبھی قومی نقطہ نگاہ سے قابل اعتراض قرار دیا جاتا ہے۔ ایک ماں کی اولاد پر اعتراض کیا گیا ہے۔

عقیدہ: وندے ماترم گا کر ہم مادر وطن کی تعظیم کرتے ہیں۔ مادر وطن ہمیں غذا دیتی ہے اور پروان چڑھاتی ہے۔ اس کے دیئے ہوئے جوش و ہمت کی وجہ سے ہم بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں۔
ہم ایک ہی ماں کی اولاد ہیں۔"

ڈاکٹر وسنے موہن شرما نے آٹھویں کلاس کی معاون مطالعہ میں مختلف مگر خطرناک انداز بیان اختیار کیا ہے۔[۱]
ٹرانسوال حکومت نے قانون پاس کیا تھا کہ ہندستانی سرکاری دفتروں میں جا کر ایشیائی رجسٹر میں اپنا نام درج کروائیں گے۔ جو اس مقصد کے لئے درخواست نہیں دے گا اس کو مجرم قرار دے کر جرمانہ عائد کیا جائے گا، جیل میں ڈال دیا جائے گا یا جلا وطن کر دیا جائے گا۔ گاندھی جی سمجھ گئے کہ سرکار کا مقصد کیا ہے۔ گاندھی جی نے میٹنگ میں فیصلہ کیا کہ کوئی نام نہیں لکھوائے گا۔ نام نہ لکھوانے پر دو ماہ کے لئے گاندھی جی کو ان کے ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کروا لیا گیا۔ گاندھی جی کو سمجھایا گیا کہ اگر وہ خوشی سے نام رجسٹر میں درج کروالیں تو اس قانون کو واپس لے لیا جائے گا۔ گاندھی جی راضی ہو گئے تو ان کو آزاد کر دیا گیا۔

"جیل سے چھوٹتے ہی انھوں نے ستیہ گرہیوں کا ایک جلسہ کیا اور سمجھوتے کی شرطوں کو سمجھا کر کہا "سرکار جھک گئی ہے۔ ہماری جیت ہوئی ہے۔ اب آپ اپنی مرضی سے ایشیائی رجسٹر میں اپنا نام لکھوا سکتے ہیں۔"

"کون کہتا ہے ہماری جیت ہوئی ہے؟" سامنے بیٹھا ہوا پٹھان میر عالم گرج اٹھا۔ "نام درج کرانے کی بات تو قائم رہی نا!" گاندھی جی نے سمجھا کر کہا "ہمیں اپنی مرضی سے نام درج کرانا ہے۔ سرکار زبردستی نہیں کرے گی۔"

۱ مہاراشٹر کی اسکول کی آٹھویں درجہ کی کتاب

تو آپ کیا کریں گے؟" پٹھان نے پوچھا۔

"میں تو نام درج کراؤں گا اور سب سے پہلے کراؤں گا" گاندھی جی نے جواب دیا۔ پٹھان جوش میں بولا "معلوم ہوتا ہے آپ کو سرکار نے رشوت دے دی ہے۔ تبھی آپ نے ایسا غلط سمجھوتا کیا؟"

پٹھان کا شک بے بنیاد ہے۔ اسے کوئی نہ مانے؟" یہ کہہ کر گاندھی جی جب جلسہ سے اٹھ کر جانے لگے تو پٹھان نے دھمکی دی: "یاد رکھنا! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو نام درج کرانے جائے گا اسے میں موت کے گھاٹ اتارے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔" چلتے چلتے گاندھی جی نے کہا "مجھے اپنے بھائی کے ہاتھوں مرنے میں خوشی ہوگی۔" نام درج کرا کر ہندستانیوں کو ٹرانسوال میں رہنے کا اجازت نامہ لینا پڑتا تھا۔ حکومت نے اجازت نامہ حاصل کرنے کی مدت تین مہینے رکھی تھی۔

اجازت نامہ حاصل کرنے کے لئے گاندھی جی ایشیائی دفتر کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں میر عالم ملا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح انہیں سلام نہیں کیا۔ وہ انہیں گھور رہا تھا۔ گاندھی جی نے خود اس سے پوچھا "کیوں خان کیسے ہو؟" خان نے خشک لہجہ میں جواب دیا "اچھا ہی ہوں۔" جب گاندھی جی دفتر کی طرف بڑھے تو میر عالم نے لپک کر پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟" گاندھی جی نے جیسے ہی کہا "نام درج کرانے اور اجازت نامہ لینے"، تبھی اس نے ان کے سر پر لاٹھی جما دی۔ گاندھی جی "ہے رام" کہہ کر نیچے گر پڑے۔ اسی حالت میں خان کے ساتھیوں نے انہیں لاتیں لگائیں اور ڈنڈے برسائے۔

اس کے بعد ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ کا بیان ملاحظہ فرمائیے:

۱۹۴۸ کو جنوری کی ۳۰ تاریخ تھی جمعہ کا دن تھا۔ شام رات کی جانب آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہی تھی گھڑی نے پانچ بجا دیئے تھے۔ برلا ہاؤس کے صحن میں عوام کا ہجوم مہاتما گاندھی کی آمد کے انتظار میں تھا۔ یہ پرارتھنا سبھا میں ان کی آمد کا وقت ہو رہا تھا۔

"باپو کو آج کیا ہو گیا! وہ تو کبھی تاخیر سے نہیں آتے۔" لوگ آپس میں کانا پھوسی کر رہے تھے۔ "ذرا اپنی گھڑی تو دیکھو کہیں وہی تاخیر سے نہ چل رہی ہو۔" کچھ لوگ ہوشیار ہو کر بول رہے تھے۔ پانچ بج کر دس منٹ ہوئے۔ لوگوں نے دیکھا مہاتما جی اپنی دو لڑکیوں آبھا اور منو کے کاندھوں پہ ہاتھ رکھے جلدی جلدی چلے آ رہے ہیں۔ کاندھے پر کھادی کی شال اوڑھے ہوئے ہیں۔ دلی میں کپکپا دینے والی سردی جو پڑ رہی تھی۔ وہ بہت لاغر دکھائی دے رہے تھے۔ وہ پرارتھنا کے مخصوص مقام پر آ گئے۔ لوگ ان کے قریب جلدی جلدی بڑھنے لگے۔ وہ ہاتھ جوڑے اسٹیج پر مشکل سے پانچ ہی سیڑھیاں چڑھے ہوں گے کہ ایک آدمی ہجوم میں سے لپکا اور اس نے پیر چھونے

کے انداز میں جھک کر ان کی چھاتی میں پستول تان دیا اور لگاتار تین فائر کیے۔ مہاتما جی کے منہ سے صرف "ہے رام" نکلا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ لوگوں میں کھلبلی مچ گئی قاتل پکڑ لیا گیا۔ مجمع اس پر بری طرح ٹوٹ رہی تھی مگر پولس اسے کھینچ کر جلدی جلدی میدان سے باہر لے گئی۔

کتاب کی مشق میں میر عالم پر نوٹ ہے جو اس کی بے رحمی کو اور نمایاں کر دیتی ہے اور جب گاندھی جی کے قاتل کا نام یا اس کا مذہب بیان نہیں کیا جاتا تو ذہن میر عالم کی طرف گھوم جاتا ہے۔

دورِ غلامی:- پروفیسر آل احمد سرور نے سیمینار کے موقع پر فرمایا تھا کہ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی رات کو جب میں لکھنؤ کی سڑکوں پر آزادی کا جشن دیکھ رہا تھا تو فضاؤں میں دو علاحدہ نعرے گونج رہے تھے۔ ایک جواہر لال نہرو کا کہ دو سو سال کی غلامی کے بعد آزاد ہو رہے ہیں۔ دوسرا پنڈت گووند ولبھ پنت کا کہ ہم ایک ہزار سال کی غلامی سے آزاد ہوئے ہیں۔ حکومت جواہر لال نہرو کی تھی مگر بات پنت کی مقبول تھی۔"

نو بھارتی حصہ اوّل میں ہلدی گھاٹی نظم شامل ہے جس سے ایک ہزار سال کی ہندستان کی غلامی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ بعض مورخین نے ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی شکست اور ۱۹۴۷ء میں آزادی کی درمیانی مدت یعنی ایک سو نوے برس کو غلامی کا دور کہا ہے جو جواہر لال نہرو کے غلامی کے دو سو برس کی مدت کے قریب آ جاتا ہے۔ درسی کتاب کے طور پر استعمال کی جانے والی بیشتر کتابوں میں پانچ سو سے ایک ہزار کی مدت کو دورِ غلامی کہا گیا ہے اور اس وجہ سے درسی کتابوں میں ایسا مواد راہ پا گیا ہے۔ مثال کے طور پر نو بھارتی حصہ دوم میں لکھا ہے:

"رانی درگاوتی جس نے ملک کی عزت پر آنچ نہ آنے دی۔ جانتی تھی کہ کسی نہ کسی دن مغل بادشاہ اکبر کی گدھ جیسی نظر اس کے چھوٹے سے راجیہ پر پڑے گی۔ . . اکبر کا لالچی جذبہ جاگ اٹھا:

اس اقتباس میں درگاوتی کے چھوٹے سے راجیہ کی جگہ لفظ ملک سے ہندستان کا تصور پیدا ہوتا ہے۔

شیواجی، مہارانا پرتاپ اور دوسرے راجاؤں کے واقعات کے بیان میں اکثر ایسا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے جو طلبا کو اکساتا ہے۔

امتحان کا پرچہ اور اسلام:- مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف ایجوکیشن ایک سرکاری ادارہ ہے جو سال میں دو بار امتحانات منعقد کرتا ہے۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۰ء کے بارہویں درجے کے امتحان میں انگریزی کے پرچے کا سوال نمبر دو یہ دیا گیا:

"یہ صحیح ہے کہ بعض اوقات مذہب اتحاد کی بنیاد بنتا ہے مگر بعض اوقات انتشار کی بھی وجہ بن جاتا ہے اور ایشیائی قوم پرستی کے تعلق سے اسلام اسی قسم کا دوہرا کردار ادا کرتا ہے۔ ہندستان میں جناح اور اس کے حامیوں کا اصرار تھا کہ مسلمان ایک قوم ہیں لہٰذا انھوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا اسے

حاصل بھی کیا۔ پاکستان کے دو بازو تھے یعنی مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان۔ دونوں بازو ایک دوسرے سے ہزاروں میل کی دوری پر واقع تھے۔ اس کے باوجود یہ تصور کر لیا گیا کہ اسلام اتنا طاقتور ہے کہ دونوں بازوؤں کو ایک دوسرے سے منسلک رکھ سکتا ہے۔ لیکن بعد میں تاریخ نے اس تخیل کو غلط ثابت کیا۔ مشرق وسطیٰ میں بہت سے عرب رہنماؤں نے عرب اور شمالی افریقہ پر مشتمل ایک مسلم ریاست قائم کرنے کی کوشش کی مگر ان علاقوں کے مسلمانوں میں سیاسی اور دیگر اختلافات پائے جانے کی وجہ سے اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ درج بالا اقتباس پر پانچ سوالات قائم کئے گئے تھے:۔

(۱) افرو ایشیائی قوم پرستی کے ضمن میں اسلام کون سا دوہرا کردار ادا کرتا ہے؟ (۲) جناح اور اس کے حامیوں کا دعویٰ کیا تھا؟ (۳) تاریخ نے اسے بعد میں کیا ثابت کیا؟ (۴) مشرق وسطیٰ میں عرب لیڈروں کے کیا عزائم تھے؟ (۵) مشرق وسطیٰ میں ایک مسلم ریاست کے قیام کی کوشش کیوں ناکام ہو گئی؟

ابوالکلام آزاد نے بھی مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے دیرپا اتحاد پر شک کا اظہار کیا تھا۔ امتحان کے پرچے میں نزاعی مسائل کی جگہ معروضی طرز کے سوالات کو ترجیح دینا پسند کیا گیا ہے۔

سوالات کے نمونے:۔ مدھیہ پردیش اسٹیٹ بورڈ آف ایجوکیشن نے مختلف مضامین میں Question Bank شائع کئے ہیں۔ ان میں انگریزی کے تعلیمی مواد میں تقریباً خط اور درخواست لکھنے کے دس سوالات و جوابات درج کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر سوال میں لکھا گیا ہے کہ فرض کرو کہ تم فلاں ہو اور فلاں کے نام اس مضمون کا خط یا درخواست لکھو۔ ان میں تمام خطوط ایک فرقے کے افراد کے ذریعہ اسی فرقے کے افراد کے نام تحریر کئے گئے ہیں۔ ان خطوط اور درخواست کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہی فرقہ کے افراد اس علاقہ میں آباد ہیں اور یہ کہ دوسرے فرقوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

یکساں سرورق:۔ بعض ریاستوں میں درسی کتابوں کے یکساں سرورق شائع کئے گئے ہیں اور ان پر بنی تصاویر سے گنگا جمنی تہذیب کی نمائندگی نہیں ہوتی۔ مہاراشٹر کی اردو کی پہلی کتاب میں بنی تصویر پر دو بچے مراٹھیوں کے تہذیبی لباس میں مراٹھی کی پہلی کتاب پڑھ رہے ہیں جب کہ مدھیہ پردیش کی پہلی کتاب کے سرورق پر تصویریں مشترکہ تہذیب کی نمائندگی نہیں کرتیں۔

چند تجاویز:۔ ہمارا دور درسی کتب کے ذریعہ سے تعلیم کا دور ہے۔ مدرسی تعلیم تو رسمی تعلیم، غیر رسمی تعلیم میں بھی درسی کتب استعمال کی جا رہی ہیں۔ اس لئے درسی کتب میں معیار بندی کی چند تجاویز پیش کی جا رہی ہیں:۔

(۱) نصاب اور درسی کتاب کی اشاعت سے قبل مسودات کا حصول، قومی نقطۂ نظر سے ان کا تجزیہ اور منفی پہلوؤں پر علمی انداز سے بحث اور ضروری تبدیلی۔ (۲) ایک خاص سطح سے درسی کتابوں میں مختلف فرقوں کے افراد کے نام شامل کئے جائیں۔ (۳) تصویروں میں بھی مشترک تہذیب کا خیال رکھا جائے۔ (۴) اورنگ زیب، شواجی، مہارانا پرتاپ اور گرو گوبند سنگھ نے رواداری سے بھی کام لیا تھا اور دوسرے فرقوں کے افراد پر بھروسہ بھی کیا تھا۔ ایسے افراد اور واقعات کو نمایاں کیا جائے اور ان کی یادگاریں بھی قائم کی جائیں۔ تاکہ انتہا پسند فرقہ وارانہ تنظیمیں اورنگ زیب، شواجی، مہارانا پرتاپ اور گرو گوبند سنگھ کا اپنے نظریات کی تشکیل میں استعمال نہ کر سکیں۔ (۵) مدراس میں منعقد ہوئی سہ روزہ کل ہند درسی کتب کانفرنس میں ایک ہی مضمون پر ایک کتاب کی جگہ مختلف زاویوں سے لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ اور ایسی کتابوں کی تیاری کی وکالت کی گئی تھی۔ تاریخ کی کتابوں میں دورِ غلامی کی مدت کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس لئے کانفرنس کے فیصلے پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ (۶) مسلمان بادشاہوں کی خدمات مختلف شکلوں میں قائم کی جائیں تاکہ یہ یاد دلایا جا سکے کہ ہم صرف دو سو سال کی غلامی کے بعد آزاد ہوئے ہیں۔ (۷) سارک ممالک سے متعلق مضامین تاکہ تعلقات کی بنیاد مضبوط ہو۔ (۸) تاریخ کی کتب لکھنے اور خاص طور سے اندازِ بیان کے لئے NCERT ورکشاپ منعقد کرے اور مختلف صوبوں کی NCERT کو بھی متوجہ کرے۔

●●

ڈاکٹر سید حامد حسین
ای ۲/ ۴۳، ۸ پروفیسرز کالونی، بھوپال ۴۶۲۰۰۲

مدھیہ پردیش کی درسی کتب میں مسلم تاریخ کی یک طرفہ ترجمانی

مدھیہ پردیش کے اسکولوں میں پہلے درجے سے دسویں درجے تک پڑھائی جانے والی ساری کتابیں حکومت مدھیہ پردیش کے محکمۂ تعلیم کی جانب سے تیار کی جاتی ہیں اور انھیں ایک سرکاری ادارہ مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم چھاپ کر شائع کرتا ہے۔ زبانوں کے مطالعے سے متعلق بعض کتابوں کو چھوڑ کر باقی سب کتابیں بنیادی طور پر ہندی زبان میں تیار کی جاتی ہیں اور انگریزی یا اردو میں پڑھائے جانے کے لیے ان کا انگریزی یا اردو ترجمہ اسکولوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ چھٹے درجے سے سماجک ادھین" یا سماجی تعلیم کے مضمون کے تحت شروع کیا جاتا ہے۔ اور ہندستان پر اسلامی اثرات اور مسلم حکمرانوں کی حکومت کا مطالعہ ساتویں درجے سے داخل نصاب ہے۔ ساتویں درجے کے طالب علم کی عمر اوسطاً گیارہ سال کی ہوتی ہے اور بچہ ذہنی اعتبار سے ایک نہایت نازک مرحلے پر ہوتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے اس کے ذہنی رویے کی تشکیل ہوتی ہے اور اگر خصوصی احتیاط نہ برتی جائے تو وہ غیر متوازن رجحانات کا شکار ہو سکتا ہے۔ درسی کتب اور اساتذہ کی رہبری اس کے ذہنی رویے کو بنانے میں خاص طور پر معاون ہوتی ہیں۔ لہٰذا بچوں کے ذہنی رجحان کو متعین کرنے میں درسی کتب اور اساتذہ دونوں کا ایک اہم کردار ہوتا ہے۔

لیکن جب ہم مدھیہ پردیش کے اسکولوں میں تاریخ کے مطالعے کے لیے داخل نصاب کتابوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اس احتیاط اور ذمہ دارانہ احساس کے ساتھ تیار نہیں کیا گیا ہے جس کی ضرورت تھی اور اس کے نتیجے میں سیکولر، غیر جانبدارانہ اور قومی ہم آہنگی پر مبنی جس رجحان کی تشکیل پر توجہ دی جانی چاہیے اس کے امکانات معدوم ہوتے نظر آتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ مڈل اور سیکنڈری اسکول کی تعلیم کی اس سطح پر کوئی بھی موضوع پوری تفصیلات کے

ساتھ پڑھانا ممکن نہیں۔ لہٰذا ان درجوں کے لیے درسی کتب کو تیار کرتے وقت مصنفین کو تفصیلات کا انتخاب کرنا پڑتا ہے اور یہ طے کرنا پڑتا ہے کہ طالب علموں کو موضوع کے کن اہم پہلوؤں سے متعارف کیا جائے۔ کن تفصیلات کو پیش کیا جائے، یہ طے کرنا بڑی اہم بات ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں یہ مسئلہ بعض خاص پیچیدگیوں کا حامل ہے۔ بعض حقائق پر بار بار روشنی ڈال کر اور بعض دوسرے حقائق کو نظر انداز کر کے ہم ایک بالکل جداگانہ تاثر پیدا کرتے ہیں۔ حکومت مدھیہ پردیش کے ذریعہ ساتویں درجے کے لیے جو تاریخ کی درسی کتاب تیار کی گئی ہے اس میں بھی حقائق کی اسی ایک طرفہ پیش کش کی مثالیں جابجا نظر آتی ہیں۔ مثلاً

"محمود کو مندروں کے نشٹ کرنے سے ایک اور لابھ بھی ہوا۔ اس نے مورتیوں کو توڑا۔ اس سے وہ دھارمک نیتا بھی بن گیا اور مسلم جگت میں سمان کی درشٹی سے دیکھا گیا۔"[1]

"وہ اسلام کا بھی کٹر انویائی تھا (پیرو) اور دھرم پرچار کے لیے اس میں نیا جوش تھا... اس نے مندروں میں جمع سونے، چاندی اور بہو مولیہ رتنوں کو لوٹا اور انھیں نشٹ کیا۔ بر دھاوے کے بعد وہ مندروں اور نگروں کی اتل سمپتی (بے پناہ دولت) کو لوٹ کر نگروں کو اجاڑ کر مندروں تتھا مورتیوں کو نشٹ کر غزنی لوٹ گیا...."[2]

اس کے بعد محمود کے حملوں کے نتائج پر بحث کرتے ہوئے نہ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ دیش کے کئی سندر مندر اور کلاکرتیاں ہمیشہ کے لیے نشٹ ہو گئیں؛ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"کشمیر کے انیک ہندوؤں کو بل پوروک (جبراً) مسلمان بنایا گیا۔ انیہ ترکی دھاواؤں نے اسلام کے پرتی ہندوؤں کے من میں گھرنا بھاؤ (نفرت کا جذبہ) پیدا کیا۔"[3]

ترکوں کی کامیابی کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے:

"راجپوت دھرم یدھ دوارا ہی وجے کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ترکوں نے سادھنوں کے نیتک (اخلاقی) پہلو پر دھیان نہ دے کر کیول وجے کو اپنا لکشیہ (مقصد) بنا لیا۔ اس لیے یدھ میں چھل کپٹ سے بھی کام لینے میں نہ جوکے۔"[4]

گویا یہ لڑائیاں حکومت اور اقتدار کی لڑائیاں نہیں بلکہ حق اور باطل کی لڑائیاں تھیں اور راجپوتوں نے حق شناسی کا پورا پورا ثبوت دیا جب کہ ترکوں نے سارے غیر اخلاقی ذرائع استعمال کیے۔

۱۔ "سماجک ادھین" – درجہ ۷ (زبان ہندی) حصہ تاریخ مرتبہ بے۔ پی۔ چوبے مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم بھوپال ۱۹۸۶ء

۲۔ ایضاً ص ۳۰ – ۲۱۔ ۳۔ ایضاً ص ۲۲ ۔ ۴۔ ایضاً ص ۲۶۔

ہندستان کی تاریخ کو صرف غیر مسلموں کے مفادات کو بنیاد بنا کر دیکھنے اور پرکھنے کا یہ انداز اس درسی کتاب کا غالب رجحان ہے۔ چنانچہ ہندوؤں پر مسلمان حکمرانوں کی زیادتیوں کا بار بار ذکر کرنا ضروری سمجھا گیا ہے۔ علاءالدین خلجی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"علاءالدین کے سمے ہندو جب تب دروہ (مخالف) کر بیٹھتے تھے۔ انھیں دبانے کے لیے سلطان نے ان پر کروں (ٹیکسوں) کا ایسا بوجھ لاد دیا کہ وہ سر اٹھانے کی فرصت بھی نہ پا سکے۔ لگان آج کا آدھا کر دیا۔ مویشیوں کی چرائی اور کسان کے مکان پر بھی کر لگایا۔ اس لوٹ کی نیتی سے دھنی ورگ کے ہندو بھی اجڑ گئے اور نمن ورگ (نچلے طبقے) کے لوگ کنگال ہو گئے۔"[۱]

فیروز شاہ خلجی کے عہد میں علما کی حکومت میں اہمیت کو بھی اسی پیمانے سے ناپا گیا ہے۔

"شاسن میں ملا اور مولوی کا پربھاؤ بڑھ گیا جس سے ہندوؤں پر اتیاچاروں (مظالم) کی وردھی (زیادتی) ہوئی۔"[۲]

سلاطین کے عہد کے مجموعی جائزے میں بھی مذہبی زیادتیوں کی جانب خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے بلکہ انھیں ان سلاطین کے زوال کی ایک وجہ بتایا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا گیا ہے:

"دلی کے ترک راجیہ کا ادیشیہ اسلام کا پرچار کرنا تھا۔ مسلمانوں نے کبھی لالچ دے کر اور کبھی بل پوروک (جبراً) لوگوں کو اسلام دھرم اپنانے کے لیے بادھیہ (مجبور) کیا۔ ان کے مندروں اور نگروں کو نشٹ کیا۔ ان پر جزیہ (ایک پرکار کا کر جو غیر مسلم کو دینا پڑتا تھا) لگایا۔ انھیں شاسن اور سینا (فوج) میں اونچی نوکریوں سے ونچت (محروم) رکھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے لوٹ کھسوٹ مچائی اور عام جنتا کی بھلائی کے لیے کوئی کاریہ نہیں کیا۔ تب بھلا اس کے سمرتھن اور سہولتوں کے ابھاؤ میں ترک راجیہ کتنے دن چل سکتا تھا۔"[۳]

سلاطین کے قانونی نظام پر بھی اسی نقطۂ نظر سے تبصرہ کیا گیا ہے:

"قاضی حدیث کے انوسار نیائے کرتے تھے۔ اتہ (لہٰذا) ہندوؤں کے ساتھ پرایہ (اکثر) انیائے ہوتا تھا۔"[۴]

ہندو سماج پوری طرح پریشانیوں میں الجھا ہوا تھا:

"ہندوؤں کا سماجک جیون ان کی پرادھینتا (غلامی) کے کارن بڑا شوچنیہ (قابل افسوس) تھا۔

۱۔ ساماجک ادھین۔ درجہ ۷۔ (زبان ہندی) حصہ تاریخ مرتبہ جے پی چوبے مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم۔ بھوپال ص ۴۱-۴۲۔ ۲۔ ایضاً ص ۳۵۔ ۳۔ ایضاً ص ۳۹۔ ۴۔ ایضاً ص ۴۵-۴۶

وہ مسلمانوں سے ہین (حقیر) سمجھے جاتے تھے۔ انھیں شاسن اور سینا میں اونچی نوکریاں نہیں دی جاتی تھیں۔ اوپر سے اپنی جان مال کی رکھشا کے لیے انھیں راجیہ کو جزیہ کر (ٹیکس) دینا پڑتا تھا۔ مندر بنوانے تھا اپنے دھرم پالن کی بھی انھیں سوتنترتا نہیں تھی!''

مسلمانوں کے تعلق سے ہندو سماج میں برائیاں بھی پیدا ہوئیں۔

• ترکوں کے پربھاو سے ہندو سماج میں بھی استریوں کا مان (عزت) کرشا (رفتہ رفتہ) گھٹنے لگا۔ ان میں بال وواہ: 'پردہ پرتھا' کا چلن بڑھا۔ راج گھرانوں اور دھنی ورگوں میں بہو وواہ (کئی بیویاں رکھنا) روسمتک ہونے لگا۔ ان پرتھاؤں کے کارن استریوں کی سا ماجک استھتی بہت گر گئی۔ اونچی جاتیوں کو چھوڑ کرانیہ (دوسری) جاتیوں میں 'ودھوا وواہ' (بیوہ کی شادی) طلاق 'سواچھا' (اپنی اپنی پسند) سے وواہ کا چلن تھا تھا ان میں پردہ کی پرتھا نہیں تھی۔[۲]''

مذہبی حالات کے جاننے میں ایک بار پھر مسلمانوں کی بت شکنی اور جبر زبردستی کو یاد دلایا گیا ہے:

"دلی کے ترکی سلطان اسلام کے کٹر انویائی (پیرو) تھے۔ اس لیے انھوں نے ہندوؤں کے مندروں اور مورتیوں کو بھنگ کیا تھا انھیں طرح طرح کے پرلوبھن (لالچ) دے کر اور بل پریوگ کر کے مسلمان بننے کے لیے بادھیہ (مجبور) کیا۔ انیک نردھن لوگوں نے کروں (ٹیکسوں) کی مار ہلکا کرنے کے لیے تھا شودروں اور اچھوتوں نے ہندو سماج کی کٹرتا کے کارن سواچھا (اپنی مرضی) سے اسلام دھرم گرہن کر لیا[۳]۔"

مغل بادشاہوں کے مختصر ذکر کے بعد شواجی مہاراج پر تفصیلی بحث دی گئی ہے شواجی کے خاص مقاصد بیان کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے:

"ان کے راجیہ کا ادیشیہ (مقصد) ہندو سوراجیہ کی استھاپنا اور ہندو دھرم، برہمن اور گو (گائے) کی رکھشا کرنا تھا۔ شواجی کے راجیہ کا ادیشیہ سوراجیہ کی استھاپنا اور ہندو دھرم ایوم (اور) سنسکرتی کی گھوشنا تھا سنرکھشن کرنا تھا۔ انھوں نے دکشن کے سلطانوں اور سمراٹ اورنگ زیب کے اتیاچاروں سے پیڑت (مظلوم) سے ترپتی (جنتا) کے دھارمک جوش کا اپیوگ (استعمال) کیا۔ پرنتو مسجدوں کو نہ کبھی توڑا، نہ کبھی قرآن کا اپمان کیا۔ اس بھانتی انھوں نے اپنی دھارمک ادارتا کی نیتی سے انیک مسلمانوں کا ہردے بھی جیت لیا۔"[۴]

۱۔ 'ساماجک ادھین' ۔ درجہ ۔ ۷ (زبان ہندی) حصہ 'تاریخ' مرتبہ جے پی چوبے مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم بھوپال۔ ص ۴۷

۲۔ ایضاً ص ۴۸۔ ۳۔ ایضاً ص ۴۹۔ ۴۔ ایضاً ص ۱۳۰۔

مسلمانوں کو ہندستانی تاریخ سے کس طرح الگ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اس کی ایک اور مثال درسی کتب میں شامل جدوجہد آزادی کی داستان ہے۔ ہندستانی تاریخ کے اس اہم دور کو آٹھویں درجے کے سماجی تعلیم (ساماجک ادھین) اور نویں اور دسویں درجے کی تاریخ کے مضمون کا حصہ بنایا گیا ہے۔ لیکن اس تین سالہ نصاب میں کہیں جنگ آزادی میں شامل اہم مسلم رہنماؤں پر کوئی نوٹ شامل نہیں۔ یہاں تک کہ آٹھویں درجے کی ساماجک ادھین اور دسویں درجے کے اتہاس میں آزادی ملنے سے قبل کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے بھی مولانا ابوالکلام آزاد کا نام کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ نویں درجے کی تاریخ کی کتاب میں تو یہ عبارت ملتی ہے:

"اس سے مسلم لیگ کا نیتر تو (قیادت) راشٹریہ وچار دھارا کے مولانا محمد علی، ابوالکلام آزاد (کذا)۔ حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر کچلو، سید محمود اور آصف علی کر رہے تھے۔ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ اور کانگریس کا ادھی ویشن ہوا جس میں مسلمانوں نے انگریزوں کے ورودھ (خلاف) آندولن میں کانگریس کا ساتھ دینے کا وچن دیا۔ اسے ہی لکھنؤ سمجھوتہ کہتے ہیں۔۔۔۔ اس میں کانگریس نے راشٹریتا (قومیت) کے سدھانت کا بلیدان کر دیا۔ سامپردایک (فرقہ وارانہ) پرتی ندھتو (نمائندگی) کے وشے (موضوع) میں کانگریس اپنے کو دھوکے میں ڈالے ہوئی تھی۔ آرمبھ میں ہی یدی اس برائی کو نہ بڑھنے دیا ہوتا تو یہ لیگ پاکستان کی مانگ نہ کرتی۔ واستو میں لکھنؤ سمجھوتہ کانگریس دوارا مسلم لیگ کو سنتشٹ کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔[۱]"

اس عبارت سے طالب علم کے ذہن میں یہ غلط فہمی پیدا ہونے کا پورا امکان ہے کہ وہ سارے مسلمان رہنما جن کا نام لیا گیا ہے وہ ہندستان کی تعلیم کے مخالف اور پاکستان کے حق میں تھے۔ اس رویے کے پیش نظر پھر سر سید احمد خاں اور ڈاکٹر اقبال کے بارے میں درج ذیل اقتباسات پر تو کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش نہیں رہ جاتی: سر سید احمد خاں کے بارے میں نویں درجے کی تاریخ میں لکھا گیا ہے:

"سن ۱۸۸۵ء میں کانگریس کی استھاپنا سے اس کا (انگریز سرکار کا) بھے (خوف) اور بھی بڑھا۔ بھارتیوں میں پھوٹ ڈالنے کی درشٹی سے برٹش سرکار کی نیتی مسلم سامپردائکتا (فرقہ واریت) کو پروتساہت (حوصلہ افزائی) کرنے کی ہوگی۔ اپنی اپنی اپنے اس مقصد کی پورتی کے لیے اس نے سدھاروادی مسلم نیتا سر سید احمد خاں کو بھی اپنے پکش (حق) میں کر لیا۔[۲]"

۱۔ اتہاس ایوم ناگرک شاستر درجہ ۹، حصہ "اتہاس ادھیان ہندی"، مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم بھوپال، ۱۹۸۷ء، ص ۹۱۔ ۲۔ اتہاس ایوم ناگرک شاستر درجہ ۱۰، ص ۴۳۔

اسی کتاب میں ڈاکٹر اقبال کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

"سر محمد اقبال نے بھارتیہ مسلمانوں کے لیے ایک پرتھک (جداگانہ) راشٹر کی کلپنا کی تھی..... سر محمد اقبال ایک دارشنک (مفکر) اور مہان کوی تھے جن کی نظم کی ان گنت (مندرجہ ذیل) پنکتیاں (اشعار) ہر بھارت واسی کے زبان پر تھیں ۔ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ؛ ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

ان کے دوارا مسلمانوں کے لیے ایک پرتھک راشٹر کی کلپنا سے دیش بھر کے سوتنترتا پریمی لوگوں کو بڑا دھکا لگا!"[1]

آخر میں ایک اور درسی کتاب سے دو اقتباسات پیش کر کے واضح کرنا چاہوں گا کہ مسلم تاریخ کو غیر جانب دارانہ انداز سے پیش کرنے کی کس طرح کوشش کی جا سکتی ہے اور انھیں موضوعات کو جنھیں انگریز مورخین نے فرقہ وارانہ بے اعتمادی کی فضا پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا ہے متوازن اور معروضی انداز سے کس طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (این سی ای آر ٹی) نے سنٹرل اسکول کے گیارہویں اور بارہویں درجوں کے لیے تاریخ کی جو کتابیں تیار کی ہیں۔ ان میں سے دو ہندوستانی تاریخ کے مسلم دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ انھیں کی پہلی جلد میں پروفیسر ستیش چندر محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان میں سے کسی کو اسلام سے سروکار نہ تھا۔ جو حاکم ان کے آگے ہتھیار ڈال دیتا وہ اسے اپنے علاقے پر حکومت کرنے دیتے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض دوسری وجوہ سے اس کی سلطنت کو پورا یا جزوی طور پر اپنی عملداری میں شامل کرنا پڑے۔ محمود اور شہاب الدین دونوں نے ہندو افسروں سے کام لیا لیکن دونوں میں سے کسی نے اپنے مقاصد کے لیے اور نہ ہی ہندوستانی شہروں اور مندروں کی لوٹ مار کے لیے اسلام کا نعرہ لگایا۔" (انگریزی سے ترجمہ)

سلاطین کے عہد میں مندروں اور ہندو مندروں کے جانب رویے پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر ستیش چندر نے تحریر کیا ہے:

"ہندوؤں، جینیوں وغیرہ کی عبادت گاہوں کی جانب ان کی پالیسی شریعت کے مطابق تھی جو اسلام کے مقابلے میں نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کی ممانعت کرتی ہے۔ لیکن اس نے پرانے مندروں کی مرمت کی اجازت دی کیوں کہ عمارتیں ہمیشہ نہیں چلتیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ گاؤں میں جہاں اسلام پر عمل نہیں ہوتا تھا مندروں کے قیام پر کوئی ممانعت نہیں تھی اور نہ ہی گھروں میں۔ لیکن جنگ کے زمانہ میں یہ کھلے دل والی پالیسی نہیں اپنائی جاتی۔ اس وقت اسلام کے دشمن چاہے وہ انسان ہوں یا

---

[1] اقتباس: یوم ناگرک شاستر- درجہ ۱۰- ص ۴۵-۴۶- SATISH CHANDRA, MEDIEVAL INDIA, PART-I (TEXTBOOK FOR CLASSES XI-XII), NCERT, 1978 p. 40

دیوتا۔ ان سے جنگ کر کے ان کو تہ و بالا کر دیا جاتا تھا" (ترجمہ[1])

اس سے قطع نظر کرکے کہ مورخ نے کن شہادتوں سے یہ نتائج لگائے ہیں، مورخ کا رویہ بالکل واضح ہے کہ وہ تاریخ کو ذہن کے تاریک گوشوں میں روشنی بہم پہنچانے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اس کی یہ خواہش نہیں ہے کہ وہ ان تاریکیوں میں اور اضافہ کرے۔ تاریخ جس معروضیت اور غیر جانبداری کی ضرورت مند ہے اسے ایک علمی مقصد کے ساتھ ساتھ ایک قومی مقصد کی حیثیت سے تسلیم کیا جانا چاہیے اور تاریخ کو غلط فہمیوں، بے اعتمادیوں، جانبداریوں کو ہوا دینے کا آلہ بنانے کی بجائے اسے حالات کو صحیح پس منظر میں سمجھنے اور جذبات پر منطق اور مصلحت پر علمیت کی بالادستی کو برقرار کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ یہ ذمہ داری اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب درسی کتب تیار کرانے کا کام سرکار نے خود اپنے ہاتھ میں سنبھالا۔ مدھیہ پردیش کے اسکولوں میں رائج اس قسم کی درسی کتب علمی اور قومی دونوں اعتبار سے ایک تشویشناک صورت پیش کرتی ہیں اور ان میں ترمیم و اصلاح کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔

SATISH CHANDRA, MEDIEVAL INDIA, PART-I (FOR CLASSES XI-XII), NCERT, 1978 p. 40 -1

نصابی کتابوں میں تبدیلی فسطائیت کا پہلا عمل

ہندستان کی تاریخ کو مسخ کرنا فرقہ پرستی کے نظریہ کا اہم عنصر تھا۔ تاریخ کو مسخ کرنے کی سازش برطانوی دورِ حکومت سے ہی عمل ہو رہا ہے۔ تاریخ کے نصاب کا جائزہ لینے والوں کا خیال ہے کہ برطانوی حکمرانوں نے ہی تاریخ کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کی مہم شروع کی تھی، اس کے علاوہ ہماری جدوجہد آزادی کے ابتدائی دور میں ہندستانی قوم پرستی کے بعض پہلوؤں سے متاثر مورخین نے بھی تاریخ کو مسخ کیا ہے۔

ملک کی آزادی سے پہلے ہی قوم پرست مورخین نے تاریخ میں کی گئی ان تبدیلیوں کو درست کرنا شروع کر دیا تھا اور ملک کی آزادی کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

تاریخی معلومات کا عمومی بلکہ واحد ذریعہ وہ نصابی کتابیں ہوتی ہیں جو ریاست کے تعلیمی محکمے دار اسکولوں کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ نصابی کتابوں کی اسی اہمیت کے پیش نظر پچھلی دو تین دہائیوں کے دوران فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے تاریخ کی نصابی کتابوں کو نجات دلانے کی کوشش تو کی گئی ہے اور اس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں، مگر ۱۹۷۰ء کے آخری حصہ میں اس عمل کو پلٹنے کی منظم کوشش کی گئی تھی۔

نصابی کتابوں کی تیاری کے لئے نیشنل کونسل آف ریسرچ اینڈ ٹریننگ (این سی ای آر ٹی) کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ اس ادارہ نے تاریخ کی کئی نصابی کتابیں تیار کی ہیں، یہ کتابیں ممتاز مورخین نے لکھی ہیں۔ یہ کتابیں بالعموم سیکولر اور سائنسی انداز فکر کی حامل ہیں۔

این سی ای آر ٹی نے تاریخ کی تعلیم کے لئے دیگر مواد کا جائزہ لینے اور اس میں کی گئی تبدیلیوں کو دور کرنے کے لئے بھی ایک پروگرام شروع کیا ہے۔ سیکنڈری درجہ تک استعمال کی جانے والی نصابی کتابیں عام طور سے ریاستی حکومت کے مختلف ادارے تیار

کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض پرائیوٹ پبلشروں کی کتابیں بھی نصاب میں شامل کی جاتی ہیں۔ نصابی کتابوں کی تیاری اور طباعت میں جاری کرپشن اور دوسری لعنتوں کو ختم کرنے کیلئے کافی کوششیں کی گئی ہیں، مگر اس کے باوجود ریاستی اداروں اور پرائیوٹ پبلشروں کی شائع کی ہوئی نصابی کتابوں کے معیار میں کوئی خاص بہتری نہیں آئی ہے۔ کچھ عرصہ قبل ریاستوں میں ماہرین تعلیم نے نصابی کتابوں کا جائزہ لیا تھا۔ ان کی رپورٹ کے مطابق ملک میں استعمال کی جانے والی نصابی کتابوں کا معیار اطمینان بخش نہیں ہے۔ کتابوں کا جائزہ لیتے وقت یہ پیمانہ طے کیا گیا تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ ماضی کے واقعات کو معتبر اور باوثوق حقائق کی بنیاد پر پیش کیا گیا ہے۔ نیز جو حقائق بیان کئے جارہے ہیں، وہ غلط نہ ہوں اور ان سے فرقہ وارانہ ذات پات اور علاقائی تعصبات کو فروغ حاصل نہ ہو۔

ایک ریاستی سکنڈری ایجوکیشن بورڈ نے پرائیوٹ پبلشروں کی بارہ کتابوں کو نصاب میں لگانے کی سفارش کی تھی۔ یہ تمام کتابیں غیر معیاری تھیں، اس لئے انھیں نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ دیا گیا۔

تاریخ کی بدترین نصابی کتابیں دہلی اور بعض دیگر ریاستوں میں استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ کتابیں بالعموم پرائیوٹ اسکولوں کے نصاب میں شامل ہوتی ہیں۔ زیادہ تر پرائیوٹ اسکول ریاستی تعلیمی بورڈ سے ملحق ہیں، مگر بورڈ نصابی کتابوں کے معیار کا جائزہ نہیں لیتا۔ اسکولوں کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ من پسند کتابیں استعمال کریں۔

لاعلمی ہی علم ہے

دہلی کے پرائیوٹ اسکولوں میں استعمال کی جانے والی نصابی کتابوں کے ذریعہ بچوں کو تاریخ کا جو علم دیا جاتا ہے، اس کی کچھ مثالیں پیش کرنا مناسب ہوگا۔

ذات پات کے نظام کے بارے میں ایک نصابی کتاب میں کہا گیا ہے: "اس (ذات پات کے نظام) سے ہندو مذہب اور کلچر کی بقا میں کافی مدد ملی۔ اسی کی وجہ سے خون کی پاکیزگی اور اخلاقیات کا اعلیٰ معیار برقرار رہا۔"

ہندستانی تاریخ پر جغرافیہ کے اثرات کے بارے میں کہا گیا ہے: "اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شمال وجنوب کی اس تقسیم سے علیحدگی پسند رجحانات پرورش پائے ہیں مگر اس سے ہمیں فائدہ بھی ہوا ہے۔ خطرہ کے وقت اس نے شمال کے کلچر کے تحفظ کیلئے 'حفاظتی خطہ' کا کردار ادا کیا ہے۔ جب بھی مسلمانوں نے شمالی ہند میں ہندوؤں پر جبر وتشدد کیا تو وہ اپنی جان بچانے کے لئے جنوب کی طرف فرار ہوگئے۔ اس طرح ہندو کلچر، ادب اور مذہب کو محفوظ رکھا جاسکا۔ یہ سب کچھ ست پوڑہ اور وندھیاچل کی پہاڑیوں کی موجودگی کی وجہ سے ممکن ہوسکا۔"

آریائی نسل کے بارے میں نصابی کتاب میں کہا گیا ہے: "آریائی نسل کو دنیا کی اعلیٰ ترین اور مہذب نسلوں میں شمار

کیا جاتا ہے۔ . . ہندستان، انگلینڈ، ایران، جرمنی، اسپین، فرانس وغیرہ کے زیادہ تر لوگ آریائی نسل کا ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کی رگوں میں آریاؤں کا خالص خون رواں ہے۔"

تاریخ کو مسخ کرنے کی بدترین کوشش ہندستانی قرونِ وسطیٰ کی تاریخ کے نصاب میں کی گئی ہے۔ زیادہ تر نصابی کتابوں میں اس پوری مدت کو غیر ملکی مسلم حکمرانوں اور ہندو رعایا کی کشمکش کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ زیادہ تر کتابوں کے ذریعہ نوجوان ذہنوں کو یہ تاثر دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کو برداشت نہیں کر سکتے۔ یہاں اس طرح کے بعض اقتباسات کو نقل کرنا مناسب ہوگا۔

محمود غزنوی کے بارے میں کہا گیا ہے: "محمود ایک لٹیرا تھا۔ وہ ہندستان میں اپنی حکومت نہیں قائم کرنا چاہتا تھا۔ وہ بہت لالچی تھا۔ وہ پکا مسلمان تھا۔ اس نے مندروں کو ڈھایا اور ہندوؤں کو قتل کیا۔"

اکبر کے بارے میں کہا گیا ہے: "حالانکہ وہ مسلمان تھا مگر اس نے اپنی ہندو رعایا کو مذہب اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔"

اورنگ زیب کے تعلق سے کہا گیا ہے: "اس نے اپنی حکومت کے سارے مالی وسائل اپنے مبلغین کے حوالے کر دیئے . . . ہندوؤں کے لئے حکومت کی ملازمت کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔"

شیواجی کے تعلق سے کہا گیا ہے: "اپنے ملک اور مذہب کو غیر ملکی غلامی کے جوئے سے نجات دلانے کا شریفانہ خیال ان کے ذہن میں پیدا ہوا، اور انھوں نے ساری زندگی اس مقدس فریضے کے لئے وقف کر دی۔ . . . ان کے شکر گذار ہم وطن انھیں جنگوں کا اوتار مانتے ہیں۔ آج بھی عظیم ہمالیہ سے لے کر کیپ کومورن تک طاقتور ہندو فرقے کی نبض اس عظیم مرہٹہ لیڈر کا نام لینے سے تیز ہو جاتی ہے۔

توہمات بطور تاریخ

: آخری اقتباس — آر. سی. مجمدار کی کتاب "مختصر تاریخ ہند" سے ہے جو پہلے ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی تھی اور جس کا ۲۲واں ترمیم شدہ ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب اب بھی ملک کے بعض حصوں میں نصاب میں استعمال کی جاتی ہے۔ اوپر جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے، ان کے مصنفین میں صرف مجمدار ہی پیشہ ور مورخ ہیں۔ دیگر مصنفین تاریخ کی حد تک ان پڑھ ہیں اور اصولاً معمولی لسانی تبدیلی کے ذریعہ دوسری نصابی کتابوں کو نقل کر دیا ہے مگر اس انداز سے جیسے یہ سب مسلمہ تاریخی حقائق ہیں۔

ڈاکٹر مجمدار بھارتیہ ودیا بھون کی گیارہ جلدوں والی "ہندستانی عوام کی تاریخ اور کلچر" نامی کتاب کے جنرل

ایڈیٹر ہیں۔ اس کتاب کی تیاری کے پروگرام سے کئی عالم وابستہ تھے، مگر ان سب میں ایک قدر مشترک تھی۔ وہ ایک طے شدہ فرقہ وارانہ فریم ورک میں کام کر رہے تھے۔

اس کتاب کی پہلی جلد (ویدک دور) کے دیباچہ میں ڈاکٹر مجمدار نے کہا ہے:

"اس جلد میں وہ تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے ہندو تہذیب کی سحر کہا جا سکتا ہے۔۔۔ دوسری دو جلدوں میں اس کی (ہندو تہذیب کی) جس کی بھرپور عظمت اور دوپہر کی شان و شوکت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ چوتھی جلد میں زوال پذیر دن کے سائے نظر آنے لگتے ہیں۔ جبکہ پانچویں میں شب کا اندھیرا طاری ہو چکا ہے۔ اگلے جلد جہاں تک ہندو تہذیب کا تعلق ہے، شب کا تاریک اندھیرا ہے۔ یہ ایسی تاریکی ہے جو آج بھی چھائی ہوئی ہے۔"

شام کے سائے سے چوتھی جلد کا حوالہ دیا گیا ہے اور دہلی سلطنت کے قیام کو رات کی تاریکی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چھٹی جلد (دہلی سلطنت) کے دیباچہ میں مجمدار لکھتے ہیں:

"ہندوستانی تاریخ میں پہلی مرتبہ دو اہم فرقے اور کلچر ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ ہندوستان پہلی مرتبہ مستقل طور پر دو ڈویژنوں میں تقسیم ہو گیا۔ ان دو فرقوں میں ایک دوسرے سے میل ملاپ یا قریبی مستقل تال میل کی گنجائش نہیں تھی۔ ہندوستان اس وقت جس مسئلہ سے دوچار ہوا، وہ آنے والے چھ سو برسوں تک کیلئے اتنا پیچیدہ اور الجھا ہوا ثابت ہوا کہ ہندوستان کی تقسیم کے باوجود بھی حل نہیں ہو سکا۔ اس کے لیے (ہندوستان کے لیے) برطانوی حکومت کا قیام ایک طرح کی غیر ملکی غلامی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔"

تاریخ پر حملہ

مجمدار کے خیالات پر مبنی ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد پوری طرح سے یہ واضح کرنا ہے کہ فرقہ پرست مورخین ہندوستان کی تاریخ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس فرقہ وارانہ تاریخ کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل کرنے کے لائق سمجھا گیا اور جنتا پارٹی کے دور حکومت میں تو اسی نقطہ نظر سے ان کا تمام زبانوں میں ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ نصابی کتابوں میں مسخ شدہ تاریخ کی شمولیت ریاستی حکومتوں کے باقاعدہ فیصلہ کا نتیجہ نہیں تھی، ایسے مسخ شدہ حقائق تو ان کتابوں میں بھی شامل ہیں جو قومیائے ہوئے اداروں نے شائع کی ہیں۔

تاریخ کے فرقہ وارانہ نقطہ نظر کو تھوپنے کی منظم کوشش پہلی مرتبہ ۱۹۷۷ء میں جنتا پارٹی کی حکومت بننے کے بعد کی گئی۔ (اس حکومت میں جن سنگھی شامل تھے) اسی وقت این۔ سی۔ ای۔ آر۔ ٹی کی تیار کی ہوئی بعض نصابی کتابوں کو نصاب سے خارج کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور یہ کہا گیا تھا کہ این سی ای آر ٹی کی کتابیں "ایسا نقطہ نظر پیش کرتی ہیں جو ملک

کی روایتی، تہذیبی اور سائنسی قدروں سے مبرّیٰ ہے۔"

ان کتابوں کے تعلق سے جو اعتراضات کیے گئے تھے، ان کو دیکھنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ اصل اعتراض ان کتابوں کے سیکولر اور سائنسی اندازِ فکر پر ہے، جو ہندوستانی تاریخ کے مطالعہ کے لیے اپنایا گیا تھا۔

ان کتابوں کو نصاب سے خارج کرنے کے فیصلہ کی ملک کے تمام اہم مورخین نے مذمت کی اور جنتا پارٹی حکومت اس فیصلہ کو نافذ نہیں کر پائی۔ پھر بھی آر۔ ایس۔ شرما کی کتاب "قدیم ہندستان" جو جنتا پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد چھپی تھی، اسے سینٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن نے خارج کر دیا تھا۔ یہ کتاب جنتا پارٹی حکومت ختم ہونے کے بعد دوبارہ نصاب میں شامل کی گئی۔ آر۔ ایس۔ شرما کی کتاب کو نصاب سے خارج کرنے کی ہدایت اس وقت کے وزیرِ تعلیم نے دی تھی۔

اسی مدت کے دوران مرکزی وزیرِ تعلیم کی سرپرستی میں فرقہ پرست مورخین نے انڈین ہسٹری اینڈ کلچر سوسائٹی کے نام سے اپنی علیحدہ تنظیم قائم کی۔ اس ادارے کے کرتا دھرتاؤں میں زیادہ تر وہی ہیں جو سنگھ پریوار کے "مورخین" بھی ہیں۔ اس بار ان مورخین نے ریاستی اقتدار کو زیادہ موثر ڈھنگ سے نصابی کتابوں میں ہیر پھیر کے لیے استعمال کیا۔ اس کا سلسلہ ۱۹۹۱ء میں چار ریاستوں میں بی۔ جے۔ پی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد شروع ہوا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ منظم کوشش اتر پردیش میں کی گئی جہاں راج ناتھ سنگھ وزیرِ تعلیم تھے اور انھوں نے خود نصابی کتابوں میں تبدیلی کی مہم کی سرپرستی کی۔

آر۔ کے۔ ملکانی کہتے ہیں کہ "تعلیمی نظام میں صحت مند قوم پرستی" کو فروغ دینے کے لیے سنگھ پریوار کے تمام دانشورانہ وسائل کو استعمال کیا گیا۔ راج ناتھ سنگھ فرماتے ہیں کہ نصابی کتابوں میں تبدیلی "ہمارے ہیرو" ہمارے مالا مال تہذیبی ورثہ اور روایت" کو ابھارنے کیلئے کی جا رہی ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ ملکانی جب پاکستان گئے تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ پاکستانی حکومت وہ سب کچھ پہلے ہی کر چکی ہے جو ان کی حکومت نے اب کرنا شروع کیا ہے۔ تاریخ کو مسخ کرنے اور تعلیم کے نظام کو زہر آلود کرنے کی اس مہم میں وشو ہندو پریشد، اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد، بھارتیہ شکشن منڈل جیسی سنگھ پریوار کی تنظیمیں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔

نصابی کتاب لکھنے کے لیے بھی وقت درکار ہوتا ہے۔ مگر سنگھ پریوار اور اس کے پروردہ حکومتوں کو نصاب میں "صحت مند قوم پرستی" شامل کرنے کی اتنی جلدی تھی کہ انھوں نے نئی نصابی کتابیں تیار کرنے کے بجائے پہلے سے پڑھائی جانے والی نصابی کتابوں میں حذف و اضافہ کے ذریعہ ہی کام چلانے کی کوشش کی۔

اتر پردیش حکومت نے ۱۹۹۱-۹۲ء کے دوران تعلیمی محاذ پر اپنی کامیابیوں اور حصولیابیوں کے تعلق سے جو کتابچہ شائع کیا ہے، اس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ایک بڑی کامیابی نصابی کتابوں میں تبدیلی ہے۔ جو تبدیلیاں کی

گئیں وہ مضحکہ خیز ہیں۔

انتظامی فرقہ پرستی

پہلی تبدیلی آریاؤں کے اصل وطن سے متعلق ہے۔ بعض مورخین محض "حب الوطنی" کے جوش میں یہ کہتے رہے ہیں کہ آریہ باہر سے نہیں آئے تھے۔ وہ ہندستانی تھے اور یہاں ہی سے دنیا کے دوسرے حصوں کی طرف گئے۔

مگر بال گنگا دھر تلک مانتے تھے کہ آریہ آرکٹیک سے آئے تھے۔ تلک کی حب الوطنی پر تو کوئی شبہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے آریوں کو اصل ہندستانی بتانے والے بعض "محبان وطن" نے یہ افسانہ گڑھ لیا کہ "آرکٹیک کی پہاڑیاں دراصل ہندستان ہی میں تھیں۔

مگر آریائی مسئلہ سے کئی ایسے سوال جڑے ہوئے ہیں جن کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکا ہے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ "آریہ" کسی نسل کے لوگوں کو نہیں کہا جاتا ہے بلکہ یہ ایک ایسے لسانی گروہ کی پہچان ہے جو سنسکرت سمیت اسی طرح کی مختلف بولیاں استعمال کرتے تھے۔ "آریہ" ایک لسانی خاندان کے فرد تھے۔

مگر ہڑپہ تہذیب کا پتہ چلنے کے بعد ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ ہڑپہ تہذیب ویدک دور سے پرانی تہذیب ہے۔ اس مسئلہ پر قابو پانے کے لئے "محب وطن" مورخ یہ کہنے لگے کہ آریہ تو ہڑپہ تہذیب سے قدیم تھا۔ وہ بار بار اس دلیل کو دہراتے جاتے ہیں۔

جولائی ۱۹۹۱ء میں متھک سوسائٹی اور بھارتیہ اتہاس سنکلن یوجنا سمیتی نے آریہ مسئلہ پر بنگلور میں ایک سیمینار منعقد کیا۔ اس سیمینار میں ایک قرارداد منظور کر کے مطالبہ کیا گیا کہ پرانے حقائق کے بجائے نصابی کتابوں میں "نئی تحقیقات" کے نتائج کو شامل کیا جائے۔ یہ بھی کہا گیا کہ کم سے کم "دوسرے نقطۂ نظر" کی حیثیت سے ہی نصاب میں شامل کر لیا جائے تاکہ ہمارے طلبا غلط تاریخ نہ پڑھیں۔ یہ بھی دعوی کیا گیا کہ اس سے مضبوط قومی انداز فکر کو فروغ حاصل ہو گا۔

یہ قرارداد وشو ہندو پریشد نے اپنے ایک مراسلہ کے ساتھ منسلک کر کے تقسیم کی جس میں یہ دعوی کیا گیا کہ آریائی نسل کے غیر ہندستانی ہونے کی تھیوری کو فرنگی حکمرانوں نے جان بوجھ کر پھیلائی ہے تاکہ ہم بھارت سے گہری وابستگی نہ پیدا کر سکیں۔

اپریل ۱۹۹۲ء میں بی۔ جے۔ پی کی سرپرستی والی ہندستانی تاریخ پر قومی کانفرنس (لکھنؤ) نے ایک قرارداد منظور کر کے دعوی کیا کہ "سچائی یہ ہے کہ آریائی تہذیب ہندستان ہی میں پیدا ہوئی" اور پھلی پھولی۔ نئی تحقیقات اور انکشافات سے ثابت ہو گیا ہے کہ آریائی تہذیب اور ہڑپہ تہذیب ایک ہی تہذیب کا جز ہیں"۔

ہڑپہ اور آریائی تہذیب کو ایک دوسرے سے جوڑتے وقت یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ ہڑپہ تو شہری تہذیب ہے، جبکہ ویدک تہذیب چراگاہوں اور زراعت سے وابستہ ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے یہ افسانہ گھڑ لیا گیا کہ ویدک تہذیب کے متعلق تصنیفات میں کسان کی جو منظر کشی ہوئی ہے، وہ دراصل اس وجہ سے ہے کہ بعض لوگ جو کھیتی باڑی، مویشی پالن

درس وتدریس اور تعلیم میں معروف تھے۔ وہ جنگلوں میں رہتے تھے، جبکہ دوسرے لوگ شہری زندگی گذار رہے تھے، اور سڑک، سمندر اور دریائی راستوں سے دور دراز تک تجارت کرتے تھے۔ آج کا ہندستان بھی ایسا ہی ہے جہاں چھ لاکھ گاؤں ہیں جب کہ شہروں کی تعداد چھ سو ہے۔ دونوں کے معیار زندگی میں فرق ہے، حالانکہ دونوں ہی زندگی کے یکساں قسموں کے حامل ہیں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی حکومت نے حال ہی میں ہائی اسکول اتہاس، بھاگ ایک کے نام سے جو نصابی کتاب شائع کی ہے، اس میں اس "تحقیق" کو شامل کیا گیا ہے۔

ہندستانی کلچر کیا ہے؟

نصابی کتاب میں تبدیلی کی ضرورت علما نے زیادہ "حب الوطنی" کے جذبہ سے متاثر ہے، اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ اب یہ پرچار کیا جارہا ہے کہ ہندستان کے کلچر اور تہذیب کے اصل خالق تو آریہ ہی ہیں۔ یہ کہا جارہا ہے کہ آریائی دور میں جو کلچر پیدا ہوا، جو بنیادی طور پر ہندو کلچر ہے، وہی اصل ہندستانی کلچر ہے۔ بعد میں جو کچھ ہوا وہ تو غیر ملکی جارحیت کا نتیجہ ہے جسے پوری طرح سے مسترد کر دینا چاہئے، جو لوگ جن کے آباو اجداد مقامی باشندے نہیں تھے اور ان کا کلچر جو قدیم ہندو کلچر کا جزو نہیں ہے، وہ ہندستانی کلچر نہیں ہے۔

ایک اخباری نامہ نگار نے اتر پردیش کے وزیر تعلیم سے سوال کیا تھا کہ آریائی ہندستانی تھے اگر اس تھیوری کا ثبوت موجود ہے تو اسے پہلے نصابی کتابوں میں کیوں شامل نہیں کیا گیا۔ انھوں نے جواب دیا " یہ سابقہ حکومتوں کی فاش غلطی تھی۔ دراصل اسے نصاب میں شامل کرنا ان پارٹیوں کے انتخابی حساب وکتاب کے خلاف ہوتا کیونکہ انھیں پھر آریہ، ہندو دھرم، شیو، درگا، شیواجی اور رانا پرتاپ کی بات کرنی پڑتی۔ اس سے کافی لوگ خاص طور سے مسلمان ناراض ہو جاتے اور انھیں ووٹ بینک کھونا پڑتا۔"

آریائی قوم کا اصل ہندستان بتانے اور اسے ہندو ازم، اس کے دیوی دیوتاؤں اور بعض تاریخی کرداروں سے جوڑنے کا مقصد یہ جتانا ہے کہ جو پوری طرح سے مقامی نہیں ہیں، وہ ہندستانی نہیں ہو سکتے ہیں۔

مقامی لوگ ہی اصل ہندستانی ہیں، اور جو مقامی نہیں ہیں وہ کم ہندستانی ہیں، اسی تھیوری کی وجہ سے مدھیہ پردیش کی کانگریسی حکومت راجپوتوں کے دباؤ میں آگئی تھی کہ این سی ای آر ٹی کی ایک کتاب کے ان پیراگراف پر سیاہی پھیر دے جس میں یہ کہا گیا تھا کہ راجپوت دراصل ایک غیر ملکی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں بتایا گیا تھا کہ یہ غیر ملکی نسل دراصل دوسری صدی قبل مسیح سے چھٹی صدی عیسوی کے دوران ہندستان میں

ک آباد ہو گئی تھی۔

مورخ آر۔ سی۔ مجمدار نے ہندستانی تہذیب کی "سحر" سے لیکر دہلی سلطنت کے قیام تک یعنی دسویں صدی عیسوی کی "شب تاریک" تک احاطہ کیا ہے۔ ان کے لیے برطانوی سامراجی حکومت کا قیام اسی "شب تاریک" کا تسلسل ہے۔ یعنی ایک غیر ملکی حکومت کی جگہ دوسری غیر ملکی حکومت قائم ہو گئی۔ سنگھ پریوار نے "شب تاریک" کی تاریکی کو پندرہ سو برس کی طوالت عطا کر دی ہے۔

بی۔ جے۔ پی کی قومی تاریخ کانفرنس نے تاریخ کی نصابی کتاب مرتب کرنے کے لیے جو اصول متعین کئے ہیں، ان میں حسب ذیل ہدایات بھی شامل ہیں:

"سکندر اعظم کے حملے سے کر برطانوی غلامی سے نجات تک کی طویل مدت، ہندستانی مزاحمت کی شاندار روایتوں سے بھری پڑی ہے۔ عام طور سے اس مزاحمت اور اس کے لیڈروں کو ان کے حقیقی پس منظر کے ساتھ ابھارا جائے۔ ان سے وابستہ قوم پرستی، قومی افتخار اور قومی کردار کو ابھارا جائے، تاکہ طالب علموں کے ذہن میں ہماری قوم اور ملک کی یکجہتی کے دفاع کا احساس پیدا ہو۔"

سنگھ پریوار کی طلبا اور ٹیچر تنظیموں نے جو میمورنڈم دیا ہے، اس میں جو مانگ کی گئی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"پچھلے ڈھائی ہزار برس میں غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف ہندستان کی جد و جہد آزادی میں مکمل اور غیر جانبدار تاریخ پڑھائی جائے۔ شاید اس جد و جہد آزادی میں ٹیپو سلطان اور دیگر ایسے راجاؤں سے آزادی بھی شامل ہو گی جو انگریزوں نے ہمارے لیے حاصل کی تھی۔"

میمورنڈم میں کہا گیا ہے کہ:

"بھگوان کی کرپا سے ٹیپو کو اقتدار سے بے دخل کیا گیا اور وڈیار حکومت کا تسلسل قائم ہوا۔"

ابھی تاریخ کی کتابوں کو "جد و جہد آزادی" کے اس نئے پس منظر کے ساتھ از سر نو مرتب کرنے کا کام تو نہیں کیا گیا۔
مگر نصابی کتابوں میں بعض تبدیلیاں
دیہ نصابی کتابوں میں راشٹر ودھار کے "نسل صفائی" کا ہندستانی انداز ہو گا،
ضرور کر دی گئی ہیں۔

تحریک آزادی کی تاریخ

چانکیہ نے پورے بھارت کو ایک قوم کی حیثیت سے منظم کرنے کی سعی کی تھی۔ اس مقصد سے ایک بیان بھی نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔ اشوک اعظم سے متعلق باب میں تین جملوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ جملے ہیں:

" یہ بات نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ اتنی بڑی سلطنت قائم کرنے کے باوجود، اشوک نے اپنے فرمان صرف ایک رسم الخط (برہمی)، صرف ایک زبان (پراکرتی سنسکرت) میں ہی کندہ کرائے۔ یہ اس دور کے قومی اتحاد کی علامت ہے۔"

اگر ان جملوں کے مصنفین کو پتہ چل گیا کہ اشوک اعظم نے اپنے فرمان خروستھی، آرامی (سامی) اور یونانی میں بھی کندہ کرائے ہیں تو وہ اسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اشوک اعظم کو بھی غیر محب وطن قرار دے دیں گے۔

بابر اور بابری مسجد کے متعلق تاریخ کی کتابوں میں اتر پردیش کی بی۔ جے۔ پی حکومت نے جو تبدیلیاں کی ہیں ان کی اپنی حصولیابی کی حیثیت سے تشہیر نہیں کی ہے بلکہ خاموشی سے تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ "ہائی اسکول اتہاس بھاگ دو" نامی کتاب میں بابر کے متعلق جو باب شامل تھا اس سے یہ تاثر قائم ہوتا تھا کہ "بابر مذہبی معاملات میں روادار تھا۔ اس کا حوالہ نکال دیا گیا ہے اسی باب میں مغلوں کی مذہبی پالیسی کے بارے میں ایک نیا بیان شامل کیا گیا ہے جو اس طرح ہے:

" بابر کے ایک مقامی حاکم کرباقی (میر باقی کیوں نہیں لکھا گیا) نے ایودھیا میں ایک منہدم مندر کی جگہ مسجد تعمیر کی۔ حالانکہ یہ ڈھانچہ متنازعہ ہے، پھر بھی ہندو اسے مندر مانتے ہیں۔

یہاں جس ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا گیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ رام یا وشنو مندر کہنا تو دور کی بات، یہ بھی نہیں کہا گیا کہ مسجد کی تعمیر کے لیے مندر کو منہدم کیا گیا۔

بیسویں صدی کی جدوجہد آزادی کے باب میں اضافی مواد شامل کیا گیا ہے۔ یہ مواد سبھاش چندر بوس اور بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر کے بارے میں ہے۔ اس کے علاوہ تین صفحات آر۔ ایس۔ ایس کے بانی کیشو راؤ ہیڈگیوار کے بارے میں شامل کیے گئے ہیں۔ ان کے تین صفحات میں بتایا گیا ہے کہ کیسے ہیڈگیوار نے محبان وطن کے دلوں کو جیت لیا اور کیسے قوم پرستوں نے ان کی تعریف کی۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا نصابی کتابوں کو از سر نو مرتب کرنے کا کام پورا نہیں کیا گیا ہے۔ مگر تاریخ و ثقافت پر کتاب مرتب کر کے شائع کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دے دی گئی ہے۔

نئی کتابیں کیسی ہوں گی اور اس میں کیسا مواد شامل کیا جائے گا۔ اس کا اندازہ ان کتابوں سے لگایا جا سکتا ہے جو سنگھ پریوار کی ایک تنظیم کے اسکولوں (شیشو مندر) میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان اسکولوں کی چوتھی اور پانچویں جماعت میں جو تاریخ کی کتاب پڑھائی جاتی ہے اس میں قومی مزاحمت کا ذکر سکندر کے حملے سے شروع ہوتا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں اشتعال انگیز زبان میں ان شکستوں کا ذکر کیا گیا ہے جو "ہندوستانیوں" نے سکندر کے بعد سے تمام غیر ملکی

حملہ آوروں کو دیں۔

بعض مثالیں پیش خدمت ہیں:

"پرتھوی راج نے محمد غوری کو ہلاک کیا" غوری کی لاش پرتھوی راج کے قدموں پر ایسے پڑی تھی جیسے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہی ہو۔ قطب مینار سمدرگپت نے تعمیر کرایا تھا اور اس کا اصلی نام وشنو استمبھ ہے۔ چیتا مادھو راؤ کے تحت ہندستان آزاد ملک بن گیا۔"

انداز تحریر کا اندازہ لگانے کے لئے بعض جملوں کا ترجمہ حاضر ہے:

"سینکڑوں بدمعاش راکھشش ہمارے ملک کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے۔ لاتعداد لٹیرے اور حملہ آور اپنی بڑی بڑی فوجوں کے ساتھ آئے۔ بہت سے فاتح عالم ہونے کے دعویدار کی حیثیت سے آئے مگر انھیں بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔ کچھ نے پورے بھارت پر حکومت قائم کرنے کی کوشش کی مگر انھیں ساری زندگی میدان جنگ میں گذارنی پڑی۔ یہ بیچارے ایک رات بھی سکون کی نیند نہیں سو سکے۔ کچھ نے ہندو دھرم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کیا مگر خود انھیں اکھاڑ پھینکا گیا۔"

"اس کے بعد وہ حملہ آور آئے جن کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن تھا۔ تلوار کے بل پر لاتعداد ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا۔ آزادی کی لڑائی ایک مذہبی لڑائی بن گئی۔ لاتعداد لوگوں نے مذہب کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ ہم ایک کے بعد دوسری جنگ جیتتے گئے۔ ہم نے کبھی بھی غیر ملکی حکمرانوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا مگر ہم اپنے سے جدا ہوئے بھائیوں کو پھر سے ہندو نہیں بنا سکے..."

"ان ہزاروں برسوں میں لاکھوں غیر ملکی آئے، مگر ان میں سے ہر ایک کو شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا... ان میں سے کچھ کو ہم نے ہضم کر لیا... جب ہم متحد نہیں تھے تو ہم پہچان نہیں سکے کہ کون ہمارا ہے اور کون پرایا۔ اس لئے ہم انھیں اپنے میں جذب نہیں کر سکے جو ہم سے جدا ہو گئے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ آج بھی مغل، پٹھان اور عیسائی ہیں۔"

ان کتابوں کے ذریعہ جس حب الوطنی کا درس دیا جا رہا ہے اس سے متعصب نسل تیار ہوگی۔ حال ہی میں مدھیہ پردیش حکومت نے ان سنگھی اسکولوں کو ریاستی حکام کے چنگل سے آزاد کر دیا ہے، اور انھیں پانچویں اور ساتویں جماعت کے بعد الگ سے امتحان لینے کا اختیار دے دیا ہے۔ گویا اب وہ ریاستی تعلیمی بورڈ کے تحت نہیں بلکہ سنگھی اسکولوں کا بورڈ الگ ہے۔

سنگھی تعلیمی بورڈ

مدھیہ پردیش کے ہائر ایجوکیشن گرانٹ کمیشن نے ایک نئی نصابی کتاب "بھارت کی سانسکرت وراثت" کے نام سے تیار کی ہے۔ اس کتاب کے مطابق ہندوستان دنیا کی سب سے قدیم اور مالا مال ثقافت ہے۔ اس کتاب میں بھی اس "حقیقت" کو اجاگر کیا گیا ہے کہ آریاؤں کا اصل وطن ہندوستان ہے۔ مگر مصنف اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہتے کہ آریائی اور دراوڑ علاحدہ الگ نسل ہیں یا محض نسلی گروہ۔ وہ گونڈ، بھیل اور سنتھال کو بھی دراوڑ مانتے ہیں۔

ہندوستان کے ماضی کے تعلق سے بعض اور "تحقیقات" بھی کی گئی ہیں، جنھیں دیگر علوم کی کتابوں میں ٹھونسا جا رہا ہے۔ اپریل ۱۹۹۲ء میں ویدک علم الحساب پر الہ آباد میں ایک ورکشاپ ہوئی تھی جس کی "تحقیقات" کو سیکنڈری سطح پر علم الحساب کے نصاب میں لازمی قرار دے دیا گیا ہے۔ اگلے برس سے انجینئرنگ کالجوں میں اسے لازمی مضمون قرار دینے کی تجویز ہے۔

اس ورکشاپ کے شرکاء میں سے ایک نے کہا کہ "دنیا بھر میں جو ریاضی پڑھائی جاتی ہے وہ دراصل ویدک ریاضی ہے۔ ویدک ریاضی کا طریقہ زیادہ سود مند اور درست ہے۔ یہ جدید کمپیوٹر سے بھی زیادہ آسان طریقہ ہے۔"

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس سے طالب علموں میں قومی افتخار پیدا ہوتا ہے۔ بی جے پی حکومت کے وزیر تعلیم نے جو "تعلیم پر قومی کنونشن" میں شریک تھے، پورے اعتماد کے ساتھ دعویٰ کیا تھا کہ ریاضی اور سائنس میں ہندوستان نے جو کچھ کامیابی حاصل کی ہے، دنیا کا کوئی ملک اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

بی جے پی کی حکومتیں ہندوستان کے ماضی کا جو تصور نصابی کتابوں میں داخل کر رہی تھیں، وہ ہمیشہ سے فرقہ واریت کی آئیڈیالوجی کا اٹوٹ حصہ رہا ہے۔ ماضی میں شعبہ تعلیم کے حکام نے اصولی طور پہ یہ مانا تھا کہ ایسے تصورات کو نصابی کتابوں میں جگہ نہیں ملنی چاہیے۔ اس کے باوجود کسی نہ کسی شکل میں یہ تصورات نصاب میں در آئے ہیں۔ مگر اب تو ریاست کے اختیارات کو استعمال کر کے باقاعدہ ان تصورات کو نصاب کا حصہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کوشش یہ ہے کہ تاریخ کو ایک علم کی بجائے فرقہ وارانہ پروپگنڈے کا ہتھیار بنایا جائے۔

۱۹۷۷ء میں سیکولر نصابی کتابوں کو تاریخ کے نصاب سے خارج کرنے کی سازش کو مورخین اور دوسرے لوگوں کی مشترکہ مساعی سے ناکام بنا دیا گیا تھا۔ وقت آ چکا ہے کہ ایک بار پھر اس سازش کو اسی طرح سے شکست دی جائے۔

ہفت روزہ "حیات" نئی دہلی
۲۸ فروری ۱۹۹۳ء

ڈاکٹر کنور رفاقت علی خاں
جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

عہد وسطیٰ کے ابواب برائے ہائر سکنڈری (دہلی)

ہندستانی تاریخ کے پرچے کا ایک جائزہ

(۱۹۶۴ء — ۱۹۷۲ء)

ہائر سکنڈری (دہلی) کے ہندستانی تاریخ کے عہد وسطیٰ کے ابواب کا (۱۹۶۴ء تا ۱۹۷۲ء) میں نے جائزہ لیا۔ ایسے عام سوالات جو ہندستانی تاریخ کے ہر حصے کو اپنی گرفت میں لیتے ہیں اور عام نوٹس کو اس سروے میں شامل نہیں کیا گیا ہے

اس سروے کا نتیجہ انتہائی افسوسناک ہے ان لوگوں کے لیے جو یہ جانتے ہیں کہ تاریخ کا میدان آہستہ آہستہ وسیع ہوتا گیا ہے اور وہ اپنی حدود میں معاشرتی انسان کے ہر پہلو کو لے لیتا ہے۔ تاریخ کو ہم ایسا مضمون سمجھتے ہیں جو ہماری سمجھ کو سوسائٹی کی تبدیلیوں اور آج تک کی ارتقائی کیفیتوں کے سمت میں عمیق بناتا ہے اور عصری تبدیلیوں کے عمل کے سلسلے میں ہماری سمجھ میں اضافہ کرتا ہے۔ کلاس روم کی پڑھائی اور طلبا کی ذاتی پڑھائی بیشتر امتحانوں کے مقصد سے کیجاتی ہے، اس لیے امتحان کے پرچوں کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ یہ صورت حال کہ پچھلی چوتھائی صدی میں سوالوں کے ڈھرے میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں آئی اور کم و بیش وہی سوالات دہرائے جا رہے ہیں جو برطانوی حکومت کے دور میں آتے تھے۔ قابل غور ہے۔ یہ بات زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے جب یہ عام طور پر تسلیم کر لیا جائے کہ پچھلے چند برسوں (تاریخ) کے درس و تدریس میں اہم تبدیلیاں آئی ہیں۔ یہ تبدیلیاں اس مضمون کے سبھی پہلوؤں میں ہوئی ہیں اس کا تصور، مطالعے کا طریقہ کار، اس کا مواد اور درجے میں تعلیم کے اصول و ضوابط۔

یہ سروے بتاتا ہے کہ نو برسوں کے اندر یعنی ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۲ء کے وقفے میں عہد وسطیٰ کی تاریخ پر کل ۵۹ سوالات پوچھے گئے۔ ان سوالوں میں انچاس سوال سیاسی تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں اور دس سوالات مختلف حکمرانوں کے عہد میں اصلاحات اور نظم و نسق کے متعلق پوچھے گئے اور مذہب پر بھگتی تحریک کے تعلق سے۔ حیرت ہوتی ہے اس بات پر کہ سماجی اور معاشی تاریخ کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے۔ سماجی، معاشی اور انتظامی ادارے کہیں کوئی مقام نہیں رکھتے ہیں اور ایک بھی ایسا سوال نہیں اٹھایا گیا جس کی بنیاد پر طلبا کی عہد وسطیٰ کے سماج کے سلسلے میں اس شعور کا کہ وہ ایک بڑھتی ہوئی تنظیم

کا وجود رکھتا تھا، یقین کیا جائے۔

اس ڈھیرے کی گہری چھان بین ہمیں یہ بتاتی ہے کہ وہ انیس سوال جو سیاسی تاریخ پر تھے ان میں دو ابری حاکموں کے سلسلے میں ہیں۔ علاء الدین خلجی اور دو تغلق بادشاہ دہلی سلطنت میں؛ اور بابر، شیر شاہ، اکبر، شیواجی اور اورنگزیب مغل عہد میں۔ اسی طرح اصلاحات اور نظم و نسق کا تعلق مندرجہ بالا بادشاہوں سے ہے۔

تقریباً سارے سوالات جو امتحان میں پوچھے گئے ہیں وہ فرداً فرداً حکمرانوں کے کارنامے، اصلاحات اور حکمت عملی کے متعلق ہیں۔ جیسے کہ عہد بہ عہد تاریخ کا مطالعہ جو کہ ایک غلط طریقہ کار ہے۔ اہتمام سے بہت بعید ہے۔ ان دس برسوں کے عرصے میں ایک بھی سوال درج ذیل شخصیتوں سے متعلق نہیں پوچھا گیا۔

قطب الدین ایبک، التمش کے جانشین، جلال الدین خلجی، مبارک شاہ خلجی، غیاث الدین تغلق، فیروز شاہ کے جانشین، سید حکمراں، لودھی حکمراں، ہمایوں، جہانگیر، شاہجہاں۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اگر ترک مغل کی پیمائش وقت کے پیمانے پر کی جائے تو نصف سے زیادہ عہد وسطیٰ کا عہد مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور یہاں ڈیڑھ سو سال کا خلا ہے۔

یہ سروے مزید بتاتا ہے کہ ہندوستانی تاریخ کا امکان ہائر سکنڈری امتحان میں بے حد محدود ہے۔ اکتیس سوالوں میں سے سب کے سب شاہی دہلی یا آگرہ کے متعلق ہیں اور ایک بھی سوال آسام، بنگال، اڑیسہ، جونپور، راجپوتانہ، گجرات، سندھ، کشمیر، مالوہ، خاندیش، براث، احمد نگر، گولکنڈہ، بیجاپور، وجے نگر، کرناٹک اور مالابار کے صوبائی حکمرانوں کے متعلق نہیں تھا۔ اگر ہم ہندوستانی تاریخ کے امکان کا امتحان کے پرچوں کی بنیاد پر ایک خاکہ کھینچیں ہندوستان کے نقشے کو سامنے رکھ کر تو وہ گھٹ کر گنگا کا سطح مرتفع اور کوکن تک جائے گا اور اس مختصر سے علاقے کے سلسلے میں بھی تاریخ کے طلبا کی واقفیت بہت غیر اطمینان بخش ہے، کیونکہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی تاریخ کے ایک نہایت ہی تنگ دائرہ سے واقفیت طلبا کے لیے کافی سمجھی جاتی ہے۔ (یعنی سیاسی اور انتظامی) اور وہ بھی الگ تھلگ، زمان اور مکان کی بنیاد پر۔

ذیل کی فہرست اس نظام کے کھوکھلے پن کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں کہ تاریخ کی تعلیم کا مقصد ہی، مضمون کے امکانات کو تنگ کر کے اور محض چند حکمرانوں کے ذاتی کارنامے بنا کر، ضبط ربط کر دیا جاتا ہے۔

ان نو برسوں میں مندرجہ ذیل سوالوں سے صرف ایک سوال آیا۔

• محمد غوری مسلم حکومت کے بانی کی حیثیت • راجپوت شکست کے اسباب • التمش کی ابتدائی مشکلات
• سلطنت کے دفاع کے لیے بلبن کے اقدامات • غلام خاندان کا عظیم ترین حکمراں • محمد بن تغلق کے منصوبے • فیروز شاہ

کے کارنامے • تغلق سلطنت کے زوال کے اسباب • بابر کا نظم ونسق • بھگتی تحریک • گرو نانک کی تعلیمات • مغل حکومت کی اہمیت۔

مندرجہ ذیل موضوعات پر ایک سے زیادہ سوال کیے گئے تھے۔

• علاء الدین — نظم ونسق

• شیر شاہ — نظم ونسق

• اکبر — اصلاحات، کردار اور کارنامے، مذہبی پالیسی، شہنشاہیت کا تصور — راجپوت سلطنتوں کے ساتھ تعلقات — نظم ونسق

• اورنگ زیب — تخمینہ — مذہبی پالیسی — بادشاہت کا تصور۔

• شیواجی — کارنامے اور انتظامی امور • مغل سلطنت — انحطاط و زوال۔

مندرجہ بالا سروے پر نظر ڈالنے سے ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے پرچے برائے دہلی ہائر سکنڈری امتحان میں چھ اہم موضوعات ہیں۔ ان چھ موضوعات میں تقریباً ہر سال ایک سوال اکبر پر اور ان موضوعات میں سے ایک سال کے وقفے کے بعد ایک سوال ضرور آتا ہے۔ یہ سوالات ہیں علاء الدین، شیر شاہ، اورنگزیب، شیواجی اور مغل عہد کا انحطاط۔ ہوشیار طالب علم پچھلے سال کے سوال کی بنیاد پر تین چار موضوعات کی نشاندہی کر سکتے ہیں، جس سے امتحان میں ان کی کامیابی لازمی امر بن جاتی ہے۔

اس نوع کی تعلیم بے معنی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ معمولی تبدیلیاں اور ہلکی پھلکی ترمیم ہائر سکنڈری کے نصاب میں کچھ زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوگی۔ روایتی تعلیم سے مکمل انحراف اور درسی کتابوں کی از سر نو تصنیف و تالیف کی فوری ضرورت ہے۔

••

جناب خواجہ معین الدین
گجرات

گجرات کی نصابی کتابیں برائے درجہ چہارم تا ہفتم

علم معاشرت کا جائزہ

آزادی کے بعد ملک کے مدبر رہنماؤں نے ملک کی سالمیت کے بارے میں کافی غور و خوض کرنے کے بعد آئین مرتب کیا۔ ملک کی سالمیت کے لئے قومی یکجہتی کا نظریہ قبول کیا۔

آج بھارت ایک جمہوری ملک ہے۔ دستور ہند کے تحت بھارت میں بسنے والی ہر قوم کو اپنی تہذیب و ثقافت کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ اپنے اپنے مذہب پر چلنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ حقوق و اختیارات اس لئے دیئے گئے ہیں کہ بھارت میں بسنے والی مختلف اقوام کے الگ الگ مذہب ہیں۔ الگ الگ مسلک ہیں۔ قومی اتحاد اور یکجہتی کی بقا کے لئے یہ حقوق و اختیارات ناگزیر ہیں۔ لیکن بھارت میں کچھ اس طرح کی تحریکیں نشوونما پا رہی ہیں جو ملک کے جمہوری نظریے کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قومی اتحاد کا شیرازہ بکھیرنے اور ہندوستان کے چپے چپے میں قومی منافرت کا زہر پھیلانے کے لئے ان فرقہ پرست جماعتوں نے جو ذرائع اختیار کر رکھے ہیں، ان سے کافی زہر پھیل چکا ہے۔ ان فرقہ پرست جماعتوں نے اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے ہر شعبے میں اپنے آدمی گھسا دیئے ہیں۔ شعبۂ تعلیم و تدریس میں بھی ایسے آدمی گھسا دیئے گئے ہیں جو درسی کتابوں کے ذریعے قومی منافرت کے زہر کو اسکولوں میں پڑھنے والے معصوم بچوں کے ذہنوں میں پھیلا رہے ہیں۔ آئیے! گجرات کی پرائمری اسکولوں کی "علم معاشرت" کی درسی کتابوں کا جائزہ لیں۔ "علم معاشرت" کی حیثیت نصاب میں داخل ہونے والی کتابوں میں ہمارے ماہرینِ تعلیمات کی کارگزاریوں کو چشمِ عبرت سے دیکھیں۔ یہ جانیں کہ "فرقہ پرست ذہن" "ملک کی سالمیت" کے لئے کس طرح خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ خصوصاً "مسلم دشمنی" کس طرح پیش پیش ہیں وہ معلوم کریں۔

• ماحولیات (جماعت چہارم) کا جائزہ لیں۔ اس کتاب میں ملک کی تاریخ سے مناسبت رکھنے والے اسباق یہ ہیں۔ سبق ۲۳ والیہ۔ والمیکی۔ ۲۴ بھگوان بدھ۔ ۲۵ مہاویر سوامی۔ ۲۶ گرونانک۔ ۲۷ [illegible]

۲۸ جھانسی کی رانی ت ۲۹ سردار پٹیل کا بچپن ت ۳۰ نہرو چاچا کا بچپن ت ۳۱ ٹھکرایا!

ان اسباق کو دیکھئے، یہ اسباق ہندو مذہب، بدھ مذہب، جین مذہب، سکھ مذہب اور جنگ آزادی سے تعلق رکھنے والے کچھ رہنماؤں سے متعلق ہیں۔ ان اسباق میں یہ دکھانے کے لئے کہ مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کی گئی ہے، ایک ۱۰ سطروں کا بہت مختصر سا سبق "رمضان عید" منتخب کیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا اسباق کی فہرست سے پتا چلتا ہے کہ تقریباً ہر فرقے (مسلم فرقے کے سوا) کے مذہب اور بانی مذہب کے حالات زندگی سے بچوں کو روشناس کرایا جا رہا ہے، لیکن مذہب اسلام کی کسی بھی شخصیت کو یہاں کوئی جگہ حاصل نہیں ہے۔ انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جس طرح ہر قوم ہر مذہب کی نامور شخصیتوں کا انتخاب کیا گیا ہے، اسی طرح مذہب اسلام کی کسی نامور شخصیت کا انتخاب کرنا ضروری تھا۔ مذہب اسلام میں نامور شخصیتوں کا فقدان نہیں ہے۔ "رمضان عید" ایک ایسا سبق ہے جس کا انتخاب زبان دانی کی کتابوں میں ہونا چاہیئے ــــــ جنگ آزادی کے رہنماؤں کے انتخاب میں بھی ناانصافی سے کام لیا گیا ہے۔ ایک بھی مسلم رہنما کے تعلق سے کوئی سبق منتخب نہیں کیا گیا۔ کیا اس طرح کی دانستہ حرکتوں سے مسلمانوں کی دل شکنی نہیں ہوگی؟

جماعت پنجم کے لئے تاریخ کی کتاب کی حیثیت سے مورخہ یکم دسمبر ۱۹۸۰ء سے نصابی کتب کے لئے منظور شدہ کتاب "علم معاشرت" جماعت پنجم "نصاب" میں شامل کی گئی ہے۔ اس کتاب میں بھی متعصب ذہن کا جادو سر چڑھ کر بولتا معلوم ہوتا ہے۔ جماعت چہارم کی معلومات میں شامل کئے گئے کچھ اسباق دوبارہ مزید معلومات کے لئے پنجم جماعت میں شامل کئے گئے۔ سبق "حضرت عیسیٰؑ کی انسان دوستی" میں بعض جملے ایسے ہیں جن پر اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ ایک جگہ یوں لکھا ہے "حضرت عیسیٰؑ نے سمجھایا۔ اس طرح جو حقیر ہے۔ جس نے بہت بڑے کام کئے ہیں اس کو خدا جلد معاف کر دیتا ہے۔" اس جملے کی تاریخی حیثیت کیا ہے اور اس میں کتنی صداقت ہے، یہ بات پورے وثوق سے نہیں کہی جا سکتی۔ لیکن اس جملے سے یہ تاثر ضرور پیدا ہوتا ہے کہ زیادہ بُرے کام کرنا کوئی عیب نہیں ہے بلکہ جلد معافی حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے گناہ کرنا لازمی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ سے منسوب یہ حیرت انگیز فہمی "اور خدا کی یہ رحمدلی" کا عقیدہ ہمارے معاشرے کی کیا صورت بنا دے گا اس کا اندازہ تو یورپ کے ممالک کی موجودہ تہذیب سے لگایا جا سکتا ہے۔

اسی سبق میں اسلامی عقیدے کے خلاف یہ بات پیش کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر لٹکا دیا گیا تھا۔ اگر چہ عیسائی عقیدہ یہی ہے، لیکن تاریخی کتب میں عیسائی عقیدے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا کیا عقیدہ

ہے وہ بھی پیش کرنا چاہیئے تاکہ طلبہ کو حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر چڑھائے جانے کے تعلق سے عقیدہ معلوم ہو سکے۔

سبق "ولبھی پور کا دار العلوم" میں "ولبھی پور کے دار العلوم" کے خاتمے کا سبب بھارت پر عربوں کا حملہ ٹھہرایا ہے۔ لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عربوں کے حملے کے بعد بھی دار العلوم عرصے تک چلتا رہا، عربوں نے ولبھی پور پر حملہ کیا ہی نہیں۔ عربوں پر دار العلوم کو تباہ کرنے کا الزام سرے سے غلط ہے۔ ولبھی پور کی تباہی کا سبب جین اور بدھ مذہب کی آپس کی لڑائی تھی —— دراصل راشٹر کوٹ خاندان نے ولبھی پور کو تباہ کیا ہے۔ امپیریل گزیٹیر میں لکھا ہے کہ ولبھی پور کی تباہی ۷۷۰ء میں ہوئی (بحوالہ تاریخ ہند قدیم، ص ۱۵۰، مطبوعہ حیدر آباد۔ ماخوذ از تاریخ گجرات۔ مؤلف پروفیسر سید ابو ظفر ندوی) گجرات پر عبد الملک کا حملہ یہ حملہ عرب، جزروں کا گجرات میں جو لوٹ مار کی گئی تھی اس کے تدارک کے لئے کیا گیا تھا۔ ولبھی پور کی تباہی کے بعد ہوا تھا۔ اس کے بعد عربوں کا گجرات پر کوئی حملہ نہیں ہوا (تاریخ گجرات۔ مؤلف سید ابو ظفر ندوی)۔

سبق "گجرات میں پارسیوں کی آمد" میں بھی اشتعال انگیز جملے لکھے گئے ہیں۔ اس طرح کے جملوں سے قومی یکجہتی کا کردار مجروح ہوتا ہے۔ قومی اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ گجرات میں پارسیوں کی آمد کی وجہ بھی عربوں کا ایران پر حملہ بتائی گئی ہے۔ اس تاریخی حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس درسی کتاب میں زہر اگلتے ہوئے جملے ملاحظہ فرمایئے۔

"فاتحین نے ایران کی قوم کو اسلام مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ ان لوگوں سے برداشت نہ ہو سکا وہ مختلف علاقوں میں بھاگ نکلے" —— یہ ایک تاریخی جھوٹ ہے۔ عرب فاتحین نے ایرانیوں کو زبردستی مسلمان ہرگز نہیں بنایا۔ حملے کے سینکڑوں برس کے بعد آج بھی ایران میں آتش کدہ سرد نہیں ہوا ہے۔ فاتحین کا لشکر کسی جابر بادشاہ کا بھیجا ہوا لشکر نہ تھا۔ یہ خدا رسیدہ مجاہد تھے جنہیں "لا اکراہ فی الدین" کا قرآنی سبق اچھی طرح یاد تھا۔ آج بھی ایران میں زرتشتی مذہب قائم ہے۔ جو لوگ ذمی بن کر رہے وہ اپنے مذہب پر قائم رہے۔ آج بھی ان کی اولاد ایران میں اپنے آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ ایران چھوڑنے والے پارسی دراصل اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لئے بھاگے تھے۔ بھاگنے والے پارسیوں کو اپنے مذہب اور تہذیب سے بہت گہرا لگاؤ تھا یہ بات بھی بہت حد تک صحیح نہیں ہے۔ ہندوستان میں مغلوں کے دور میں پارسیوں نے مغل رسم و رواج اپنائے تھے۔ انگریزوں کے دور میں انگریزوں سے تعلقات قائم کرکے انگریزوں کا رہن سہن اختیار کیا دراصل جان و مال کے تحفظ کے لئے "جیسا دیس ویسا بھیس" کی حکمت عملی اختیار کی گئی تھی۔

اس سبق میں پارسیوں کو جس طرح مظلوم بتایا گیا ہے، اسی طرح سدھ راج جے سنگھ کے زمانے میں گجرات کے کھمبایت کے علاقے میں پارسیوں نے سازش کر کے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے تھے، اس کا ذکر بھی سبق نمبر ۱۹ "سدھ راج جے سنگھ" میں کرنا چاہیے تھا۔

پانچویں جماعت کی اس درسی کتاب میں ایک سبق "بھیم دیوا اول" کے نام سے شامل کیا گیا ہے۔ بھیم دیوا اول کے زمانے میں سلطان محمود غزنوی نے سومناتھ پر حملہ کیا تھا۔ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے کہ اس سے ذرہ برابر بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن موجودہ دور میں قومی اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے اس تاریخی حقیقت کو طلبہ کے سامنے پیش نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن ایک خاص مقصد کے تحت، ایک خاص طریقے سے محمود غزنوی کے اس حملے کے واقعات کو تاریخ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ہندو طلبہ کے ذہنوں میں مسلمانوں کے خلاف زہر بھرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس سبق کے چند جملے ملاحظہ فرمائیے۔

"(۱) وہ پردیسی حملہ آور افغانستان کے شہر غزنی کا سلطان تھا۔ وہ بہت جنگجو تھا۔ مورتیوں اور مندروں کو توڑتا۔ بڑی جنگی فوج کے ساتھ سومناتھ کے مندر پر حملے کرتا۔ ۔۔۔ (۲) محمود کئی سال سے بھارت کے مختلف علاقوں پر حملے کیا کرتا تھا اور مندروں کو توڑ کر بے حد دولت لوٹتا تھا۔"

مندرجہ بالا جملوں سے ہندو طلبہ کے ذہنوں میں کیا ردِ عمل پیدا ہو سکتا ہے اس سے ہم بخوبی واقف ہیں علاوہ اس کے تاریخ پڑھانے والا استاد اگر بہت متعصب ذہن رکھتا ہو تو وہ اس واقعہ کو کس انداز میں پیش کر سکتا ہے اس کا بھی ہم اندازہ کر سکتے ہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ لیکن پھر بھی اس حقیقت کو تاریخ کی کتابوں میں پیش کرنے سے ہمیں گریز کرنا چاہیے۔ حقیقت کو چھپانے کے لیے نہیں بلکہ قومی اتحاد کے لیے، ملک کی سالمیت کے لیے اب ایسا کرنا ناگزیر ہوگا۔ میرا یہ مشورہ غلط بھی نہیں ہے، کیونکہ تاریخ گجرات اور تاریخ ہند کا مطالعہ کرنے سے ایسے تاریخی حقائق بھی ہمارے سامنے آتے ہیں کہ ہندو راجاؤں اور جین راجاؤں میں کئی جنگیں ہوئی ہیں دونوں مذہب کے راجاؤں نے ایک دوسرے کے مذہب کے مندر توڑے ہیں۔ لوٹ مار کی ہے۔ لیکن ان واقعات کو درسی کتابوں کی ترتیب کرنے والے ہمارے ماہرین درسی کتابوں میں اس لیے شامل نہیں کرنا چاہتے کہ ان واقعات کو پیش کرنے کی وجہ سے ہندو جین اتحاد، بدھ ہندو اتحاد پر اثر پڑتا ہے۔ ان اقوام میں باہم منافرت پیدا ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لیے ان واقعات کا سرسری ذکر بھی درسی کتابوں میں نہیں کیا جاتا۔ ایک تاریخی واقعہ ملاحظہ فرمائیے جس سے معلوم ہوگا کہ ایک ہندو راجہ نے جین مذہب والوں پر کتنا ظلم کیا ہے۔

کیا اس طرح کے واقعات کو درسی کتابوں میں پیش کیا جاتا ہے جبکہ تاریخی واقعہ یوں ہے۔

"چونکہ کمار پال کے کوئی لڑکا نہ تھا۔ اس لئے اس کا بھانجہ اجے پال راجہ ہوا۔ یہ شیو مذہب کا تھا اور بڑا متعصب تھا۔ اس نے جین مذہب والوں پر بڑا ظلم کیا۔ جینی علماء میں سے کپردی نامی کو کھولتے پانی میں ڈلوایا۔ رام چندر نامی ودوان (عالم) کو جو ایک سو کتابوں کا مصنف تھا تپتے ہوئے تانبے کے پترہ پر قتل کر مار ڈالا۔ کمار پال کے بنوائے ہوئے اکثر مندروں کو گروا دیا۔ جینیوں کے سردار کو قتل کیا اور دربار کے بہترین اور معتبر سردار مربہشٹ کو قتل کر دیا۔" (ماخوذ از تاریخ گجرات ص ۱۰۷ بعنوان اجے پال سولنکی ص ۱۱۷۳ تا ۱۱۷۷ مؤلف۔ پروفیسر سید ابو ظفر ندوی)

اس لحاظ سے اجے پال اور محمود غزنوی ایک طرح کے جابر ہیں۔ لیکن اجے پال سولنکی کا ذکر درسی کتابوں میں اس لئے نہیں کیا جاتا کہ اس ذکر سے ہندو جین اتحاد کو ضرب پہنچتی ہے۔ لیکن ہندو مسلم اتحاد کو ضرب پہنچانے کے لئے محمود غزنوی کا ذکر لازمی طور سے کیا جاتا ہے۔ اجے پال سولنکی کے مظالم سے احتراز کیا جاتا ہے تو محمود غزنوی کے مظالم سے بھی احتراز کرنا چاہیئے۔

علم معاشرت کی اس درسی کتاب میں جغرافیہ سے تعلق رکھنے والے اسباق میں گجرات کے تمام علاقوں اور ان کی طرز معاشرت کی معلومات دی گئی ہے۔ لیکن "طرز معاشرت" میں صرف ہندو اور جین طرز معاشرت کا ذکر پایا جاتا ہے۔ ہندو تہواروں، مندروں، تیرتھ گاہوں، ہندو راجاؤں کے بنوائے ہوئے تالابوں اور ہندو مذہب کے مختلف فرقوں کے بانیوں کے متبرک مقامات، میلے ٹھیلے اور ان کے مقامات اور ہندو راجاؤں کے فن تعمیر کا ذکر بڑی تفصیل سے موجود ہے لیکن مسلم عہد کے تاریخی مقامات اور فن تعمیر کا کوئی ذکر نہیں۔ چانپانیر میں محمود بیگڑہ کے بنائے ہوئے قلعے اور مساجد جو فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں لیکن انکا کوئی ذکر نہیں۔ دھولکا کے علاوہ تالاب جسے سدھ راج نے بنایا ہے، کا ذکر تو کر دیا لیکن مسلم عہد کے "خان تالاب" کا کوئی ذکر نہیں۔ مختلف ماتاؤں کے چھوٹے چھوٹے مندروں کا ذکر آجاتا ہے لیکن مسلم تہذیب و ثقافت اور اتحاد کی اشاعت کرنے والے بزرگوں کے تاریخی مقامات اور ان کے مزارات جو فن تعمیر کا نمونہ ہیں ان کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ احمد آباد کے جھولتے مینار جو فن تعمیر کا عجوبہ ہیں اور عالمی شہرت رکھتے ہیں جنہیں دیکھنے کے لئے آج بھی غیر ملکی سیاح جوق در جوق چلے آتے ہیں، ان کا ذکر بھی متعصب ذہن کی ہندوئیت کو ناگوار گزرا ہے۔ صرف سیدی سید کی جالی کا ذکر ہے۔ لیکن یہ جالی کس نے بنوائی کس عمارت میں کندہ کی گئی ہے۔ اس کا کوئی ذکر نہیں۔ سدھ راج کے "شہر تنگ تالاب" کا ذکر تو بڑے پرجوش انداز میں

کیا جا سکتا ہے لیکن مسلمان بادشاہوں کا نام لے کر انکی بنوائی ہوئی تاریخی عمارتوں کا ذکر غیر ضروری ٹھہرا۔

طرز معاشرت کو پیش کرنے کا یہ گھٹیا ڈھنگ صرف ایک ہی فرقہ کی طرز معاشرت کو اجاگر کرنا چاہتا ہے مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ طلبہ یہ نہ جان سکیں کہ گجرات کی تہذیب و ثقافت کو عظیم الشان بنانے میں مسلمانوں کا کتنا بڑا حصہ ہے۔ یک طرفہ تہذیب کے یہ سنگریز دراصل قومی اتحاد کے دشمن ہیں۔ درسی کتابوں کو اس طرح ترتیب دینے کا یہ رویہ حقائق سے انحراف کر کے منافرت کو تقویت پہنچا کر قومی یکجہتی کے دامن کو داغدار کرتا ہے۔

آیئے اب علم معاشرت "جماعت ششم" کا جائزہ لیں۔

یہاں بھی وہی حال ہے جو پچھلی کتابوں کا ہے۔ "سومناتھ کی کہانی۔ سبق ۳" کے عنوان سے محمود غزنوی کا سومناتھ پر حملے کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے

سبق ۶ "علاؤالدین خلجی۔ ایک ماہر حکمراں" میں علاؤالدین کو ایک ماہر حکمراں کے طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس پر ہندو دشمنی کا بہتان بھی لگایا گیا ہے۔ اس سبق کا ایک جملہ ملاحظہ فرمائیے: "ہندوؤں کے ساتھ اس کا برتاؤ اچھا نہیں تھا۔ اس لئے ہندوؤں سے مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ لگان وصول کیا جاتا تھا" لیکن تاریخی حقائق کچھ اور بتاتے ہیں۔ علاؤالدین خلجی کے دور میں جودھپور کا ایک ہندو مصنف علاؤالدین خلجی کے منصفانہ رویہ کی تعریف کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس نے ایک کتبے میں علاؤالدین کو تہنیت پیش کی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ "خدا کی مانند شجاعت نے زمین کو ظلم وستم اور نجاست سے پاک کر دیا تھا" (ماخوذ از ہندوستان میں مسلم حکومتوں کی اساس "مؤلف اے بی ایم حبیب اللہ)

سبق ۱۲ "اورنگ زیب اور شیواجی" میں مندرجہ ذیل جملے معصوم طلبہ کے ذہنوں میں مذہبی منافرت کا زہر پیدا کرتے ہیں۔ اورنگ زیب کے تعلق سے لکھا ہے۔

"اورنگ زیب کی مذہبی حکمت عملی بہت کڑی تھی۔ اس نے ہندوؤں کو اعلیٰ عہدوں سے برطرف کر دیا۔ اکبر نے جزیہ کو معاف کر دیا تھا وہ اس نے پھر سے وصول کرنا شروع کیا۔ اس نے تقریبات پر پابندی لگا دی۔ مندر گرا کر مسجدیں بنوائیں۔ ہندوؤں کو سکون سے رہنے سے منع کر دیا۔ انہیں گھوڑے پر سوار ہونے اور پالکی میں بیٹھنے سے روکا"

اوپر کے تمام تر الزامات بے بنیاد ہیں۔ راجہ جے سنگھ خود اورنگ زیب کی فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے جزیہ ٹیکس وصول کیا لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے کئی محصولات اس نے معاف کئے۔ اورنگ زیب کی حکومت بہت وسیع تھی۔ وہ اگر مندر توڑنے والا بادشاہ ہوتا تو ہندوستان کے ہر صوبے میں مندر ٹوٹ

جاتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کے عہد میں دو ایک مندر جو توڑے گئے اس کی وجہ سیاسی تھی نہ کہ مذہبی۔ آنجہانی اندرا گاندھی نے بھی سیاسی وجہ کی بنا پر سورن مندر پر حملہ کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔

بالفرض اگر الزامات کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان ہندو اور بدھ راجاؤں کو کیوں معاف کر دیا جاتا ہے کہ جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں مندر توڑے۔ لوٹ مار کی۔ مثلاً گجرات میں انہل واڑہ کے قریب وبھوی اور کیمبے (کھمبائت) کے جین مندروں کو ۱۱۰۳ اور ۱۲۱۰ء کے درمیان مالوا کے پرمار راجہ سبھاتا ورمان نے تباہ و برباد کیا تھا۔ راجہ ہرش نے (جو بدھ مذہب کا پیرو تھا) جس کا تعلق کشمیر کے دوسرے لوہارا سلسلۂ سلاطین سے تھا، اپنے خزانے کو بھرنے کے لئے متعدد ہندو مندروں کو تاخت و تاراج کیا تھا۔ (ماخوذ از ہندوستان میں مسلم حکومتوں کی اساس۔ مؤلف۔ اے۔ بی۔ ایم حبیب اللہ)

خود شیواجی نے سورت اور احمد آباد کو بلا امتیاز مذہب و ملت بری طرح سے لوٹا لیکن شیواجی کے لوٹ مار کے واقعات اس سبق میں پیش نہیں کئے گئے۔ بلکہ شیواجی کو ہندوؤں کے مذہبی رہنما کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

اس طرح مسلم بادشاہوں کو ہدف ملامت بنا کر اور ہندو راجاؤں کو دھرم رکھشک تسلیم کرنے کی پالیسی قومی اتحاد اور ملک کی سالمیت کے لئے زبردست خطرہ ثابت ہو رہی ہے۔ جو حقائق اور مشورے اس جائزے میں دیئے گئے ہیں وہ ملک کی بقا کے لئے قابل قبول ٹھہرتے ہیں۔

"علم معاشرت کی کتابوں کی از سر نو تشکیل لازمی ہے۔ اور یہ تشکیل نو غیر متعصب ذہن رکھنے والوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

مورخہ ۵ تمبر کی ۱۹۸۳ء سے منظور شدہ کتاب "علم معاشرت" جماعت ہفتم میں سبق ۱۹ سوراج کے لئے جد و جہد میں مسلم رہنماؤں کا کوئی رول نہیں بتایا گیا ہے۔ جذبۂ وطن پرستی کو ہوا دینے والوں میں صرف سریندر ناتھ بنرجی، گوپال کرشن گوکھلے اور لوک مانیہ تلک کے نام دیئے گئے ہیں۔ ایک بھی مسلم رہنما کا نام نہیں دیا گیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر عبدالحمید انصاری، علی برادران، حکیم اجمل خاں اور مولانا محمود الحسن ایسے قومی اور مذہبی رہنما ہیں جنہوں نے آزادی کی جد و جہد میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ جیل کی سزائیں بھی کاٹی ہیں۔ اپنے مال و اسباب کی قربانیاں بھی دی ہیں۔

اسی سبق میں سرسید احمد خاں پر بے بنیاد الزام لگایا گیا ہے۔ چند جملے ملاحظہ ہوں "کانگریس کو منظم ہونے سے روکنے کے لئے اب انگریزوں نے تفریق و امتیاز کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ سرسید احمد نام کے ایک

مسلمان رہنماؤں کو انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ کانگریس سے الگ رہیں اور انکو اپنا ہم نوا بنا لیا؟

سرسید وہ ہستی ہے جنہوں نے ہندو اور مسلمان کو اپنی دو آنکھوں سے تشبیہ دی ہے۔ رسالہ "اسباب بغاوت ہند" لکھ کر انگریزوں کو قصوروار ٹھہرایا ہے۔ لیکن یہاں ماہرین انہیں انگریزوں کا طرفدار بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ جنگ آزادی میں مسلمانوں نے جو قربانیاں پیش کی ہیں اس کا ذکر نہیں تھا۔ مسلم رہنماؤں کے تعلق سے کوئی الگ سبق منتخب کیا جانا چاہیے تھا۔ لیکن سبق ۵ "دو محبانِ وطن" کے نام سے صرف سردار ولبھ بھائی پٹیل اور جواہر لال نہرو کا ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا آزاد کیوں یاد نہیں آئے؟ مولانا محمد علی جوہر کیوں بھلا دیئے گئے؟ خدارا کبھی کبھی ان کا بھی ذکر خیر کچھ تفصیل کے ساتھ ہوا کرے تو انصاف ہاتھ سے نہیں جائے گا۔

میرا مشورہ ہے کہ علم معاشرت کی کتابوں میں سے ہر اس جملے کو نکال دیا جائے جو قومی اتحاد کو توڑنے کا ذمہ دار بن سکتا ہے۔ اور مسلم دشمنی سے پرہیز بھی لازمی ہے۔ اور اگر ہر طرح کے حقائق پیش کرنا ہی ناگزیر ہے تو ان ہندو راجاؤں، جینی اور بدھ راجاؤں کا بھی ذکر کیا جائے جنہوں نے ایک دوسرے کے مندر توڑے، لوٹ مار کی، قتل عام برپا کیا۔

امید کہ میں نے جو کچھ تاریخی حقائق پیش کئے ہیں ان پر غور و خوض کیا جائے گا۔

●●

جناب الیاس قریشی
احمد آباد

گجرات کی درسی کتابوں میں زہر

جماعت پنجم :

۱۔ سبق نمبر ۱۳، صفحہ نمبر ۶۴، پیراگراف نمبر ۳: "آج سے بارہ سو سال پہلے بھارت پر عربوں نے حملہ کیا۔ حملے کی وجہ سے میترک خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن میترک راجاؤں کے ساتھ ہی ولبھی پور کے دارالعلوم کی عظمت بھی کم ہو گئی۔"

۲۔ سبق نمبر ۱۴، صفحہ نمبر ۶۸، پیراگراف نمبر ۲: "فاتحین نے ایران کی قوم کو اسلام مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔"

۳۔ سبق نمبر ۱۷، صفحہ نمبر ۸۲، پیراگراف نمبر ۲: "مورتیوں اور مندروں کو توڑتا، بڑی جنگی فوج کے ساتھ سومناتھ کے مندر پر حملے کرتا۔"

۴۔ سبق نمبر ۱۷، صفحہ نمبر ۸۳، پیراگراف نمبر ۱: "محمود نے سومناتھ کا مندر توڑا۔"

جماعت ششم :

۱۔ سبق نمبر ۲، صفحہ نمبر ۷، پیراگراف نمبر ۱: "غزنی کا سلطان محمود غزنوی دولت کا بہت حریص تھا۔ اس نے سومناتھ کے مندر کی دولت کی تعریفیں سن کر اس کو لوٹنے کے لیے سومناتھ پر حملہ کیا۔"

۲۔ سبق نمبر ۲، صفحہ نمبر ۷، پیراگراف نمبر ۲: "محمود غزنوی کو بیش بہا جواہرات، ہیرے، لعل وغیرہ ملا کر تقریباً بیس لاکھ سے زیادہ کا مال مندر میں سے ملا تھا۔ اس طرح سومناتھ کے شاندار شوالہ کی لوٹ ہوئی۔"

۳۔ سبق نمبر ۶، صفحہ نمبر ۲۲، پیراگراف نمبر ۲: "علاء الدین بڑا متکبر، دغاباز اور نہایت ہی بُرا آدمی تھا۔"

۴۔ سبق نمبر ۶، صفحہ نمبر ۲۳، پیراگراف نمبر ۳: "ہندوؤں کی طرف اس کا رویہ بہت سخت تھا۔ اس نے ان کے لیے سخت قوانین نافذ کیے۔ اور ان سے جزیہ وغیرہ وصول کرتا تھا۔"

۵۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۴۳، پیراگراف نمبر ۶: "اس نے ہندوؤں کو ملکی عہدوں سے برطرف کر دیا۔"

اکبر نے جس جزیہ کو معاف کردیا تھا وہ اس نے پھر سے وصول کرنا شروع کیا۔ اس نے تقریبات پر پابندی عائد کی۔ مندر گرا کر مسجدیں بنوائیں۔ ہندوؤں کو مسلح رہنے سے منع کردیا۔ انھیں گھوڑے پر سواری اور پالکی میں بیٹھنے سے منع کردیا۔

۶۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۴۳، پیراگراف نمبر ۱: "اس نے شیوں کے ساتھ بھی تعصب بھرا برتاؤ کیا۔

۷۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۴۴، پیراگراف نمبر ۳: "اورنگ زیب نے اپنی سیاسی پالیسی سے سب کو دشمن بنا لیا تھا۔ وہ سخت، ضدی، بے رحم تھا۔ اس کی ساری زندگی سازشوں اور جنگوں میں گزری۔"

۸۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۴۵، پیراگراف نمبر ۳: "شیواجی کو فریب دے کر قتل کرنے کے لیے دوستی کا ماحول پیدا کرکے اس کو ملاقات کے لیے افضل خاں نے بلایا۔ ہوشیار شیواجی کو یہ بھید معلوم ہوگیا۔ وہ پہلے سے تیاری کرکے اس سے ملنے گیا۔ افضل خاں شیواجی سے دوستانہ طریقے سے ملا اور اسی وقت شیواجی کی گردن بغل میں دبا کر تلوار سے وار کیا۔ مگر شیواجی نے لوہے کی زرہ پہن رکھی تھی۔ شیواجی نے باگھ نکھ سے افضل خاں کا پیٹ چیر ڈالا۔"

۹۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ ۴۶، پیراگراف نمبر ۵: "یہ رگھو سوامی رام داس مغلوں اور مسلمانوں کے مظالم سے ہندو دھرم کو بچانے کیلئے جگہ جگہ مٹھ قائم کر رکھے تھے۔ اور لوگوں کو منظم کر رکھا تھا۔"

جماعت ہفتم

۱۔ سبق نمبر ۱، صفحہ نمبر ۶۵: "بارھویں صدی کے آخر میں بیرونی حملہ آور خلجی نے بہار پر حملہ کیا تب اس نے نالندہ دارالعلوم کا خاتمہ کیا تھا۔"

۲۔ سبق نمبر ۱۱، صفحہ نمبر ۱۷: "جادو اعیں اسلام مذہب پھیلا چنانچہ مجاہدت کے ہندو راجہ کو بھاگ جانا پڑا۔"

جماعت نہم

۱۔ سبق نمبر ۴، صفحہ نمبر ۳۰: "دونوں خلیفاؤں نے جبراً مذہب تبدیل کرنے کی رسم پر روک (پابندی) لگا رکھی تھی۔"

۲۔ سبق نمبر ۴، صفحہ نمبر ۳۲: "وقت گزرنے پر خلفاء جاہ و حشمت کے لالچ کی طرف مڑے۔ اور رفاہ عام کی جانب لاپرواہی برتی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حکومت کیلئے وہ آپس میں جھگڑتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کا زوال ہوا۔"

۳۔ سبق نمبر ۵، صفحہ نمبر ۴۸: "مسلمانوں کی آمد سے ہندوؤں کے سماجی درجے پر ضرب لگی۔ مسلم حکمرانوں کو ہندوؤں پر اعتماد نہ تھا۔"

۴۔ سبق نمبر ۷، صفحہ نمبر ۶۶: "اورنگ زیب ہٹی او بھی اور مذہب کے معاملے میں بڑا ہی تنگ نظر

تھا۔ دیگر مذاہب کی جانب اس کا سلوک بے رحمانہ تھا۔"

۵۔ سبق نمبر ۷، صفحہ نمبر ۶۷ "اورنگ زیب صرف غیر مسلموں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ شیعہ مسلک کے مسلمانوں کی جانب بھی بے رحم رہا۔ اس نظریہ کی وجہ سے جب مخالفت ہوئی تب اسے فرو کرنے کے لیے وہ مورتیوں اور مندروں کے خاتمے کرنے کی حد تک پہنچ گیا۔"

مندرجہ بالا جملے گجرات کی درسی کتابوں کے ہیں ان جملوں یا پیراگراف سے مندرجہ ذیل نکات ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۱۔ مسلمان ہماری سنسکرتی، علوم اور مذہب کے دشمن تھے۔ ۲۔ ہماری حکومتوں کا خاتمہ مسلمانوں نے کیا۔ ۳۔ مسلمانوں نے مندروں کو توڑا۔ ۴۔ مسلمانوں نے تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کو تباہ و برباد کیا۔ ۵۔ شیواجی ہندو قوم کے رہنما تھے؟ ۶۔ اورنگ زیب مسلم قوم کے رہنما تھے۔

"مسلمانوں کے آنے سے ہندو حکومتوں کا خاتمہ ہوا" ایسا بتانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ حکومتوں کا عروج و زوال ازل سے ہر ملک و ملت میں نظر آتا ہے۔ ان جنگوں کو بھی ایسے ہی زاویے سے دیکھنا چاہیے۔ مسلمان حکومتوں نے بھی بھارت میں آپس میں جنگیں کی ہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے آپس میں ہندوؤں سے زیادہ جنگیں کی ہیں۔ یہ جنگیں ساری حصول اقتدار کی تھیں جہاد اور غزوات نہ تھے۔

مسلمان گویا ہندو سنسکرتی کے دشمن تھے۔ انھوں نے نالندہ اور دوسرے دارالعلوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ یہ بات غلط ہے۔ عباسی خلیفاؤں کے دربار میں ہندستانی علوم و فنون کی قدر و منزلت تھی۔ برہمنوں کی حکمت و فراست کے بغداد کے علما معترف تھے۔ ہندسہ اور علم الحساب میں ہندستان ہی کی اولیت اور سبقت مسلمانوں کے نزدیک مسلم چیز تھی۔ مامون کے قائم کردہ دار الترجمہ میں کئی ہندو فضلا بھی تھے۔ مسعودی وغیرہ نے ہندو طبیبوں کے نام گنوائے ہیں۔ اور ان کی حذاقت کا اعتراف کیا ہے۔ البیرونی ان سب باتوں پر ایک شاہد عادل ہے۔ ابن مقفع نے "پنچ تنتر" کا ترجمہ "کلیلہ و دمنہ" کے نام سے کیا۔ وہ آج تک عالم اسلام میں مقبول ہے۔ اور اس کے ذریعے دنیا کی مختلف زبانوں میں تراجم ہوئے۔ فارسی میں اسی کتاب کے کئی منظوم و منثور ترجمے ہوئے۔ اکبر کے عہد تک یہاں کے برہمنوں کی ذہانت و معاملہ فہمی کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ دارا نے "उपनिषद" (اوپنشد) کے ترجمے کیے۔ محمد غوث گوالیاری نے "یوگ" کے مطالعہ کے بعد "अमृतकुंड" (امرت کنڈ) ترجمہ کیا۔ گوالیار کے ہندو شاعر سندر کو شاہجہاں نے "مہاکوی رائے" یعنی دربار کے ملک الشعرا کا رتبہ عنایت کیا تھا۔ اور اس کی مصنفہ سندر سنگار کے فارسی ترجمہ کا ایک مخطوطہ احمد آباد کے شہر قاضی رضا الحق صاحب کے پاس ہے۔

غالباً سنسکرت کے "نگارین" پر فارسی میں ایک نادر کتاب ہے۔ ہندوؤں کی عظیم سنسکرتی کے ہر تابناک پہلو پر فارسی اور عربی میں کتابیں دستیاب ہیں۔ ہندو سنسکرتی کو مسلمان بادشاہوں اور اولیاءاللہ دونوں نے سراہا ہے۔

اسی طرح گجرات میں مراٹھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے کئی کتب خانے ضائع ہوئے ہیں۔ نہ وہ مسلم دشمنی تھی نہ مسلم علوم و فنون سے بیر۔ جنگ کی تباہیوں میں یہ باتیں عام ہوتی ہیں۔ مہاراجہ شیواجی راؤ نے بڑودہ اسٹیٹ میں فارسی عربی کے فروغ کے لیے کیا نہیں کیا۔ عرب جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں نے بھارت کی والہانہ انداز میں تعریف کی ہے۔ ان مراعات کا بھی ذکر کیا ہے جو ہندستان میں آباد مسلمانوں کو ہندو راجاؤں کی طرف سے مہیا تھیں۔ نویں جماعت کی کتاب میں کہا گیا ہے کہ اول دو خلفائے راشدین نے اشاعت اسلام بالجبر پر پابندی لگائی۔ یہ جملہ اس مسموم ذہنیت کی غمازی کرتا ہے کہ جس کے ذمہ دار متعصب مستشرقین ہیں۔ انھوں نے اپنی مہم اور تحریروں سے یہ بات ذہن نشین کرادی ہے کہ اسلام کی اشاعت بزور تلوار ہوئی ہے۔ اور مسلمانوں سے کدورت رکھنے والے ذہن میں حقائق کو پس پشت ڈال کر لطیب خاطر اس کو دہرایا ہے۔ اور اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ بھارت میں بھی اسلام کی اشاعت بالجبر ہوئی ہے۔ حالانکہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ "لا اکراہ فی الدین" ہندستان میں اسلام صوفیائے کرام کی کوششوں سے پھیلا ہے۔

شیواجی اور اورنگ زیب کی جنگوں کو صحیح زاویۂ نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ ان کو حصول اقتدار کی جنگیں سمجھنا چاہیے۔ وہ جنگیں مہارانا پرتاپ اور اکبر کے درمیان ہوں یا اورنگ زیب اور دکن کے شیعہ حکومتوں کے خلاف ہوں۔ مذہبی لڑائی یا لشکر کشی کا محرک نہیں تھا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس زمانے میں قومیت بہ اعتبار مذہب کا تصور عنقا تھا۔

ماضی کے واقعات کو موجودہ انتشار افزا سیاسی زاویوں سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ ہمارا مستقبل مشترک ہے۔ مندرجہ بالا نکات ایک مسموم ذہن کے فارمیٹ (Format) کا لاشعوری طور پر ایک حصہ بن چکی ہے۔ گویا کوئی بھی تاریخی کتاب ان نکات پر زہر افشانی کیے بغیر نامکمل ہے۔

●●

جناب ایم۔ اے۔ بیگ
واردھا

مہاراشٹر کی درسی کتابیں

'اپنا بھارت'

شیواجی کی لڑائی کو اس کتاب میں "سوراج کی لڑائی" کہا گیا ہے۔ "ہندوی سوراج"۔ اسی طرح شائستہ خان کا ذکر صفحہ ۳۰ سے صفحہ ۳۵ تک ہے۔ میں نے جا بجا نشانات لگا دیئے ہیں۔ جا بجا ہندوی سوراج کا ذکر کیا ہے۔ صفحہ ۵۱ پر بادشاہ کی دغابازی کے عنوان سے اورنگ زیب کا ذکر کیا ہے۔ شیواجی کی تاج پوشی کا ذکر ہے۔ تاج پوشی کے سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے، "اور سوراج کے قیام کی بات کی گئی ہے اور جا بجا مسلمانوں کو "دشمن" کہا گیا ہے۔ اس کے بعد "اپنا بھارت" پانچویں جماعت کے لیے ہے۔ اس میں شہنشاہ اکبر، شاہجہاں "اور اورنگ زیب کا ذکر ہے۔

اس کے بعد "اپنا بھارت" چھٹی جماعت کے لیے ہے۔ اس میں وہی شیواجی کا ذکر ہے، اور انہی باتوں کو دہرایا گیا ہے جو پہلی کتابوں میں ہیں۔ لیکن زیادہ تفصیل کے ساتھ۔

اس کے بعد کی کتابیں بھی اسی قسم کی ہیں، ان کو میں نے چھوڑ دیا ہے۔ ان کتابوں میں سادھو، سنتوں کا ذکر ہے بڑی تفصیل سے۔ لیکن مسلمان صوفیوں خواجہ اجمیری اور بندہ نواز گیسو دراز کا کہیں ذکر نہیں۔ میں نے عجلت میں یہ کتابیں سرسری نظر سے دیکھی ہیں، ممکن ہے آپ ان سے کچھ کام لے سکیں۔

●●

جناب احمد یوسف
پٹنہ

مہاراشٹر کی درسی کتابیں

"اپنا بھارت"

اس کتاب نے ہندوستان کی تاریخ کا بالکل ہی نیا تصور پیش کیا ہے۔ ہندی بولنے والے علاقوں کے لئے یہ تصور بڑا ہی عجیب سا اور بڑا ہی مختلف سا نظر آتا ہے۔ اگر ہندی علاقوں کے لوگ اس کے فرقہ پرستانہ رجحان کی وجہ سے Reject نہ کریں تو بھی وہ اس کے مراٹھی Chauvinism کے سبب ضرور Reject کر دیں گے۔ اس کتاب میں مرکزیت مہاراشٹر کو حاصل ہو گئی ہے۔ دلی کی مرکزیت کو یہ کتاب تسلیم نہیں کرتی، اور مرہٹوں کو وطن کی آزادی (سوراج) کا سب سے بڑا محافظ تصور کرتی ہے۔ اس سوراج کا نام مصنف نے محض ایک سیکولر رنگ دینے کی غرض سے ہندوی سوراج رکھا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ "ہندوی سوراج" بجز ہندو احیاء پرستی کے اور کوئی دوسری شے نہیں ہے۔

یہاں مغل بادشاہ ظالم، دغاباز اور فریبی ہیں، مگر شیواجی بہادر، جفاکش اور سب سے اچھے آدمی ہیں۔ کٹر ہندو ہیں مگر دوسرے مذاہب کی بھی عزت کرتے ہیں۔

ص ۱۹ "باجی پربھو جیسے بہادر کی جان خطرے میں ڈالنا شیواجی کو منظور نہ تھا، لیکن انھیں سوراج کی حفاظت بھی مقصود تھی۔" ص ۲۲ "شائستہ خاں کا حملہ گویا سوراج کے لئے دوسری بڑی آفت تھی۔" ص ۲۵ "اورنگ زیب کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوا۔ . . شائستہ خاں کی شکست سے شیواجی راجہ کی دھاک بیٹھ گئی، اس موقع پر انہوں نے جو دلیری اور موقع شناسی کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔" ص ۲۸ "مذہبی رسومات شروع ہوا بندگیت سات دریاؤں کے مقدس پانی سے شیواجی راجا کو نہلایا گیا۔" ص ۴۰ "شیواجی مہاراج نے اشٹ پردھان (آٹھ وزراء) کا تقرر کیا اور ایک نئے سنہ کی ابتداء کی۔ یہ سنہ ہندوی سوراج کے اقتدار کا مظہر ہے۔" ص ۴۰ "ملک میں کئی چھوٹی ہندو ریاستیں تھیں انھیں اور عادل شاہی ریاستوں کو متحد کر کے اورنگ زیب کو زیر کرنے کا مہاراج کا ارادہ تھا۔" ص ۴۳ "اورنگ زیب نے اس سے کہا۔ اگر تم مسلمان ہو جاتے ہو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی۔ . . سمبھاجی نے اپنے دھرم کی خاطر اپنی جان دے دی۔ اس کا یہ

ایسا بے مثال ہے اور وہ شہید کہلایا۔" ص ۳۲ "مہاراشٹر میں سنہ گڑھ، راج گڑھ، پرچند گڑھ، پنہالا کے قلعوں
پر مغلوں کا قبضہ تھا اور سوراج کا بہت سا علاقہ انہوں نے حاصل کیا تھا۔" ص ۴۵ سوراج کی لڑائی کا اختتام
"سوراج کو برقرار رکھنے کے لیے مرہٹے چھبیس سال تک پوری بہادری کے ساتھ اورنگ زیب سے لڑتے رہے
.. اسی لیے انھوں نے اورنگ زیب جیسے طاقتور دشمن کو زیر کیا۔" ص ۶۴ "اسی وقت دلی کے بادشاہ کی
مدد کر کے پیشوا نے مالوے کے لیے سند حاصل کر لی (۱۷۴۳ء)۔" ص ۱۱۳ "۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کسی
مسلمان کا ذکر نہیں۔" ص ۱۱۶ "بھیل، پولا اور مرد وغیرہ تہوار جوش و خروش کے ساتھ منائے جاتے۔" قومی تہوار نہیں ہے۔

اپنا بھارت۔ تاریخ کی پہلی کتاب۔ پانچویں جماعت کے لیے II :۔ ص ۲ "رام اور کرشن
سے پنڈت نہرو تک کے ذکر میں کسی مسلمان کا ذکر نہیں۔" ص ۳۵ "شہاب الدین محمد غوری ... کی اشاعت
کرنے کے لیے وہ منزل بہ منزل دلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔" ص ۵۵ "رانا پرتاپ نے اپنے تمام سرداروں
کو اکٹھا کیا ... اپنی جوشیلی تقریروں سے سپاہیوں کی ہمت بڑھائی، سب نے سوراج کے لیے آخری
دم تک لڑنے کا عہد کیا۔" ص ۹۰ پابند شریعت بادشاہ :۔ "اورنگ زیب پکا سنی مسلمان تھا ... اسلام
اور سنی جماعت کے اصولوں کی اشاعت کرنا اس کا مقصد تھا ... اورنگ زیب نے اپنے مذہبی
برتاؤ کی وجہ سے سلطنت میں رہنے والے ہندو، جاٹ، سکھ، ستنامی لوگوں کا دل دکھایا تھا۔" ص ۹۴
"گرو تیغ بہادر ۱۶۶۴ء میں گدی نشین ہوئے ... بادشاہ نے انھیں گرفتار کیا اور مذہب اسلام
قبول کرنے کی دعوت دی۔" ص ۱۰۰ "اورنگ زیب نے ہندوؤں پر جزیہ عائد کیا تھا، اس پر شیواجی نے
اورنگ زیب کو سخت الفاظ میں ایک خط لکھا اور جزیہ سے متعلق ناراضگی کا اظہار کیا۔" ص ۱۰۲ "دشمنوں کو
زیر کر کے شیواجی نے ہندوی سوراج قائم کیا۔" ص ۱۰۳ "راجا سمبھاجی کو قید کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا
گیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا: اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی ... بادشاہ نے
انھیں سخت تکلیفیں دے دے کر مار ڈالا۔" ص ۱۱۳ "باہر سے آنے والے ان مسلمانوں نے اپنی سلطنتیں قائم کیں
اور یہیں رہنے لگے۔ پہلے انھوں نے یہاں کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا۔"

بڑوں کی کہانیاں تیسری جماعت کے لیے III :۔ اس کتاب میں ۲۲ بڑوں کے ذکر میں
صرف ایک مسلمان کا نام آتا ہے یعنی مولانا ابوالکلام آزاد کا۔

اگر انھیں صرف کانگریس کے سابق صدر ہونے کے سبب پیش کیا گیا ہے تو ان کے ساتھ طیب جی،

حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری کا نام بھی شامل کرنا تھا۔ سیاست دانوں میں مولانا محمد علی، حسرت موہانی
اور رفیع احمد قدوائی کا نام دینا تھا۔ ماہر تعلیمات کی حیثیت سے بھی اور ہندستان کے پہلے مسلمان صدر کی حیثیت
سے بھی ڈاکٹر ذاکر حسین کا نام رکھنا تھا، اسی طرح اور بھی کچھ لوگ تھے لیکن مصنف نے صرف ایک مسلمان کا نام رکھنا کافی سمجھا۔

<u>چھترپتی شیواجی (چوتھی جماعت کے لیے)</u> :- چھترپتی شیواجی پر یہ کتاب ایک نیم تاریخی تصنیف
کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں بھی دلی کی مرکزیت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ یہاں بھی سوراج کی بات کی گئی ہے اور
یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ شیواجی نے مہاراشٹر میں سوراج کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ کتاب بھی مراٹھا ذہن پرستی
کے زیر اثر لکھی گئی ہے۔

ص ۱: "مہاراشٹر میں شیواجی سے ساڑھے تین سو سال پہلے سوراج نہیں تھا۔ مہاراشٹر کے بڑے حصے
پر احمد نگر کے بادشاہ نظام شاہ اور بیجاپور کے حکمراں عادل شاہ کا قبضہ تھا۔ . . دونوں بادشاہ دشمنی
کی وجہ سے اکثر آپس میں لڑا کرتے تھے . . . لوگوں کو پوجا پاٹ کرنے اور تہوار منانے کی آزادی نہ
تھی۔ یہ ص ۱۳: مغل بادشاہ شاہ جہاں نے دکن کو فتح کرنے کے لیے ایک بہت بڑی فوج روانہ کی تھی۔"

اس وقت ہندستان میں اگر کوئی مرکزی حکومت تھی تو وہ دلی میں مغلوں کی حکومت تھی۔ مغل بادشاہ
کو کم کر کے یہ تصور دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دوسرے چھوٹے حکمرانوں کی طرح مغل بھی تھے۔

ص ۱۵: "شیواجی بھونسلے خاندان کی بزرگ ہستی شری رام چندر جی تھے جنہوں نے ظالم راون کو مار کر عوام کو سکھی
بنایا تھا۔" ص ۱۵: "شری رام و کرشن کے خاندان میں تمہارا جنم ہوا ہے تم بھی ظالموں کو ختم کر سکتے ہو۔" ص ۲۴: "اسی سے شیواجی
کی ہمت اور بڑھی۔ انہیں محسوس ہوا کہ انہیں بھوانی ماتا کا آشیرواد حاصل ہے۔" — تاریخ کو ہندوایا جا رہا ہے۔

ص ۴۳: "مغلوں کے حملوں سے مہاراشٹر برباد ہو گیا تھا۔ اس وقت دلی میں مغل بادشاہ اورنگ زیب حکمراں
تھا۔ شیواجی نے اس کے علاقے پر حملے کیے جس کی وجہ سے بادشاہ کو غصہ آگیا۔"

اورنگ زیب دلی کا حکمراں تھا اور دلی کا حکمراں ہی ہندستان کی تقدیر کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ یہ جملے تو
یہ کہہ رہے ہیں کہ شیواجی ہندستان کے بادشاہ تھے اور اورنگ زیب نے ان کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔

ص ۵۹: شیواجی کے لیے — "اس کامیابی کے بعد شیواجی خاموش نہیں بیٹھے!" —— اورنگ زیب کے
لیے — "اورنگ زیب کو بہت غصہ آیا اور اس نے مرہٹہ سلطنت کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔"

پروفیسر اکبر رحمانی

جلگاؤں

بڑھتی ہوئی منافرت میں نصابی کتابوں کا رول

آج ہمارا ملک فرقہ وارانہ، علاقائی، نسلی، لسانی اور مذہبی منافرتوں کی آگ میں جل رہا ہے۔ قتل و غارت گری، آتش زنی، لوٹ مار، دہشت گردی، ڈاکہ زنی، آبروریزی روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے تعصبات و دیہات جو امن و آشتی، محبت اور بھائی چارگی کے گہوارے تھے اب وہ بھی فرقہ وارانہ منافرت کی بھیانک آگ میں جل رہے ہیں۔ علامہ اقبال نے عہد غلامی میں ہندوستان کے بارے میں درد بھرے انداز میں جس حقیقت کا اظہار کیا تھا وہ آزادی کے چالیس سال گزرنے کے بعد بھی سچ ہے ؎

مرز میں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا یاں تو اک قرب فراق انگیز ہے

تعصب، تنگ نظری، فرقہ پرستی اور مذہبی منافرت زندگی کے تمام شعبوں پر چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آج کل تو فرقہ وارانہ صورت حال اس قدر "دھماکہ خیز" ہے کہ ذرا سی چنگاری دکھانے ہی سے یہ جوالا مکھی کی طرح پھٹ پڑتا ہے۔ اس بڑھتی ہوئی منافرت کے لیے جہاں ایک طرف خود غرض اور مفاد پرست سیاستداں ذمہ دار ہیں تو وہاں دوسری طرف ملک کا نظام تعلیم اور اس سے کہیں زیادہ درسی و نصابی کتابیں ذمہ دار ہیں۔ آپ نے وہ مشہور کہاوت تو ضرور سنی ہوگی کہ "جیسا بوؤگے ویسا کاٹوگے۔" آج ہمارے اردگرد نفرت، دشمنی اور تعصب کی جو فصل لہلہا رہی ہے وہ نتیجہ ہے اُس تخم ریزی کا جو ہمارے تعلیمی نظام نے نصابی کتابوں کے

ذمہ لیے انجام دتا ہے، مگر ہمیں اب بھی اس کا احساس نہیں ہے۔

ایک مفکر نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ وہ کہتا ہے اگر کوئی نیم حکیم غلط نسخہ تجویز کردے تو مریض کو جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ یہ ایک فرد کا نقصان ہوتا ہے۔ لیکن اگر درسی کتابوں میں ایسا مواد شامل کردیا جائے جو نہ صرف ذہنوں کو بگاڑے بلکہ ہم چوں ما دیگرے نیست کا احساس پیدا کرے، اپنے سوا دوسروں سے نفرت کرنے کی تعلیم دے، عدم رواداری سکھائے، انتقامی جذبات کو بھڑکائے، نسلی غرور میں مبتلا کردے تو ایسا نصاب اور ایسی نصابی کتابیں عظیم تباہی و بربادی لاتی ہیں۔ یہ پوری نسل کی تباہی ہوتی ہے۔ اس سے صرف ایک فرد کا نقصان نہیں ہوتا بلکہ پوری دنیا کی انسانیت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ امن و امان اور سماجی زندگی کا سکون درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

مدرسوں میں پڑھنے والے طلبہ ناپختہ ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔ ان میں اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی۔ ان کا ذہن ایک خالی تختی کی مانند ہوتا ہے کہ اس پر استاد جو چاہے لکھ دے اور درسی کتابیں جو اثرات مرتب کردیں، اُسے وہ من و عن قبول کرلیتا ہے، اور آئندہ زندگی میں بھی یہ باتیں اس کے ذہن سے محو نہیں ہوتی ہیں۔

پھر یہ کہ اس منزل پر طلبہ کو جو باتیں پڑھائی اور سکھلائی جاتی ہیں انہیں وہ حقیقت سمجھتا ہے۔ چوں کہ اس وقت اس میں اچھائی اور برائی کو پرکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے، وہ استاد کی کہی ہوئی باتوں اور درسی کتابوں میں درج باتوں ہی کو صحیح سمجھتا ہے۔ لہٰذا اگر نصابی کتابوں میں کوئی غلط اور گمراہ کن بات یا واقعہ بیان کیا جائے تو طلبہ اسے صحیح سمجھ کر ذہن نشین کرلیں گے اور تمام زندگی ان کے ذہن سے یہ محو نہیں ہوگا۔ بچوں کا یہی ذہنی بگاڑ، غلط تعلیم و تدریس آگے چل کر قوم و ملک کے لیے تباہی و بربادی کا باعث بن جاتی ہے۔ تاریخ عالم

میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

دو عالمی جنگوں کے اسباب کا گہرائی سے جائزہ لیں تو آپ کو:

• ایک بہت بڑا سبب یہ معلوم ہوگا کہ جرمنی کے مدرسوں میں جو تاریخ پڑھائی گئی تھی اسی کے یہ تباہ کن نتائج تھے۔" [1]

تاریخ کی درسی کتابوں نے بچپن ہی سے جرمن قوم کے دل و دماغ میں نسلی برتری و تفاخر کا احساس پیدا کر دیا تھا۔ انہیں غیر آریاؤں سے نفرت کرنا سکھایا تھا ایک قوم (ایک راشٹر)، ایک زبان (ایک بھاشا)، ایک کلچر (ایک سنسکرتی) نے انہیں متحد ضرور کیا تھا لیکن ان میں "جارحانہ قوم پرستی" کو فروغ دیا تھا اور پھر اس جارحیت کے جو نتائج برآمد ہوئے، تاریخ کا ہر طالب علم ان نتائج سے اچھی طرح واقف ہے۔

اگر کوئی غیر جانب داری سے موجودہ درسی و نصابی کتابوں کا جائزہ لے کر یہ نتیجہ اخذ کرے کہ ہمارا ملک بھی جرمنی کی راہ پر گامزن ہے تو مبالغہ نہ ہوگا، بلکہ ایک تلخ حقیقت کا اظہار ہوگا۔ اس تلخ حقیقت سے آنکھیں چرانے کی بجائے اس کا سامنا کرنا ہی ملک و قوم اور انسانیت کے مفاد میں ہوگا۔

آج ہمارے ملک میں ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی مدارس میں جو نصابی کتابیں رائج ہیں اگر ان کا قومی یک جہتی کے نقطۂ نظر سے تنقیدی جائزہ لیا جائے تو آپ بھی اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ نصابی کتابیں ہمارے ملک میں وہی رول ادا کر رہی ہیں جو ہٹلر کے جرمنی میں درسی کتابوں نے انجام دیا تھا۔ بعض نصابی کتابوں کے ذریعے نہ صرف فرقہ وارانہ منافرت پھیلائی جا رہی ہے بلکہ ایک مخصوص فرقے اور مذہب کے خلاف جذبات کو مشتعل کر کے تشدد اور جارحیت

---

[1] تاریخ کیسے پڑھائیں: خالد یار خاں ص ۸-۹ شائع کردہ اردو اکیڈمی سندھ سن اشاعت جنوری ۱۹۶۱ء

کو فروغ دیا جارہا ہے۔

ان درسی کتابوں میں آپ دیکھیں گے کہ ایک مخصوص فرقے کے مذہب، تاریخ، کلچر، ادب، مشاہیر، تہوار اور کارناموں کا زیادہ تذکرہ ہے اور دوسرے فرقوں کے کارہائے نمایاں کو یا تو بالکل نظر انداز کیا گیا یا ان کی قدر کم کی گئی یا پھر توڑ مروڑ کر غلط انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

یہاں یہ حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ جب تمام فرقوں کی مشترکہ جدوجہد سے ملک آزاد ہوا، تو ہم نے جمہوری نظامِ زندگی کو اپنایا، تاکہ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو۔ مذہب، ذات، زبان اور نسل کی بنیاد پر کسی کے ساتھ تفریق یا ترجیحی سلوک نہ ہو۔ پھر ہم نے اپنا ایک نیا آئین بنایا جس میں انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کا عہد کیا گیا۔ اقلیتوں کے مذہبی، تعلیمی اور ثقافتی حقوق کو بنیادی حقوق کا درجہ دے کر ان کے تحفظ کی ضمانت بھی دی تاکہ اکثریت کو من مانی کرنے سے روکا جا سکے اور اقلیتوں کے دل سے عدم تحفظ کا احساس دور کیا جا سکے۔

یہ جان کر کہ ہمارا ملک کئی مذاہب، زبانوں اور تہذیبوں کا گہوارہ ہے اور کثرت میں وحدت (Unity in diversity) ہماری شان ہے۔ ہم نے سیکولرزم (Secularism) کو اپنایا۔ اس کا مطلب مذہب کی نفی نہیں، بلکہ سیکولرزم کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ مملکت کا کوئی مذہب نہ ہوگا، تمام مذاہب کا یکساں احترام ہوگا۔ مذہبی رہنماؤں، پیغمبروں اور مذہبی کتابوں کی قدر و منزلت ہوگی۔ ان کی اہانت و تذلیل نہ ہوگی۔

ان تسلیم شدہ حقائق کی روشنی میں جب نصابی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں متضاد و مخالف باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان نصابی کتابوں میں ہندو دیو مالائی اور تصورات کا ذکر اس طرح ملتا ہے جیسے یہی تمام باشندگانِ ملک کا عقیدہ ہے۔ ایسا

لگتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے ذہنوں میں داستانوں، کہانیوں، Fairy Tales (پریوں کی کہانیوں)، مکالموں، نظموں اور گیتوں کے ذریعے ایک مخصوص مذہب کے کرداروں اور دیومالائی تصورات کو بٹھایا جا رہا ہے۔

شجاعت اور بہادری کی مثال دینا ہو تو بھیم، کرشن اور ارجن کے کرداروں کو پیش کیا جاتا ہے۔ بلند ہمتی اور خودداری کے لیے شیواجی اور رانا پرتاپ کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ عفت و پاکیزگی کے لیے سیتا اور والدین کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے رام کے کردار کو قابلِ تقلید بتایا جاتا ہے۔

آپ کسی بھی ریاست کی غیر اردو زبانوں کی نصابی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیجیے، ان میں آپ کو ایک مخصوص فرقے کے لوگوں، اس کے مذہبی کرداروں، اس کے بادشاہوں اور دیو مالائی تصورات کا ذکر ملے گا۔ ان درسی کتابوں میں آٹے میں نمک کے برابر ایک دو مسلم کردار نظر آئیں گے، وہ بھی ایسے جو طلبہ کے لیے قابلِ تقلید نہ ہوں۔ مسلم بادشاہوں سے تو جیسے انہیں چڑھ سی ہے۔ کوئی بادشاہ ان کی نظر میں انصاف پسند ہے، نہ بہادر، نہ عقل مند۔ یہ تمام باتیں قومی یک جہتی کے منافی ہیں۔

لسانی درسیات (Language Text Books) کی تدوین کے رہنما اصول :

زبان وسیلۂ اظہار اور ذریعۂ ابلاغ و ترسیل ہے۔ زبان ہی کے ذریعے انسان اپنے ماحول اور معاشرے سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ بچے کی شخصیت کی مکمل نشوونما میں یہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔

ابتدائی اور ثانوی سطح پر غیر مادری زبان کی تدریس کا مقصد طلبہ میں بولنے، لکھنے، سمجھنے اور پڑھنے کی مہارتیں پیدا کرنا ہے۔ ہمارے ملک میں علاقائی زبان کے علاوہ ہندی اور انگریزی زبانیں لازمی طور پر سکھائی جاتی ہیں۔ ان زبانوں کی نصابی

کتابیں مرتب کرتے وقت نہایت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ تاریخ اور زبانوں کی درسی کتابوں کی ترتیب و تدوین " کارگہہ شیشہ گری " سے بھی زیادہ نازک کام ہے۔ ان درسی کتابوں میں کسی ایک فرقے کے لوگوں اور اس کے مذہبی کرداروں اور شخصیتوں کا زیادہ تذکرہ اور کسی فرقے کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات نہ پیدا ہوں اس کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے قومی کونسل برائے تعلیم، تحقیق و تربیت (NCERT) نے تمام ریاستوں کو ہدایت جاری کی تھی کہ وہ نصابی کتابیں مرتب کرتے وقت اس بات پر خصوصی توجہ دیں کہ ان میں کسی مخصوص مذہب، فرقے یا کلچر کا تذکرہ نہ ہو۔ ہمارے ملک میں قوموں کی شناخت، مذہب سے ہوتی ہے اس لیے درسی کتابوں میں کسی بھی مذہب یا اس کے اصولوں یا اس کی شخصیتوں کا اہانت آمیز ذکر نہیں ہونا چاہیے ۔ یہ مذہبی عدم رواداری قومی یک جہتی کے منافی ہے۔ "ہدایت نامے" کے الفاظ یہ ہیں:

> "In text books religious intolerance may be reflected in the form of derograting remarks for religious books, tenets, personalities and people of a particular community, obviously such references cannot be accepted and retained in text books."
>
> " If the passage chosen and the descriptions in the book and whole are specifically related to the life, culture and practices of community or one religion only......shoule be considered objectionable."1

حواشی:
1. Instructions for evaluating language text books.

قومی کونسل نے اپنے "ہدایت نامہ برائے مبصرینِ درسیات" میں مزید یہ وضاحت کی ہے کہ درسی کتاب میں مخصوص فرقے کے خیالی کرداروں کا ذکر نہ ہونا چاہیے۔ ہاں مختلف فرقوں کے تہواروں اور رسوم کا تذکرہ قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اس نقطۂ نظر سے "عدم توازن" قابلِ اعتراض ہے۔ قومی کونسل نے مندرجہ ذیل پانچ باتوں کو قابلِ اعتراض اور قومی یک جہتی کے منافی قرار دے کر درسی کتابوں کو ان سے پاک کرنے کی ہدایت کی ہے:

(۱) فرقہ پرستی (Communalism)

(۲) ذات پات اور چھوت چھات (Casteism and Untouchability)

(۳) علاقہ پرستی اور لسانی عصبیت (Regionalism and Linguism)

(۴) نسل پرستی یا اونچ نیچ (Racialism)

(۵) ضعیف الاعتقادی یا اوہام پرستی اور ظلمت پسندی (Superstition and Obscurantism)

ان اصولوں کی روشنی میں مرتبین کتاب کو نثر و نظم کا انتخاب نہایت محتاط انداز میں کرنا چاہیے تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں اکثر ریاستوں کی لسانی درسی کتابوں میں مندرجہ بالا ہدایات پر عمل نہیں کیا گیا ہے۔

معیار اصول: قومی کونسل نے جو معیار اصول (Criteria) مقرر کیے ہیں ان کی وضاحت بھی کر دی ہے تاکہ من مانی تشریح کی گنجائش نہ رہے۔ اس موقع پر ہدایت نامے کے چند اقتباسات دینا ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ تعلیم و تدریس سے وابستہ حضرات ان کی روشنی میں اپنے اپنے علاقے کی درسی کتابوں کا جائزہ لے کر قومی یک جہتی کے منافی قابلِ اعتراض مواد کی نشاندہی کر کے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو متوجہ کرا سکیں۔

(۱) فرقہ پرستی سے متعلق وضاحتی اقتباس اس سے پہلے دیا جا چکا ہے۔

(۲) قومی کونسل نے "ذات پات: او چھوت چھات" کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ پیدائشی اعتبار سے انسانوں کے درمیان اعلیٰ وادنیٰ کی تمیز و تفریق کرنا اور بعض کو اچھوت قرار دینا سراسر غیر انسانی فعل ہے۔ اس کی وجہ سے ایک خاص گروہ "قومی دھارے" سے کٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے قومی یک جہتی کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس قسم کی تفریق برتنا اب قابلِ تعزیر جرم ہے:

> ". Therefore, glorifying or condemning reference to the caste status of an individual or group of people should be considered undesirable in a text book."

یعنی درسی کتاب میں کسی ایسی بات کی طرف اشارہ تک نہ ہونا چاہیے جس سے کسی فرد یا گروہ کی ذات کے اعلیٰ وادنیٰ ہونے کی بنا پر تحقیر وستائش کی گئی ہو۔

(۳) کونسل نے تیسرے اصول "علاقہ پرستی اور لسانی عصبیت" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے جو رنگا رنگ کلچر اور مختلف بولیوں کا گہوارہ ہے۔ مختلف علاقوں کی زبان، کلچر، روایات اور رسوم جداگانہ ہونے کے باوجود ان میں کئی باتیں مشترک ہیں، اس لیے ہندوستان کا کلچر ایک مشترکہ کلچر ہے۔ یہ کسی خاص فرقے اور مذہب یا کسی خاص علاقے کا کلچر نہیں ہے۔ یہاں مختلف تہذیبوں اور علاقوں کے درمیان لین دین ہوا ہے۔ اس لیے ایک مشترکہ کلچر وجود میں آیا جو ہمارے ملک کی امتیازی شان ہے۔ یہی مشترکہ کلچر "کثرت میں وحدت" کا سماں پیش کرتا ہے اس لیے اس امتیازی خوبی کو زیادہ سے زیادہ ابھارنا چاہیے۔ اس کے برخلاف:

> " Any reference to exclusiveness of a particular regional culture or language, or over glorification of a particular culture and language by dero grating the other should be treated as objectionable material in a textbook "

یعنی درسی کتاب میں کسی مخصوص علاقے، زبان اور کلچر کی مبالغہ آمیز ثنا خوانی اور دوسروں کی تحقیر و تذلیل نہایت غیر مستحسن اور قابلِ اعتراض تصوّر کی جائے گی۔

(۴) قومی کونسل نے نسلی بنیاد پر انسانوں کے درمیان تفریق و تقسیم کو قابلِ اعتراض گردانتے ہوئے کسی خاص نسل کی خوب صورتی یا بدصورتی اور اس کی نسلی خصوصیات کا تذکرہ بھی قومی یک جہتی کے منافی قرار دیا ہے:

"Any desc ription which divides humanity into superior or inferior 'races, must be discarded. In the same category are descriptions which associate beauty or ugliness and repulsiveness with a particular race and present racial purity as a virtue. Such descriptions and references should be eliminated."

(۵) قومی کونسل نے ایسے مواد کو بھی درسی کتابوں سے خارج کرنے کی ہدایت کی ہے جو اوہام پرستی اور ظلمت پرستی کو فروغ دے۔ اس کی بجائے ایسا مواد کتابوں میں ہو جو عقلیت پسندی (Rationalism)، سیکولر اور سائنسی طرزِ فکر کو بڑھاوا دے۔

"In fact the habit to accept age old beliefs and superstitions attitudes undesirable for national integration. Therefore, any material that tends to promote obscurantism and superstition should be eliminated from our school text books."

درسی کتابوں میں جس طرح متعصبانہ، فرقہ وارانہ اور منافرت انگیز مواد سے قومی یک جہتی کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، اُسی طرح ایسے واقعات اور ایسی شخصیتوں کے تذکرے جن سے قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ میں مدد مل

سکتی ہے انہیں چھوڑ دینا بھی قومی یک جہتی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے چنانچہ قومی
کونسل نے ایسی فروگذاشتوں کو بھی قابل اعتراض گردانا ہے :

> " Inclusion of prejudicial material is one factor which comes into the way of national integration. Omission of material which could have been conducive to national integration can be another factor leading to similar results.......
> The process of intermingling and developing friendly relationship among members of different communities, casts and regions etc. has been going on since time immemorial. Omission of this fact is objectionable."

یعنی ہماری تاریخ میں مذہبی رواداری کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مختلف فرقوں، ذاتوں
اور علاقوں کے لوگوں کے درمیان دوستانہ روابط اور اخوت و بھائی چارگی کا یہ سلسلہ
صدیوں سے جاری ہے۔ درسی کتابوں میں ایسے واقعات اور شخصیتوں کا تذکرہ نہ کرنا ایسی
فروگذاشت ہے جو قومی یک جہتی کے نقطہ نظر سے قابل اعتراض ہے۔

قومی کونسل نے واقعات کے بیان، محاورات اور کہاوتوں کے استعمال
میں بھی محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے کیوں کہ یہ کسی زبان کے بولنے والوں کے ادب اور
کلچر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی نسلی، طبقاتی اور ذاتی تعصبات نیز توہمات کی
بھی جھلک ان میں دکھائی دیتی ہے۔ کم عمر کے بچوں کی درسی کتابوں میں الفاظ، محاورے
اور کہاوتوں کے انتخاب میں کافی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ اس عمر کے
بچوں میں اچھے اور برے کو پرکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اس لیے قومی کونسل نے
ملیچھ (म्लेच्छ) ، یَوَن (यवन) جن سے مراد 'مسلمان' جو کہ باہر سے
یہاں آئے، جیسے الفاظ کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح لفظ 'کافر' کے

استعمال کو بھی قومی یک جہتی کے منافی قرار دیا ہے۔ کونسل نے 'ہدایت نامے' میں تحریر کیا ہے کہ:

> Use of these words for particular communities in the textbooks of lower classes certainly work against the promotion of the feeling of national integration and should be eliminated."

کسی ذات یا فرقے کے خلاف تحقیر آمیز بیان یا کسی تحقیر آمیز صفت کا جوڑنا بھی قابلِ اعتراض ہے۔ اس ضمن میں قومی کونسل نے مندرجہ ذیل مثالیں دی ہیں:

رامائن کے مصنف تلسی کے اس شعر کو:

ढोल गंवार शुद्र पशु नारी
सकल ताडना के अधिकारी

اور کسی کے بارے میں یہ کہنا کہ: "چمار کہیں کا!" یا یہ بیان کہ "رحیم کا باپ مسلمان ہوتے ہوئے بھی وشنو بھگت تھا" قابلِ اعتراض اور قومی یک جہتی کے منافی ہے۔

> Use of derograting remarks and adjectives for a particular community based on age old beliefs need to be eliminated from the school text books."

مہاراشٹر کی نصابی کتابوں پر ایک نظر :

NCERT کی ہدایات کی روشنی میں جب ہم نصابی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ ان ہدایتوں پر یا تو بہت کم عمل کیا گیا یا انہیں قابلِ اعتناء سمجھا گیا۔ ان ہدایتوں کے باوجود آج بھی نصابی کتابوں میں قابلِ اعتراض اور قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے منافی مواد موجود ہے۔ یہاں ہم ریاست مہاراشٹر کی پرائمری اور سیکنڈری اسکولوں میں رائج نصابی کتابوں سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں :

(۱) ہندی کی نصابی کتابیں :

ریاست کی پرائمری اسکولوں کے لیے مہاراشٹر اسٹیٹ بیورو آف ٹیکسٹ بکس پروڈکشن اینڈ ریسرچ پونا نے جو "ادارۂ بال بھارتی" کے نام سے مشہور ہے، پہلی تا ساتویں جماعت کی لسانی اور غیر لسانی مضامین کی درسی کتابیں ترتیب دے کر انہیں شائع کیا ہے۔ اس وقت میرے سامنے پانچویں تا ساتویں کی "ہندی بھاشا" کی درسی کتابیں ہیں۔ چوں کہ ریاست مہاراشٹر میں "درسیات" کو قومیا لیا گیا ہے، اس لیے اب تمام درسی کتابیں حکومت کے ماتحت ادارے ہی شائع کرتے ہیں اور وہی لازمی طور پر تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ادارہ بال بھارتی نہ صرف کتابیں تیار کرتا ہے بلکہ انہیں چھاپ کر فروخت بھی کرتا ہے۔ ریاست مہاراشٹر میں رہنے والے تمام باشندوں کو چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ، عیسائی، جین اور بودھ سبھی کے لیے ان درسی کتابوں کا پڑھنا لازمی ہے۔ چنانچہ ان درسی کتابوں کو مرتب کرتے وقت مختلف مذاہب کا احترام ضروری تھا۔ اور قومی کونسل برائے تعلیم و تحقیق و تربیت نے جو ہدایات دی تھیں، ان پر عمل کرنے کی سخت ضرورت تھی لیکن جب ان ہندی درسی کتابوں پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک مخصوص فرقے کے لوگوں، اس کے کلچر، اس کے

مذہبی اور دیو مالائی کرداروں اور بادشاہوں کا زیادہ ذکر ہے۔ بہ مشکل دو تین اسباق
میں مسلمان یا عیسائی کردار ملتے ہیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

پانچویں[1] جماعت کی کتاب "سلبھ ہندی بھاشا" کے پہلے ہی سبق میں
'نمستے کرنے'، 'بھجن کرنے اور گانا گانے' کی تعلیم دی گئی ہے۔ پھر تصویر کے ذریعے اس
ہندوانہ کلچر کو ذہن نشین کرایا گیا ہے۔

سبق نمبر ۲۵ میں ایلیفینٹا کے غاروں کی سیر کرائی گئی ہے۔ ان غاروں میں
ایک شیو مندر بھی ہے جس میں ہندوؤں کے دیوتا برہما، وشنو اور مہیش کی ایک
عظیم الشان تری مورتی ہے۔ اس کی تصویر بھی دی گئی ہے۔ یہ معلومات بھی دی گئی ہے کہ
شیو لنگ (اگر کوئی بچہ سوال کر بیٹھے کہ "لنگ" کیا ہوتا ہے تو شاید مرتبین کتاب بھی
بتاتے ہوئے شرمائیں گے) قریب دو میٹر اونچا ہے۔ پھر 'اردھ ناریشور'، 'شیو پاروتی' اور
نٹ راج کی مورتیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ غرض ہندوستانی کلچر اور بھارتیہ سنسکرتی
کے نام پر ہندو دیوی دیوتاؤں کے ناموں کو ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ مشقی سوالات
میں بھی ان دیوی دیوتاؤں پر سوالات کر کے طلبہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۷ ویں سبق میں مدراس میں منائے جانے والے ہندوؤں کے ایک تہوار
"پونگل" کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اس موقع پر سورج دیوتا، ہوا دیوتا
اور سمندر دیوتا کی پوجا کی جاتی ہے اور چاول کی کھیر ان دیوتاؤں کی بھینٹ کی جاتی
ہے۔ تیسرے دن گائے، بیل، بھینس وغیرہ جانوروں کی پوجا کی جاتی ہے۔ سبق میں
جانوروں کی پوجا کی تصویر بھی دی گئی ہے۔

---

[1] یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ اس کا گیارہواں ایڈیشن ہے جو ۱۹۸۹ء
میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب ان طلبہ کے لیے ہے جن کی مادری زبان ہندی نہیں ہے۔

۳۲ واں سبق ایک نظم ہے جس کا عنوان "کرشن اور گوپی" ہے۔ اس نظم میں ایک گوپی، یشودھا سے شکایت کرتی ہے اور پھر کرشن اس کا جواب دیتا ہے۔ کرشن، یشودھا اور گوپیوں کی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔

کتاب میں سوائے دو اسباق کے تمام کے کردار ایک مخصوص فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جیسے ابھے، شرد، اوما، سشما، رگھوناتھ، امیناتھ، اکشئے، شماناتھ، شرادھ، یگنیہ دیو، گیان دیو، موہن، سوہن، میپا، ششنکر، جنیتی لال، جانکی، آنند، بھارتی، بائی، واجیشور، بھولا، واسودیو وغیرہ۔

کتاب میں ایشور ودیاساگر کی رحمدلی، چتوڑ کی رانی کی بہادری، باپوجی کی پرندوں سے ہمدردی، بھارتی بائی کی گوا کی آزادی کے لیے شہادت اور گنوار ملاح کی عقل مندی کے قصے ہیں۔ دوسرے فرقے کے کارہائے نمایاں کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ دوسرے فرقے کے تہواروں اور عظیم قومی شخصیتوں کا ذکر تک نہیں ہے۔ سبق نمبر ۲ کا عنوان "عید" ضرور ہے مگر اس میں "پونگل تہوار" کی طرح "عید" کی حقیقت بیان نہیں کی گئی ہے۔ بس یونہی عید کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ذرا آپ بھی ملاحظہ کیجیے کہ عید کے بارے میں کیا لکھا گیا ہے:

"سعیدہ گھر آئی۔ سعیدہ کے ساتھ رتن آئی۔

سعیدہ کا بھائی حمید آیا، رتن کا بھائی نتن بھی آیا۔

سعیدہ، رتن کی سکھی (سہیلی) بنی۔ نتن، حمید کا ساتھی بنا۔

رتن، سعیدہ، نتن، حمید۔

سپھل (کامیاب) رہی اب ان کی عید۔" (ص ۴)

اس سے طلبہ کو عید کے بارے میں کیا معلومات ملی ـــــ کچھ بھی نہیں۔

اس میں ایک سبق "شیخ چلی" (۳۰ واں) بھی ہے جس میں اس کی احمقانہ حرکتوں کا ذکر ہے۔

(۲) چھٹی[1] جماعت کی کتاب کا نام ہندی بھاشا ہے۔ اس کے پہلے ہی
سبق میں جو تصویر دی گئی ہے وہ ہندو مذہب کے عین مطابق ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ
دو چھوٹے بچے اپنے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے دیوتا کی مورتی کے سامنے بیٹھے پرارتھنا
کر رہے ہیں۔

سبق نمبر ۷ "ناریل کے پیڑ" کے بارے میں ہے لیکن اس میں ابتدا میں بتایا گیا
ہے کہ جب پروہت بھگوان کی جگہ پر ناریل رکھ دیتا ہے تو راموکو تعجب ہوتا ہے کہ آج
تک پوجا میں ایسا نہیں ہوا۔ وہ اپنے پتاجی سے دریافت کرتا ہے کہ ناریل کو "بھگوان"
کا درجہ کیوں دیا جاتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ناریل اور اس کے پیڑ کے بہت سے
فائدے گننے کے بعد آخر میں کہا گیا کہ ـــ "اس لیے ہمارے بزرگوں نے اسے بھگوان
کا درجہ دیا ہوگا۔"

نویں سبق میں مارواڑ کے راجہ درگا داس راٹھور کے بچپن کے بہادرانہ
کارنامے کا ذکر ہے۔

گیارہویں سبق میں کنیا کماری کی سیر کرائی گئی ہے۔ کنیا کماری کی وجہ تسمیہ
بیان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ راجہ بھرت کو آٹھ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ بھرت کے نام پر ہی
ہمارے ملک کو بھارت کہا جاتا ہے۔ جب راجہ بھرت نے سنیاس لے لیا تو اپنی سلطنت کو نو
علاقوں میں تقسیم کرکے ہر ایک کو ایک ایک علاقہ دے دیا۔ ملک کا جنوبی علاقہ ان کی
بیٹی "کماری" کے حصے میں آیا تب سے اس کا نام "کنیا کماری" ہوا۔ پھر اس سبق میں
مندروں اور مورتیوں کی خوب صورتی کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں پارسی لیڈی کاما اور بڑی بھابھا، سائنس کے جادوگر ایڈیسن،

---

[1] یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ اس کا ۱۹۸۷ء کا
جدید ایڈیشن ہے۔

چوڑی والے بابا اور ڈاکٹر ذاکر حسین پر بھی مضامین ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سابقہ درسی کتاب کے مقابلے میں اس میں دوسرے فرقوں کو نمائندگی دی گئی ہے مگر زیادہ تر اسباق میں ایک خاص فرقے کے کردار مذہبی عقائد وروایات اور کلچر کا ذکر ہے۔

(۳) ساتویں جماعت کی ہندی بھاشا[1]:

اس کتاب کے سبق نمبر ۱۶ میں تُلسی داس جی کو رام سے کتنی محبت تھی، اُسے ڈرامے کی صورت میں دکھایا گیا ہے۔

صفحہ نمبر ۲۷ پر جھنڈا (झण्डा) کے عنوان سے ایک نظم دی گئی ہے۔ اس نظم میں "جھنڈا" کی خدمت وعظمت کے گن گائے گئے ہیں۔ تصویر میں شری کرشن کو دکھایا گیا ہے جن کے ہاتھ میں "سُدرشن جھنڈا" ہے۔ گیارہ اشعار پر مشتمل اس نظم میں صرف ایک شعر میں شری کرشن کے سُدرشن جھنڈا کا ذکر ہے، لیکن آرٹسٹ نے اسی بات کو زیادہ نمایاں انداز میں پیش کیا ہے۔

۲۵ واں سبق "رام لیلا" پر ہے۔ یہ تہوار شمالی بھارت میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس دن رام چندر جی نے راون پر فتح حاصل کی تھی۔ اس سبق میں "رام لیلا" کے تہوار کو اتحاد اور قومیت کی علامت بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کے دیکھنے سے دشمنوں پر فتح پانے کی تحریک ملتی ہے نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بھائی بھائی، باپ بیٹے، شوہر بیوی اور آقا وغلام کے تعلقات کیسے ہونا چاہیے۔ سبق کے ذیل میں جو مشق دی گئی ہے اس میں پوچھا گیا ہے کہ "رام چندر کی زندگی کا کون سا واقعہ تمہیں سب سے زیادہ پسند ہے؟ کیوں؟ دس سطروں میں لکھیے۔"

سبق نمبر ۲۷ میں ہندوؤں کے متبرک مقام "پنڈھرپور" (مہاراشٹر) کے مہان

---

[1] مطبوعہ ایڈیشن ۱۹۸۲ء یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

شیو بھگت "زہری سونار" کی داستان بیان کی گئی ہے۔ اس کہانی میں بتایا گیا ہے کہ زہری سونار، شیو شنکر کا کٹر عقیدت مند تھا۔ شیو کے سوا کسی اور کو نہ مانتا تھا۔ تمام دیوتا ایک ہی بھگوان کے مختلف روپ ہوتے ہیں یہ بات اسے تسلیم نہ تھی۔ ایک دن دولت آباد سے ایک ساہوکار، وٹھل (پنڈھرپور کے مشہور مندر کا دیوتا) کی منت پوری کرنے پنڈھرپور آیا اس نے زہری سونار سے کہا کہ وہ وٹھل وٹھوبا کی مورتی پر چڑھانے کے لیے ایک خوب صورت زیور بنا دے۔ ساہوکار نے اس سے وٹھوبا کی کمر ناپ لینے کے لیے مندر چلنے کو کہا مگر زہری سونار نے وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا کیوں کہ وہ شیو شنکر کے سوا کسی دوسرے دیوتا کو نہیں مانتا تھا۔ آخر ساہوکار نے مندر جا کر ناپ لایا۔ سونار نے خوب صورت زیور تیار کر دیا۔ جب ساہوکار نے اسے پہنایا تو وہ بہت ڈھیلا لگا۔ اسے سونار کے پاس لاکر چست کرایا۔ پھر ساہوکار مندر گیا لیکن وہ اور زیادہ چست ہو گیا۔ اسے بڑا تعجب ہوا کہ پہلے ڈھیلا اور اب کمر میں آتا ہی نہیں۔ اس نے زہری سونار سے مندر چلنے کی منت سماجت کی۔ مجبوراً وہ چلنے پر راضی ہوا لیکن آنکھ پر پٹی باندھے ہوئے۔ جب اس نے وٹھوبا کی کمر کو ٹٹولا تو اسے وہ شیو شنکر کی مورتی لگی۔ آنکھوں سے پٹی ہٹا کر دیکھا تو وہ وٹھوبا کی مورتی تھی۔ اس نے پھر آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ اب پھر ٹٹولا تو وہی شیو کی مورتی کا احساس ہوا۔ اسی وقت اس کے کانوں میں وٹھل کی آواز آئی:

"ارے شیو جی اور میں ایک ہی ہیں۔ اب آئندہ تو دیوتاؤں کے درمیان تفریق نہ کرنا۔"

زہری کو بے حد افسوس ہوا۔ اس نے وٹھل کا نام لے کر زیور پہنایا تو وہ برابر بیٹھ گیا۔"

اس سبق میں دو مقامات پر "وٹھل" کی مورتیوں کی تصاویر ہیں۔

ندیوں کے بیان میں بھی ہندو دیومالا کی جھلک ملتی ہے۔ سبق نمبر ۲۸ میں گنگا کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "گنگا میا (ماں) کا مقدس پانی جس جگہ سے سب سے

پہلے نکلتا ہے اس مقام کا نام گو مکھ ہے ...... ہم لوگ اس مقدس زمین ...... "

ابتدائی درجات کی ان ہندی درسیات میں ہندو مذہب، ہندو روایات، مشرکانہ عقائد، دیومالائی تصورات کو نہایت خوش نما شکل میں ظاہر کیا گیا ہے اور اس انداز سے ان کا ذکر کیا گیا ہے گویا ان کے پڑھنے والے یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ گنگا کو پوتّر ماننا ہندوؤں کا عقیدہ ہے لیکن اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے جیسے وہ ہر ہندوستانی کا عقیدہ ہے۔

ان کتابوں میں دوسرے فرقوں کے عقائد، مذہبی شخصیتوں، تاریخی کرداروں اخلاقی و سبق آموز واقعات اور تہواروں کو بہت کم (بلکہ نہ ہونے کے برابر) جگہ دی گئی ہے۔ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں جن مسلمانوں نے عظیم قربانیاں دیں یا مسلم بادشاہوں کی رواداری کے جو واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں انہیں کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے۔ یہ فروگذاشت جو کہ قصداً اور شعوری طور پر کی گئی ہے قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہے۔ میں نے اسے "شعوری" اس لیے کہا ہے کہ مذکورہ کتابوں کو شائع ہوئے ۱۶ برسوں کا عرصہ ہو چکا ہے، NCERT کی ہدایتوں کے باوجود اب تک ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ NCERT نے کتاب کی اشاعت سے پہلے واضح طور پر یہ ہدایت کی تھی کہ درسی کتاب میں کسی خاص فرقے، مذہب اور کلچر کا زیادہ تذکرہ نہ ہونا چاہیے۔ مبصرین کتاب سے کہا گیا تھا کہ وہ ایسے مواد کی نشان دہی کریں:

Mention if the passages chosen and the descriptions in the book as a whole are specifically related to the life, culture and practices of a community or one religion only. For example the names of the imaginary characters are chosen from one community alone.

But it should not be inferred that festivals, customs, names etc. Pertaining to each and every community should invariably find a place in a text book. The general approach to be followed in a text book

Their social environment as they exist in real life situations. Any imbalance in the book from this point of view should be considered objectionable."
(Instructions for evaluating Language Text books from the stand point of National Integration page 4)

ثانوی درجات کی ہندی کتابیں :

آٹھویں تا دسویں ثانوی درجات کی ہندی نصابی کتابیں مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری اینڈ ہائر سیکنڈری ایجوکیشن نے شائع کی ہے۔ بورڈ نے دو قسم کی کتابیں شائع کی ہے :

(۱) کمار بھارتی ہندی، ان طلبہ کے لیے جن کی مادری زبان ہندی ہے، اور

(۲) ہندی گدیہ پدیہ سنگرہ (हिंदी गद्य पद्य संग्रह) ان طلبہ کے لیے جن کی مادری زبان ہندی نہیں ہے اور جو مشترکہ کورس (Composite Course) کی حیثیت سے پڑھنا چاہتے ہیں۔ مہاراشٹر کی اکثر اردو میڈیم ہائی اسکولوں میں یہی کتاب رائج ہے۔ یہاں ہم اسی کتاب کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

ثانوی درجات کی ہندی درسیات میں کسی مخصوص فرقے، اس کے مذہب، مذہبی شخصیتوں، دیوی دیوتاؤں، مشرکانہ عقائد و روایات اور دیومالائی تصورات کا ذکر نہیں ہے۔ ان کتابوں میں ہندی لٹریچر سے منتخب سبق آموز کہانیاں، مزاحیہ مضامین، ایڈونچر، مجاہدینِ آزادی، نامور کھلاڑی، سفرنامے وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن آٹھویں تا دسویں جماعتوں کی تینوں درسی کتابوں میں راجپوتوں کی بہادری کی کہانیاں ہیں جو ڈراموں کی شکل میں پیش کی گئی ہیں۔ ان ڈراموں میں راجپوتوں کا مقابلہ مسلمانوں سے دکھا کر راجپوتوں کی ویرتا اور ان کی بہادری اور ان کی حب الوطنی کو سراہا گیا ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ وہ غیر ملکی حملہ آور تھے، ظالم و جابر تھے، لوٹ مار کرتے تھے، دولت کے لالچی

تھے۔ جب طلباء ان کہانیوں کو پڑھیں گے تو یقیناً ان کے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوں گے۔

ان میں سے دو ڈرامے —— (۱) "دودھا کا بلیدان" (آٹھویں جماعت ص ۱۷) اور (۲) "یہ دھول رنگ لائے گی" (نویں جماعت ص ۲۲)۔ کیشو پرساد سنگھ کے تحریر کردہ ہیں جن کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں اور ان کے اکثر تاریخی ڈرامے تخیل کی کرشمہ سازیاں ہیں۔

آٹھویں[1] جماعت کی کمپوزٹ ہندی کی درسی کتاب میں سبق نمبر ۲:

"دودھا کا بلیدان" میں بتایا گیا ہے کہ ہلدی گھاٹ میں مغلوں سے شکست کھانے کے بعد مہارانا پرتاپ اور ان کا خاندان جنگل میں پناہ گزیں ہے جہاں انہیں روٹی تک میسر نہیں۔ بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔ مہارانا پرتاپ اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہے ہیں۔ اس عالم بے بسی میں دودھا نامی بھیل بالک مغلوں کے ہاتھوں زخمی ہونے کے باوجود روٹیوں کا تحفہ نذر کرتا ہے اور مر جاتا ہے۔

سبق میں بتایا گیا ہے کہ ننھے بالک کی اپنے مادر وطن کے تحفظ کے لیے دی گئی یہ عظیم الشان قربانی صدیوں تک لوگوں کو گرماتی رہے گی۔ یہ قربانی امر ہے اس لیے اس کے سامنے سب کو سر جھکانا چاہیے۔

اس سبق کے پڑھنے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مغل (یعنی مسلمان) ظالم، جابر اور بے رحم تھے۔ انہوں نے ایک معصوم بچے کو بھی اپنے ظلم کا نشانہ بنانے میں پس و پیش نہ کیا۔ اس سے مغلوں کی بے رحمی اور وحشیانہ پن ظاہر ہوتا ہے۔

---

[1] پہلا ایڈیشن ۱۹۸۲ء

نویں جماعت کی درسی کتاب میں ڈراما "یہ دھول رنگ لائے گی"
میں مہارانا پرتاپ کی غیرت حمیت اور خودداری کو دکھایا گیا ہے اور مغل بادشاہ اکبر کے
سپہ سالار مان سنگھ اور جودھابائی کی تذلیل و اہانت کی گئی ہے اور ان کی حمیت کو للکارا
گیا ہے۔ مرتبین کتاب کے مطابق:

"اس ڈرامے میں راجپوتوں کی آن اور دیش بھگتی کی موثر انداز
میں تصویر کشی کی گئی ہے۔" [1]

ہندوستان میں تاریخ کے ساتھ بڑا مذاق ہو رہا ہے ہم ہر کوئی من مانے طریقے
سے تاریخی واقعات کو مسخ کر رہا ہے۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مغلوں میں سب سے اچھا کوئی
بادشاہ تھا تو وہ اکبر تھا۔ اکبر کو سیکولرزم کا بانی بتایا جاتا ہے۔ اس کے راجپوتوں اور
ہندوؤں سے خوشگوار تعلقات کی تعریف کی جاتی ہے۔ اسے تمام بادشاہوں میں سب سے
زیادہ "روادار اور انصاف پسند" بتایا جاتا ہے۔ لیکن مذکورہ ڈرامے میں وہی اکبر
اور اس کی فوج کو غیر ملکی حملہ آور اور ظالم بتایا گیا ہے اور مان سنگھ اور جودھابائی کو بے غیرت
اور وطن کا غدار دکھایا گیا ہے۔

ڈرامے کے آخر میں دکھایا گیا ہے کہ جب مان سنگھ اپنی بے عزتی برداشت نہیں
کرپاتا ہے تو وہ رانا پرتاپ کو انتقام کی دھمکی دے کر چلا جاتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد
مہارانا پرتاپ حکم دیتا ہے کہ:

"مان سنگھ کے آنے سے یہ جگہ ناپاک ہوگئی ہے، اسے دھلوادو۔"

[2] دسویں جماعت کی درسی کتاب میں بعنوان "تیمور کی ہار" ایک ڈراما ہے جسے
رام کمار ورما نے لکھا ہے۔ یہ ڈراما تیمور کی زندگی کے ایک واقعہ پر مبنی ہے۔ اس ڈرامے

---

[1] تعارفی نوٹ ص ۲۲ [2] ایڈیشن ۱۹۸۴ء

میں تیمور لنگ کو لٹیرا اور ظالم بتایا گیا ہے جس سے گاؤں کے تمام ہندو اور مسلمان ڈرتے ہیں۔ جب گاؤں والوں کو پتہ چلتا ہے کہ "ترک" آرہے ہیں تو وہ گاؤں چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔

تیمور جس وقت اس گاؤں میں پہنچتا ہے تو اس کا سامنا ایک ننھے بالک بل کرن سے ہوتا ہے۔ اس کی بے خوفی، نڈرپن، بے باکی اور حوصلے کو دیکھ کر تیمور اپنی ہار مان لیتا ہے۔ اس ڈرامے میں جو مکالمات ہیں وہ مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرتے ہیں۔

ڈرامے کا ایک کردار کلیانی ہے جو بل کرن کی ماں ہے۔ ماں اپنے بیٹے کی سال گرہ کے دن ڈر اور خوف کا گانا گاتی ہے۔ جب بیٹا دریافت کرتا ہے تو اسے بتاتی ہے کہ:

"بہت دن ہوئے غزنی سے محمود غزنوی یہاں آیا تھا اس نے سومناتھ کا مندر توڑا تھا اور بہت سے انسانوں کا قتل کیا تھا۔ پھر بہت سا دھن لے کر وہ یہاں سے چلا گیا۔"

اس کے بعد کا جو منظر ہے اس میں دکھایا گیا ہے کہ گاؤں میں بھگدڑ اور بھیانک شور مچ جاتا ہے۔ ہندو گھبرائے ہوئے کہتے ہیں: "ترک آگیا! ترک آگیا!! بھاگو بھاگو..... ترک آگیا۔"

ایک مسلمان، کلیانی سے کہتا ہے "بہن بھاگ چلو۔ جلدی جلدی ـــ وہ تیمور آگیا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے..... لوٹتے ہوئے آرہے ہیں وہ لوگ....."

تیسرا ہندو آکر کہتا ہے "بہن کلیانی سب کچھ چھوڑ کر جلدی سے بھاگو، تبھی جان بچے گی..... جنگل میں چھپ جاؤ نہیں تو تہہ خانے میں۔"

اس وقت بل کرن دودھ لانے سشیلا کے گھر گیا ہوا ہوتا ہے۔ کلیانی تہہ خانے میں چھپ جاتی ہے۔ اس وقت تیمور کی فوج کا سردار ظفر اور سپاہی علی بیگ اور مبارک اس گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ ظفر اپنے سپاہی مبارک سے کہتا ہے:

"مبارک! اس وقت آدمیوں کو قتل کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے،
ہم تو سونا چاندی لوٹنے آئے ہیں۔"

اس طرح ڈرامے میں تیمور اور اس کے سپاہیوں کو از حد حریص و لالچی دکھایا گیا ہے۔ تیمور جیسے ڈراما نگار نے 'غازی تیمور' لکھا ہے، وہ ننھے بل کرن سے تلوار کا دھاک دکھا کر دودھ چھین کر پی لیتا ہے۔ بل کرن چاقو سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کی بے خوفی کو دیکھ کر تیمور اس کی جان بخش دیتا ہے اور اس کے کہنے پر گاؤں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ پھر تیمور کے لنگڑے پن کا مضحکہ اڑایا گیا ہے۔ کیا ایسے ڈرامے قومی یکجہتی کو فروغ دے سکتے ہیں؟

انگریزی درسی کتب کا جائزہ:

انگریزی جو ایک غیر ملکی زبان ہے اس کی درسی کتابوں میں بھی ایک مخصوص فرقے کے کردار، روایاتی کہانیوں اور تاریخی شخصیتوں کا زیادہ تذکرہ ہے۔ دو تین اسباق میں مسلم کردار اور شخصیتوں کا ذکر ملتا ہے۔

انگلش ریڈرز برائے جماعت ہفتم[۱] میں خلیفہ ہارون الرشید کے الف لیلہ مبنی کہانی کا The Barber of Bagdad دو حصوں میں دی گئی ہے۔ علی بابا اور چالیس چور کی داستان تین حصوں میں دی گئی ہے۔ بعض اسباق میں یاسمین اور احمد نام کے کردار بھی ملتے ہیں مگر بہ حیثیت مجموعی ان کتابوں میں "توازن" قائم نہیں رکھا گیا ہے۔

چھٹی جماعت[۲] کی کتاب میں صفحہ ۹۵ پر "شیواجی" کے عنوان سے ایک سبق ہے۔ اس سبق سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مہاراشٹر مسلمانوں کے عہد حکومت میں غلامی کی حالت میں تھا اور عوام کی حالت بے حد خراب تھی۔ وہ ناخوش تھے۔ شیواجی نے

مہاراشٹر کو اغیار کی غلامی سے آزاد کیا۔

" In those days the people in Maharashtra were poor and unhappy. Most of them did not have enough food and clothing. Their ruler, the Sultan of Bijapur, lived far away and did not care for them."
" Shivaji had many enemies. The Mogul Emperor of Delhi and the Sultan of Bijapur were very powerful."

ظاہر ہے ان اقتباسات کے پڑھنے سے طلبہ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکے گی اور وہ بھی مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھنے لگیں گے۔ جبریہ کہ مسلم عہد حکومت کی غلط تصویر پیش کی گئی ہے۔

شیواجی کی بہادری اور چالاکی کے متعلق ایک واقعہ نویں[1] جماعت کی کتاب کے سبق نمبر ۱۶ The Great Escape (یعنی عظیم فرار) میں دیا گیا ہے۔ اس سبق میں بتایا گیا ہے کہ شیواجی اورنگ زیب کی قید سے کس طرح فرار ہوا؟ سبق میں اورنگ زیب کو دھوکے باز، ظالم اور غیر منصف بتایا گیا ہے اور اس طرح مسلمانوں اور مسلم بادشاہوں کے خلاف بالواسطہ طریقے سے نفرت پیدا کی گئی ہے۔ اس سبق کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

" Shivaji soon realized that Aurangzeb wanted either to kill him secretly or to send him to a remote place in Afghanistan....
First he tried to appeal to Aurangzeb's sense of Justice but failed to win his favour."

لے English Readers Book Three : Std. VII - Reprint : 1987
لے English Readers Book Two : Std. VI - Reprint : 1987
۱ English Reader - Std. IX - Reprint 1987

شیواجی کا تذکرہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ پھر دسویں جماعت کی کتاب میں اس کے کارناموں کو دہرایا گیا۔ سبق نمبر ۵ Shivaji The Great میں ذرا جذباتی انداز میں شیواجی کی زندگی اور شجاعت کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے :

" A born revolutionary - Shiraji fought against every kind of aggression and took up arms against cruel rulers."
" He made up his mind to free his land from Mohammad Adil Shah of Bijapur. He fought many battles against the mighty kings of Delhi and Bijapur, unifying his people under the Bhagva Jhenda."

اور جب شیواجی کا جشن تاج پوشی منایا گیا تو دربار میں موجود سب لوگوں نے شیواجی مہاراج کی جے کا نعرہ لگاتے ہوئے " گو (گائے) برہمن پرتی پالک " کا نعرہ لگایا۔ اس سبق میں پہلی بار شیواجی کی رواداری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ :

" شیواجی نے سب کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ اسے کسی عقیدے سے نفرت نہیں تھی۔ اس نے رائے گڑھ میں اپنے محل کے مقابل ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ وہ رام داس اور بابا یاقوت کو اپنا روحانی گرو مانتا تھا۔ ملّا حیدر اس کا پرائیویٹ سکریٹری اور ابراہیم خان اور دولت خان اس کی فوج کے کمانڈر تھے۔ "

پہلی بار شیواجی کی زندگی کے اس پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر اسے سابقہ جماعتوں کی درسی کتابوں نیز تاریخ کی کتابوں میں اور نمایاں کرکے پیش کیا جاتا، تو ریاست مہاراشٹر میں ہندو مسلم تعلقات کو مزید خوش گوار بنانے میں مدد ملتی اور اس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کو فروغ حاصل ہوتا۔

ل

English Reader - Std. X

غرض انگریزی کی درسیات میں بھی ایک مخصوص فرقے کے افراد، ان کی تہذیب اور ان کی تاریخ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ان کتابوں میں غیر ملکی لٹریچر اور تہذیب کو بھی بڑی حد تک نمائندگی دی گئی ہے جب کہ ان کے کردار اور ماحول طلبہ کے لیے اجنبی ہیں۔ قومی کونسل نے اس قسم کے موادِ سبق کو قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض گردانا ہے:

> However, Textbooks and Supplementary books in English language used in Indian school should as far as possible reflected the Indian Culture, the names of local characters, places, flora and fauna of India should generally be used in lessons included in English language textbook....... The material which alienates the students from our own Culture and way of life should be considered objectionable. The material which alienates the students from our own culture and way of life should be considered objectionable. The same should be applicable for selections of literary works."

زبان کی درسی کتابوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ یہ کتابیں ایک مخصوص فرقے کے طلبہ کو پیشِ نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہیں۔ بالخصوص ابتدائی

ک Instructions for evaluating Language textbooks ..... page 14.

درجات کی کتابیں تو اکثریتی فرقے کے خیالات، دیومالائی تصورات اور مذہبی عقائد کی ترجمان نظر آتی ہیں۔ مرتبین نے یہ نہیں سوچا کہ ان کتابوں کے پڑھنے والے ایک فرقے کے نہیں بلکہ تمام فرقوں کے طلبہ ہوتے ہیں۔

تاریخ کی نصابی کتابوں کا جائزہ

تاریخ ایک ایسا مضمون ہے جس کی اہمیت وافادیت سے کوئی عالم و مفکر انکار نہیں کر سکتا۔ اس مضمون میں ایسی زبردست قوت پنہاں ہے کہ اس کے ذریعے دلوں کو توڑا بھی جا سکتا ہے اور جوڑا بھی۔ تاریخ ماضی کے واقعات و تجربات کا آئینہ پیش کر کے انسانوں کو ان کے حال اور مستقبل کو بہتر اور روشن بنانے میں مدد کرتی ہے۔ اسلاف کے کارنامے سنا کر طلبہ میں حب الوطنی کے جذبات کو ابھار سکتی ہے۔ تاریخ انسانوں کو دانش مند بناتی ہے۔ لسے امن کی اہمیت اور جنگ کی تباہیوں سے واقف کراتی ہے۔ اس میں اعلیٰ وارفع مقاصد کے لیے جذبۂ ایثار و قربانی پیدا کرتی ہے۔ تاریخ کی مدد سے طلبہ میں انسانوں سے محبت، ہمدردی، رواداری اور وسیع النظری پیدا کی جا سکتی ہے۔

یہ امر نہایت افسوسناک ہے کہ ہمارے ملک میں تاریخ سے تعمیر کی بجائے تخریب کا، دلوں کو جوڑنے کی بجائے توڑنے کا، مختلف فرقوں اور قوموں میں باہمی محبت و دوستی کی بجائے نفرت و دشمنی کا کام لیا جا رہا ہے۔ کسی بھی ریاست کی تاریخ کی درسی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجیے، اس میں آپ کو دل آزار باتیں، ہندو مسلم آویزش، مسلم بادشاہوں کی کردار کشی، مسلمانوں سے نفرت کے واقعات اور بیانات ملیں گے۔ انگریزوں کے چلے جانے کے باوجود تاریخ کو تفریقی سیاست کا آلۂ کار بنانا ختم نہیں ہوا ہے۔ بقول سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم:

"آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ اس دورِ آزادی میں تاریخ کو تفریقی

سیاست کا آلۂ کار بنانا ختم ہو چکا ہے۔ صدیوں کے روگ برسوں میں دور نہیں ہوتے..... آج بھی یہ رجحان باقی ہے اور خاصا قوی ہے۔ آج بھی یہ دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم تہذیبوں میں کبھی میل نہیں ہوا، ہمیشہ ٹکر ہوتی رہی اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی جب تک ایک تہذیب دوسری تہذیب میں ضم نہ ہو جائے۔" لے

ملک میں فرقہ وارانہ منافرت، علاقہ پرستی، لسانی اور نسلی عصبیت کو بڑھانے میں تاریخ کی نصابی کتابیں اہم اور موثر رول ادا کر رہی ہیں۔ اگر قومی یکجہتی کے منافی مواد کو نصابی کتابوں سے جلد از جلد خارج نہ کیا گیا تو یہی تاریخ کی نصابی کتابیں ملک کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

تاریخ کی کتابوں کا بنظرِ غائر جائزہ لینے پر یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ملک ہے۔ ان کی تاریخ قومی تاریخ ہے، ان کے بادشاہ ہی سچے دیش بھگت اور محبِ وطن ہیں۔ ان کی یادگاریں قومی یادگاریں ہیں، ان کے آرٹ، ان کے فنون، ان کی تعمیرات ہندوستانی کہلانے کی مستحق ہیں، باقی جو بھی ہیں وہ غیر ملکی حملہ آور ہیں، باہر سے آئے ہیں، اس لیے وہ ہندوستان کے سچے محبِ وطن نہیں ہو سکتے۔ ان کی زبان غیر ملکی ہے، ان کا کلچر غیر ملکی ہے۔ انہوں نے جتنے عرصے تک یہاں حکومت کی وہ عہدِ غلامی تھا اور جنہوں نے اس غلامی سے ملک کو آزاد کرانے کی کوشش کی وہی سچے دیش بھگت ہیں۔

بقول نامور ماہرِ تعلیم ڈاکٹر سلامت اللہ:

"..... عام طور پر ان درسی کتابوں میں ایسے اسباق

لے خطبۂ صدارت دار المصنفین جشنِ طلائی۔ ہماری ورک بھارتی (گیارھویں جماعت)

کی گزشتہ کامرانیوں کا ذکر مبالغہ آمیزی کے ساتھ کیا جائے۔" [1]

مہاراشٹر بھی ایک جدید ریاست ہے جو لسانی بنیاد پر ۱۹۶۰ء میں وجود میں آئی۔ ریاست مہاراشٹر کی اپنی ایک علاحدہ زبان، تاریخ اور کلچر ہے ـــ اہلِ مہاراشٹر کو اپنی تاریخ، زبان اور کلچر پر بڑا ناز اور فخر ہے۔ ان میں "ہیرو ورشپ" کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے ہیرو (شیواجی) کی شان میں کوئی ایسی بات جس سے ان کی عقیدت مجروح ہوتی ہو برداشت نہیں کر سکتے۔ مہاراشٹر میں شیواجی کا بے حد احترام ہے اس لیے یہاں کی تاریخ کی نصابی کتابوں میں شیواجی اور مراٹھوں کی تاریخ کو نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔ لیکن شیواجی کے کارناموں اور اس دور کے تاریخی واقعات کو مرتبینِ کتاب نے اس طرح پیش کیا ہے جس سے مسلمانوں کے خلاف نفرت، دشمنی اور انتقام کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں۔

ان کتابوں میں بعض تاریخی واقعات کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے تو بعض واقعات اور بیانات ایسے تحریر کیے گئے ہیں جن کی صحت مشکوک ہے۔ مغلوں اور مراٹھوں کے سنگھرش کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اسے قصۂ پارینہ سمجھنے کی بجائے اس سے آگے کشمکش کو جاری رکھنے کی تحریک ملتی ہے۔ "قصۂ مہر و وفا" سنانے کی بجائے "قصۂ دارا و سکندر" سنانے کو ترجیح دی گئی ہے۔ مزید یہ کہ پوری کتاب میں متضاد قسم کے بیانات ملتے ہیں۔

چوتھی جماعت [2] میں تاریخ کی کتاب شیواجی کے حالاتِ زندگی اور کارناموں پر مشتمل ہے۔ یہ گزشتہ ۱۶ سال سے مراٹھی، ہندی، اردو، انگریزی، گجراتی، کنڑی اور سندھی میڈیم اسکولوں میں پڑھائی جارہی ہے۔ اس کتاب میں

---

[1] تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر۔ ص ۱۲۸

[2] چھترپتی شیواجی (۱۹۸۹) ۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا

پائے جاتے ہیں۔ ان کا مدعا یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے وقت سے ۱۹۴۷ء تک غیر ملکی حکمرانی رہی اور اس وقت تک ہندوستان ایک غلام ملک تھا۔ اس سے بھی بدتر چیز یہ ہے کہ بعض مثالوں میں موادِ سبق اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اس سے بعض فرقوں کے خلاف نفرت، شک وشبہ، دشمنی حتیٰ کہ انتقام جیسے گھٹیا جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں۔“ ؎۱

مہاراشٹر میں مروجہ تاریخ کی درسیات پر ایک نظر:

آں جہانی پنڈت جواہر لال نہرو نے علاقائی زبانوں کے فروغ اور ان علاقوں کی ہمہ جہتی ترقی کے خیال سے لسانی بنیاد پر ریاستوں کی از سرِ نو تنظیم کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا تھا۔ ۱۹۵۶ء میں اس کمیشن کی سفارشات کی بنیاد پر موجودہ ریاستیں وجود میں آئیں۔ اس وقت پنڈت جی کو اندازہ نہ تھا کہ آگے چل کر ان ریاستوں میں علاقہ پرستی اور لسانی عصبیت اتنی طاقت حاصل کر لے گی کہ قومی اتحاد و یک جہتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ لیکن کمیشن نے صاف اور واضح الفاظ میں اس خطرے کی طرف اشارہ کر دیا تھا کیوں کہ اس نے اسکولوں میں رائج درسی کتابوں میں شامل اسباق کو دیکھ کر اس خطرے کو بھانپ لیا تھا۔ کمیشن نے تحریر کیا تھا کہ:

”.... بعض ریاستوں کے مدارس میں ایسے گیت نصابی کتابوں میں شامل کر دیے گئے ہیں جن میں علاقائی تصور کی ثنا خوانی کی گئی ہے۔ ادنیٰ جماعتوں میں تاریخ کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان سے اس نمایاں رجحان کا انکشاف ہوا ہے کہ غالب لسانی جماعتوں

؎۱ تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر۔ ص ۱۷۸

اب تک کسی قسم کی ترمیم و تبدیلی نہیں ہوئی ہے ۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہی تاثر ملتا ہے کہ مسلمان غیر ملکی ہیں ۔ مسلم بادشاہ ظالم و جابر تھے ۔ وہ عوام کو لوٹتے تھے ۔ ان میں مذہبی رواداری نہ تھی ۔ ہندوؤں کے وہ سخت دشمن تھے ۔ ہندوؤں کو زبردستی یا لالچ دے کر مسلمان بناتے تھے ۔ ان کے عہد میں ہندوؤں کو پوجا پاٹ اور تہوار منانے کی آزادی نہ تھی ۔ مسلمان بادشاہ مندروں کو توڑتے تھے ۔ عوام پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے ۔ عوام معاشی بدحالی کا شکار تھے اور انہیں پیٹ بھر کھانا نہ ملتا تھا ۔ مسلمانوں کا دورِ حکومت ، عہدِ غلامی تھا ــــــ مذکورہ تاریخ کی کتاب کے مندرجہ ذیل اقتباسات کو پڑھ کر آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں ۔

(۱) " شیواجی نے مہاراشٹر میں سوراج کی بنیاد رکھی ۔ سوراج کے معنی ہیں اپنی حکومت ۔ مہاراشٹر میں شیواجی سے ساڑھے تین سو سال پہلے سوراج نہیں تھا ۔ مہاراشٹر کے بڑے حصے پر احمد نگر کے بادشاہ نظام شاہ اور بیجاپور کے حکمراں عادل شاہ کا قبضہ تھا ... ان بادشاہوں میں فراخ دلی نہ تھی اور وہ رعایا پر ظلم ڈھاتے تھے ..... ملک میں خوش حالی نہ تھی .... لوگوں کو پوجا پاٹ کرنے اور تہوار منانے کی آزادی نہ تھی اور ان کو پیٹ بھر کھانا ملتا نہ تھا ــــــ زندگی میں پریشانی اور مصیبت کے سوا کچھ نہ تھا ۔ ہر طرف ظلم کا دَور دَورہ تھا ۔ " (صفحہ ۱) لہ

لہ احمد نگر اور بیجاپور کے مسلم بادشاہوں کے بارے میں ایک طرف یہ کہا جا رہا ہے اور دوسری طرف صفحہ ۹ پر یہ بیان بھی ہے :

" ہر مرہٹہ سردار ہمیشہ اپنی فوج رکھتا تھا اور جب ایسا کوئی سردار عادل شاہ کے پاس جاتا تو اسے آسانی کے ساتھ فوج میں

(۲) "شاہ جی کے دشمنوں (اشارہ مسلمانوں کی طرف) نے پونہ برباد کر ڈالا تھا۔ گھر اور مندر توڑ ڈالے تھے"... (ص ۱۵)

(۳) "ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ملے۔ ہر ایک شخص خوش حال زندگی گزار سکے۔ مرہٹی زبان کی قدر ہو۔ ان تمام باتوں کے لیے شیواجی نے طاقتور دشمنوں کا سامنا کر کے سوراج قائم کیا۔" (ص ۶۷)

(۴) "دوسروں کی غلامی ہم کب تک کریں گے؟ ہمارے چاروں طرف غیروں کی حکومت ہے.... ہم کب تک برداشت کرتے رہیں گے؟" (ص ۲۱)

(۵) "غیروں کی غلامی اب ہم برداشت نہیں کریں گے۔ آؤ! ہم اس مندر میں شیوجی کو گواہ مان کر قسم کھائیں کہ سوراج کے قیام کے لیے ہم اپنا سب کچھ نچھاور کر دیں گے۔" (ص ۲۲)

(۶) "بجاجی نائک نمبالکر شیواجی کا نسبتی بھائی تھا۔ وہ عادل شاہ کا ملازم تھا۔ بادشاہ نے اسے مسلمان بنا لیا تھا۔" (ص ۳۷)

(حاشیہ صفحہ ۵۱)
نوکری مل جاتی۔ بادشاہ اس مرہٹہ سردار کو اعلیٰ فوجی خدمت دیتا اور کبھی کبھی جاگیر بھی دے دیتا تھا .. بیجاپور اور احمد نگر کے بادشاہوں کے پاس ایسے کئی مرہٹہ سردار موجود تھے۔ ان میں سندکھیڑ کے جادھو (شیواجی کی ماں سندکھیڑ کے لکھوجی جادھو کی بیٹی تھی)، پھلٹن کے نمبالکر، مدھول کے گھورپڑے، جاولی کے مورے اور ایلورہ کے بھونسلے مشہور تھے"

پوری کتاب میں مسلمانوں کو 'غیر' اور 'غیروں' سے اور ان کے عہدِ حکومت کو 'غیروں کی غلامی' کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا چھ سو سالہ دورِ حکومت غلامی کا زمانہ تھا۔ ایسی صورت میں آپ ہی بتائیے کہ مسلمانوں کے تئیں دوسرے فرقوں میں محبت اور بھائی چارگی کے جذبات کس طرح ابھارے جا سکتے ہیں؟ اس قسم کی تاریخ پڑھ کر تو مسلمانوں کے خلاف نفرت ہی پیدا ہوگی۔

اس کتاب میں مسلم بادشاہوں کو بالواسطہ راون اور کنس جیسا ظالم بتایا گیا ہے جنہیں ختم کرکے عوام کو خوش حال بنایا جا سکتا ہے:

"ماولے .... بادشاہوں کے ظلم اور زیادتی سے تنگ آگئے تھے، ان کی مدد کا خیال شیواجی کے دل میں پیدا ہوا۔ گھر آ کر شیواجی اپنی ماں سے اس کا ذکر کرتے۔ جیجا بائی ان سے کہتیں "شیوبا! بھونسلے خاندان کی بزرگ ہستی رام چندر جی تھے، جنھوں نے ظالم راون کو مار کر عوام کو سکھی بنایا تھا۔ جادھو خاندان کے بزرگ شری کرشن نے پرجا کو خوش حال بنانے کے لیے ظالم کنس کو مار ڈالا تھا۔ شری رام و کرشن کے خاندان میں تمہارا جنم ہوا ہے۔ تم بھی ظالموں کو ختم کر سکتے ہو اور غریب اور معصوم لوگوں کو سکھی بنا سکتے ہو۔" (ص ۱۶)

کتاب میں صفحہ نمبر ۲ پر ہندوؤں اور مسلمانوں کی لڑائی کا منظر دکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سنت نام دیو، سنت گیانیشور، سنت ایکناتھ، سنت تکارام اور رام داس سوامی کے حالاتِ زندگی اور کارنامے مع تصاویر دیے گئے ہیں۔[1] شیواجی کے سنتوں میں بابا یعقوبؒ (یاقوت ؟) کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن کتاب میں ان کے حالاتِ زندگی نہیں دیے گئے ہیں۔ مالوجی بھونسلے کو شاہ شریف نامی بزرگ کی

---

[1] ص ۶، ۷

دُعا سے دور بیٹھے ہوئے اور ان کے نام اس بزرگ کے نام پر شاہ جی اور شریف جی رکھے گئے، اس کا بھی کتاب میں کہیں تذکرہ نہیں ہے۔

پانچویں جماعت[1] کی تاریخ میں قدیم بھارت کی مختلف تہذیبوں کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم بادشاہوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں آریہ کے دیوتاؤں — سورج، اِندرا اور اگنی کی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ آریہ بھگوان سے جو دعائیں کرتے تھے ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی —

"ہمارے گھر گئے آئے۔ وہ خوشی خوشی ہمارے گاؤ خانہ میں رہے اور اسے خوب بچھڑے پیدا ہوں...... اس دعا سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آریاؤں میں گوئے کی کتنی اہمیت تھی۔"[2]

کتاب میں آریاؤں کے مذہب (یعنی ہندو مذہب)، جین اور بدھ مذہب کے عقائد اور تعلیمات کا ذکر تو ملتا ہے لیکن اسلامی تعلیمات کا کہیں ذکر نہیں ہے، شاید اس لیے نہیں ہے کہ یہ ہندوستانی مذہب نہیں۔ مگر آریہ بھی تو ہندوستانی نہیں۔ اسی کتاب میں درج ہے کہ:

"تقریباً چار ہزار سال پہلے شمال مغربی ودروں کے راستے باہر کے لوگ بھارت دیش میں آنے لگے...... باہر سے آنے والے یہ لوگ آریہ تھے جو وسط ایشیا کے رہنے والے تھے۔"[3]

مذکورہ کتاب میں چندر گپت موریہ، اشوک اعظم، گوتمی پتر ستکرنی

---

[1] اپنا بھارت (تاریخ کی پہلی کتاب) ایڈیشن ۱۹۸۶ء، پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا تھا۔ [2] ایضاً ص ۱۶ [3] ایضاً ص ۱۳

دکرمادتیہ، ہرش وردھن، پرتھوی راج چوہان، وجے نگر کے راجہ کرشن دیورائے، دیوگری کے راجہ رام دیورائے اور رانا پرتاپ کی بہادری، فیاضی، علم دوستی، سخاوت، انصاف پسندی، رواداری، وسیع النظری، خودداری، فراخ دلی اور حب الوطنی کی بے حد تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ "ان بادشاہوں نے مادرِ وطن کی شان بڑھائی اور شاندار روایات قائم کیں۔"

ان کے مقابلے میں محمود غزنوی، محمد غوری، علاؤ الدین خلجی اور اورنگ زیب کو لالچی، مکار، فریبی، ظالم، دھوکے باز اور ہندو دشمن بنا کر پیش کیا گیا۔ صرف اکبر اور شاہ جہاں کی تعریف و توصیف کی گئی۔ اس کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

- "وہ (محمود غزنوی) بہادر، بلند ہمت اور دولت کا لالچی تھا ۔۔۔۔ اس نے سومناتھ کے شاندار مندر کو برباد کر ڈالا اور مندر کے ان گنت ہیرے جواہرات اور دولت لے کر چلا گیا ۔۔۔۔ زندگی کے آخری لمحوں میں اس نے اپنی دولت کا انبار اپنے سامنے رکھوایا اور اسے دیکھتے ہوئے سانس لی۔" (ص ۶۷، ۶۶)
- "محمد غوری بہت موقع شناس تھا، اس نے پرتھوی راج کو پیغام بھیجا کہ "تم مذہب اسلام قبول کرو اور میری اطاعت منظور کر لو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔" (ص ۶۹)
- "دیوگری کی دولت کے قصے اس (علاؤ الدین خلجی) نے سُنے تھے۔ اس نے آٹھ ہزار فوج اپنے ساتھ لی اور وندھیاچل پار کر کے دکن کی جانب بڑھا۔ اس نے یہ مشہور کر دیا کہ چچا سے اس کا جھگڑا ہو گیا ہے اس لیے دکن میں کہیں نوکری کرنے کا ارادہ ہے۔ اصل مقصد کی خبر کسی کو نہ ہونے دی۔۔۔۔ علاؤ الدین

خلجی نے دیوگری سے خوب دولت حاصل کی۔ دلّی واپس ہو کر اس نے
اپنے چچا کو قتل کر ڈالا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔" (ص ۷۲، ۷۱)

مذکورہ کتاب میں سب سے زیادہ ہدف تنقید اورنگ زیب کو بنایا گیا
ہے۔ اس کے کردار کو جس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ وہ ہندوؤں کا سخت دشمن
محسوس ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی تصویر دیکھ کر طلبہ میں اورنگ زیب اور اس کے واسطے
سے مسلمانوں سے سخت و شدید نفرت پیدا ہوگی۔ کتاب میں اس کا تعارف اس طرح کرایا
گیا ہے کہ اسے پڑھ کر "اسلام" سے بھی نفرت پیدا ہو سکتی ہے۔

ذیلی سرخی "پابند شریعت بادشاہ" کے تحت مذکور ہے کہ:

"اورنگ زیب پکا سُنّی مسلمان تھا اور اسے اس پر بڑا
فخر تھا۔۔۔۔ اس کی زندگی شریعت اسلام کے عین مطابق تھی۔۔۔
اسلام اور سنّی جماعت کے اصولوں کی اشاعت کرنا اس کا مقصد تھا۔"
(ص ۹۶)

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جو مسلم بادشاہ اپنے مذہب میں کٹّر ہوتا ہے اس میں رواداری
نہیں ہوتی ہے۔ وہ تنگ نظر اور متعصب ہوتا ہے [۱] اسی لیے آگے کہا گیا ہے کہ:

"اورنگ زیب نے اپنے مذہبی برتاؤ کی وجہ سے سلطنت
میں رہنے والے ہندو، جاٹ، سکھ، ستنامی لوگوں کا دل دکھایا تھا
۔۔۔۔۔ راجپوتوں کی طرح سکھوں نے بھی اس کی مذہبی پالیسی سے تنگ

---

[۱] مگر کسی ہندو کا مذہب میں کٹّر ہونا بُری بات نہیں جیسا کہ پنڈت نہرو کہتے ہیں:
"شیواجی مہاراج ایک کٹّر ہندو تھے لیکن دوسرے مذہب کے لوگوں کا بھی
بہت خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے لیے انعامات
دیے۔" (چھترپتی شیواجی جماعت چہارم ص ۸ کے مقابل کی عبارت)

آکر اس کی کھُلم کھُلا مخالفت کی۔" (ص ۹۶)
مذکورہ کتاب میں جگہ جگہ یہ لکھا گیا ہے کہ اورنگ زیب نے فلاں کو مذہب اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن جب اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے اسے قتل کردیا۔ اس طرح یہ ثابت کیا گیا کہ اورنگ زیب ہندوؤں کا کٹر دشمن تھا اور وہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بناتا تھا۔

- سکھوں کے نویں گرو تیغ بہادر کے تعلق سے کتاب میں مذکور ہے کہ :
  "سکھوں کے تعلق سے اورنگ زیب کی مذہبی تنگ نظری ان سے دیکھی نہیں گئی۔ انہوں نے بادشاہ کی کھُلی ہوئی مخالفت کی۔ بادشاہ نے انہیں گرفتار کیا اور مذہب اسلام قبول کرنے کی دعوت دی' تیغ بہادر نے انکار کردیا۔ بادشاہ نے اسے دِلّی بلاکر قتل کردیا۔"
  (ص ۹۷)

- گرو گوبند سنگھ کے واقعہ کے بیان میں بھی اورنگ زیب کو فریبی بتایا گیا ہے :
  "اب اورنگ زیب نے فریب دینا چاہا۔ اس نے انہیں ملاقات کے لیے بُلوایا لیکن گرو گوبند سنگھ نے جواب بھیجا " تم جیسے فریبی کا بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں۔ تم سے تلوار ہی سے بات چیت کرنا چاہیے۔ جو بھی تم پر بھروسہ کرے گا برباد ہوجائے گا۔ مجھے تمہارا رتی بھر بھروسہ نہیں۔" (ص ۹۹)

- جب راجہ سنبھاجی گرفتار ہوا تو بادشاہ نے ان سے کہا" "اگر تم مسلمان ہوجاؤ تو تمہاری جاں بخشی کی جائے گی"۔ ۔ ۔ ۔ خود دار راجہ سنبھاجی نے یہ منظور نہیں کیا۔ اس لیے بادشاہ نے انہیں سخت تکلیفیں دے دے کر مار ڈالا۔" (ص ۱۰۲)

• اسی طرح اورنگ زیب کو ہندوؤں کا دشمن، بے رحم اور ظالم بادشاہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے برخلاف ہمیں اورنگ زیب کی افواج میں ہندوؤں کی بڑی تعداد کا ہونا، ہندو رعایا کے ساتھ اس کا انصاف اور فراخ دلی، برہمن پجاریوں اور مندروں کو دیے گئے انعامات اور جاگیریں، ایسی کئی مثالیں تاریخ میں بکھری ملتی ہیں لیکن مسلمان بادشاہوں کی اس رواداری کو کبھی اجاگر نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس ملک کے تمام مسلمانوں کے بارے میں طلبہ کو یہ ذہن نشین کرایا گیا کہ:

"۔۔۔۔ آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمان آئے۔ انہوں نے لگاتار حملے کیے۔ عرب، ترک، افغان اور مغل مسلمان یکے بعد دیگرے بھارت میں وارد ہوئے۔ کوئی دولت کی خاطر آیا تو کوئی مذہب کی اشاعت کے لیے۔ اس دیش کے رہنے والوں نے ان سے لڑائیاں لڑیں۔ باہر سے آنے والے ان مسلمانوں نے اپنی سلطنتیں قائم کیں اور یہیں رہنے لگے۔ پہلے انہوں نے یہاں کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا، لیکن بعد میں آہستہ آہستہ یہاں کی تہذیب میں گھل مل گئے۔"

(ص ۱۰۵)

چوتھی جماعت میں تو شیواجی کی جدوجہد کی پوری داستان بیان کی جا چکی تھی لیکن نصابی کمیٹی کو اس پر سمادھان (اطمینان) نہ ہوا اور اس نے پانچویں اور چھٹی جماعتوں میں نہ صرف اسے دہرانا بلکہ پوری مرہٹہ سلطنت کی تاریخ بیان کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ اس کتاب کے باب ۲۳ میں "سوراج کی لڑائی" کے عنوان سے شیواجی کی مغلوں کے خلاف جدوجہد آزادی کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

چھٹی جماعت کی تاریخ: اس کتاب میں مرہٹہ حکومت کی تاریخ

ل؎ اپنا بھارت (دوسری کتاب) اڈیشن ۱۹۵۷ء: پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی تھی

ابتدا سے لے کر خاتمے تک بیان کی گئی ہے۔

• کتاب کا سرِورق دیکھ کر ہی ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک دوسرے سے محبت کی بجائے عداوت کے جذبات اُبھر سکتے ہیں۔ سرِورق پر دی گئی تصویر میں دو فوجوں کو برسرِ پیکار دکھایا گیا ہے اور دونوں اپنی وضع قطع، پرچم اور رنگوں کی وجہ سے صاف پہچانے جاتے ہیں۔ ایک فوجی گروہ اپنی وضع قطع اور بھگوے رنگ کی پگڑیوں کی وجہ سے واضح طور پر ہندو نظر آتا ہے، جب کہ دوسرا گروہ داڑھی اور سبز پرچم کی وجہ سے مسلمان دکھائی دیتا ہے۔ شاید مرتبین کتاب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہمیشہ کشمکش ہوتا رہا ان میں کبھی سنگم نہیں ہوا۔

اس کتاب میں جگہ جگہ مسلم حکمرانوں کو 'غیر' اور ان کی حکومت کو 'غیروں کی حکومت' کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ مرہٹوں کی لڑائی کو 'سوراج کی لڑائی'، سوراج کا قیام'، سوراج کے لیے تیاری'، سوراج پر آئی آفت'، سوراج کے لیے جنگ اور ہندوی سوراج جیسے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ سنبھاجی کے دورِ حکومت کو جنگِ آزادی کا پہلا دَور اور راجا رام کے دَور کو جنگِ آزادی کا دوسرا دَور کہا گیا ہے — اس طرح یہ دکھایا گیا ہے کہ مہاراشٹر پر مسلمانوں کا دورِ حکومت، دورِ غلامی تھا۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات ہی اُبھر سکتے ہیں یا محبت اور دوستی کے نہیں۔

اس کتاب میں تاریخی واقعات کے بیان میں احتیاط نہیں برتی گئی ہے۔ بعض مقامات پر تو انتہائی جذباتی اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے جس سے ایک خاص فرقے کے خلاف مذہبی جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً سینھہ گڑھ کی لڑائی کے وقت ماولوں کی پست ہمتی کو دیکھ کر سوریاجی مالسرے نے للکارا:

• ساتھیو! نامردوں کی طرح کہاں بھاگتے ہو؟ میں نے قلعے کا راستہ کبھی کا کاٹ دیا ہے۔ بہادروں کی طرح لڑو،

اور دشمنوں سے بدلہ لو، لہو بہا بہا مہادیو۔" (ص ۲۷)

اس قسم کے مذہبی نعرے قومی یک جہتی کے سراسر منافی ہیں۔

مہاراشٹر کی تاریخی کتابوں میں طلبہ کو بار بار یہ ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کو زبردستی عہدوں اور دولت کا لالچ دے کر مسلمان بنایا۔ جن لوگوں نے ان کی بات کو نہیں مانا انہیں تکلیف دے دے کر مارا اور قتل کیا۔ اس سے پہلے گرو تیغ بہادر سنگھ کی مثال دی جاچکی ہے۔ مذکورہ کتاب میں سمبھاجی کے بارے میں بھی اسی طرح کا واقعہ بیان کیا گیا ہے:

"جب سمبھاجی کو گرفتار کرکے اورنگ زیب کے سامنے لایا گیا تو اس نے کہا ـــ "اگر تم مسلمان ہوجاتے ہو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی۔" سمبھاجی کو بڑا غصہ آیا اور اس نے دلیری کے ساتھ جواب دیا۔ "میری جان جائے مجھے پرواہ نہیں مگر اپنا عزیز دھرم نہیں چھوڑوں گا۔" اس جواب کو سننے کے بعد اورنگ زیب نے اسے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ اس کے بموجب سمبھاجی کو بیدردی سے قتل کردیا گیا۔" (ص ۴۴)

ساتویں جماعت کی تاریخ "اپنا بھارت" (تیسری کتاب)[1] ـــ میں

انگریزوں کی ہندوستان میں آمد سے لے کر آزادی اور دیسی ریاستوں کے انضمام تک کے واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں تمام فرقوں نے حصہ لیا ہے اس بات کو ہمارے رہنما بار بار دہراتے ہیں لیکن اس کتاب میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ملک کو آزاد کرانے میں مسلمانوں کا حصہ برائے

---

[1] ایڈیشن ۱۹۸۳ء۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

نام ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بہادر شاہ ظفر نے جو عظیم قربانی دی ہے اسے بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے بارے میں صرف اتنا ہی کہا گیا ہے کہ :

"میرٹھ کے سپاہیوں نے بہادر شاہ کو بادشاہ بنایا اور انگریزوں نے انہیں گرفتار کرکے قید کر لیا۔"

رانی لکشمی بائی، تانتیا ٹوپے اور نانا صاحب پیشوا کے کارہائے نمایاں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جب کہ اودھ کی بیگم حضرت محل، جنرل بخت خان (روہیل کھنڈ)، احمد اللہ مدراسی، اسیران مالٹا وغیرہ مجاہدین آزادی کو یکسر فراموش کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار انصاری، ڈاکٹر ذاکر حسین، حسرت موہانی وغیرہ مجاہدین حریت کی خدمات کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ راجہ رام موہن رائے، سوامی دیانند سرسوتی، سوامی ویویکانند، جیوتی با پھلے وغیرہ سماجی مصلحین کے کارناموں کو تو نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن عظیم ریفارمر سر سید احمد خان کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔

حکومت "تحریک خلافت" کو بھی جنگ آزادی کا ایک حصہ تسلیم کر چکی ہے لیکن مذکورہ کتاب میں تحریک خلافت کو جنگ آزادی سے الگ کرکے لکھا گیا ہے کہ :

"تحریک خلافت کا تعلق مسلمانوں سے تھا۔ انگریزوں نے خلیفہ کو تخت سے محروم کر دیا تھا۔ اس خبر سے ہندوستان کے مذہب پرست مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی۔" (ص ۹۶)

جس طرح مسلم مجاہدین آزادی کو نظر انداز کیا گیا اسی طرح اُن اردو اخبارات کو بھی نظر انداز کیا گیا جنہوں نے جنگ آزادی میں اہم کردار ادا کیا تھا اور جن کے ایڈیٹروں کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑی تھیں۔ آٹھویں جماعت کی تاریخ میں صفحہ ۸۰ پر قومی بیداری میں جن اخبارات نے حصہ لیا ان میں

انگریزی، بنگال، مراٹھی، گجراتی اور ہندی اخبارات کا تو تذکرہ ہے، لیکن الہلال، البلاغ
ہمدرد، کامریڈ، تہذیب الاخلاق جیسے اردو اخبارات کا ذکر تک نہیں۔ اسی کتاب میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی گئی تھی اور اہانت آمیز الفاظ استعمال کیے
گئے تھے۔ مسلمانوں کے ریاست گیر احتجاج پر نہ صرف ان الفاظ کو خارج کیا گیا بلکہ "اسلام"
سے متعلق پورے باب پر نظر ثانی کر کے اسے دوبارہ لکھا گیا اور ماہرین و علماء سے اس کی
منظوری لی گئی۔

دیگر جماعتوں کی تاریخ، جغرافیہ اور زبانوں کی نصابی کتابوں میں سے
مزید مخالف قومی یکجہتی مواد کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ کام صرف ایک
فرد کا نہیں ہے۔ اس کام کو اساتذہ کی انجمنوں اور تعلیمی و تحقیقی اداروں نیز ان لوگوں
کو انجام دینا چاہیے جنہیں اپنے ملک کا اتحاد، قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی
عزیز ہے۔

ماحصل: اس پوری بحث کا ماحصل یہی ہے کہ ملک میں بڑھتی ہوئی منافرت میں
نصابی کتابیں موثر رول ادا کر رہی ہیں۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ یہ سب کتابیں حکومت
کے خرچ سے اور حکومت کی نگرانی میں تیار اور شائع کی جارہی ہیں۔ مزید یہ کہ مرکزی
حکومت کی جانب سے بار بار یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ مخالف قومی یکجہتی مواد سے
نصابی کتابوں کو پاک کر دیا جائے گا۔ ان کتابوں کی ایسی تطہیر کی جائے گی کہ کسی فرقے
کے مذہبی جذبات مجروح نہ ہوں اور نہ کسی خاص فرقے کے خلاف نفرت کے جذبات
ابھر سکیں۔

جب بھی فرقہ وارانہ فسادات کی لہر اٹھتی ہے، قومی یکجہتی کونسل کا
اجلاس طلب کیا جاتا ہے اور ہر بار نصابی کتابوں میں درج مخالف قومی یکجہتی مواد
پر بحث و مباحثہ ہوتا ہے۔ یقین دہانیاں کی جاتی ہیں۔ NCERT ہدایت نامے
جاری کرتی ہے۔ ماہرین مختلف ریاستوں کی نصابی کتابوں کا جائزہ لے کر اپنی رپورٹیں

پیش کرتے ہیں اور ان کی روشنی میں ریاستوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ نصابی کتابوں کی اصلاح کریں۔ دیگر ریاستوں نے ان ہدایتوں پر عمل کیا یا نہیں اس کا مجھے کوئی علم نہیں، لیکن ریاست مہاراشٹر کی جن نصابی کتابوں سے میں نے قابلِ اعتراض مواد کی نشان دہی کی ہے ان میں گزشتہ ۱۱ سال سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

ایسے وقت جب کہ ملک معاشی، سیاسی، مذہبی اور لسانی بحران سے دوچار ہے، مذہب، تہذیب، زبان، علاقہ اور نسل کے نام پر علاحدگی پسندی کے رجحانات فروغ پا رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات، دہشت گردی، قتل و غارت گری میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مختلف فرقوں کے درمیان نفرت کی خلیج بڑھتی جا رہی ہے جس کی وجہ سے قومی اتحاد اور ملک کی سالمیت کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ یہ ایک زبردست چیلنج ہے جس کا ہم سب کو بہ حیثیت ہندوستانی مقابلہ کرنا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ نصابی کتابوں سے قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے منافی مواد کو فوری طور پر خارج کر کے ایک صحت مند نصاب کی ترتیب دی جائے۔ یہ نصابی کتابیں ایسی ہوں کہ جنہیں پڑھ کر طلبہ کے دلوں میں حب الوطنی، انسانیت دوستی، اخوت، بھائی چارگی، محبت، ہمدردی، انصاف، رواداری اور صداقت و احترام کے جذبات بیدار ہوں۔

تاریخ کی کتابیں ترتیب دیتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ حقائق مسخ نہ ہوں، من گھڑت واقعات نہ ہوں اور مواد اس انداز سے پیش کیا جائے کہ مختلف تہذیبی اور مذہبی فرقوں کے درمیان رنجش اور بدمزگی پیدا نہ ہو۔ پھر یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ:

- قومی یک جہتی کا مطلب یہ نہیں کہ اس ملک کی مختلف اکائیوں کو قومی دھارے میں ضم کر دیا جائے۔ ہندوستان کے مخصوص حالات کے پیش نظر قومی یک جہتی کے معنی یہ ہیں کہ یہاں جو مختلف

تہذیبی و لسانی اور مذہبی اکائیاں ہیں ان کو ایک اٹل تاریخی حقیقت
کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے اور ہر ایک کی تہذیبی اور مادی ترقی
کو فروغ دیا جائے۔ صرف اسی طرح تمام لوگوں میں باہمی یگانگت کا
احساس پیدا کرایا جا سکتا ہے۔ قومی یک جہتی کثرت میں وحدت کو ظاہر
کرتی ہے اس لیے نصاب اور درسیات میں ایسی تعلیم کا انتظام ہونا
چاہیے جو طلبہ میں مختلف تہذیبوں کو سمجھنے اور ان کی قدر کرنے کی قابلیت
پیدا کر سکے، کیوں کہ تنہا کسی ایک علاقے کے تہذیبی ورثے سے جذباتی
دل بستگی رکھنا قومی یک جہتی کے لیے مفید نہیں۔ لیکن افسوس کہ اب
تک وطن پر علاقے ہی کو فوقیت دی جاتی رہی ہے اور مختلف گروہ اور
علاقے کے لوگ صرف اپنی اپنی عظمت کی داستان ہی پر فخر کرنے
کی فکر میں لگے ہیں۔" لہ

تاریخ، سماجی علوم اور زبان کی درسیات سے یہ بات جھلکنی چاہیے
کہ ہندوستان کے مختلف فرقوں نے اس ملک کی تعمیر و ترقی اور اسے سنوارنے
میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ انہوں نے جو بھی ذہنی اور مادی چیزیں عطا کی ہیں یا (Con-
tribution) وہ سب کی سب قومی ورثے (National Heritage)
میں شامل ہیں۔ اگرچہ ماضی میں ان میں آپسی لڑائیاں بھی ہوئیں مگر یہ مذہبی لڑائیاں
نہ تھیں اور نہ ان کا مقصد مذہب کی بالادستی قائم کرنا یا مذہب کی اشاعت کرنا
تھا۔ یہ جنگیں اقتدار اور ہوسِ ملک گیری کی خاطر لڑی گئیں۔
قومی یک جہتی اور اتحاد کے لیے دلوں سے کدورت، تعصب

لہ تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر۔ از ڈاکٹر سلامت اللہ
صفحہ ۱۲۲

تنگ نظری، نفرت اور عداوت کا دور ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر درسی کتابوں میں مسلم بادشاہوں اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور عداوت کے جذبات ابھارنے والے واقعات بیان کیے جاتے رہے تو اس ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یک جہتی قائم نہ ہو سکے گی۔ اِس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ قومی یک جہتی کے موافق اور صحت مند درسی کتابیں مرتب کی جائیں۔

●● (آموزگار، جلگاؤں، نومبر، دسمبر ۱۹۸۰ء)

بھرت ڈوگرا

ترجمہ : خلیل احمد لطفان

مندروں کی تعمیر کے لیے
مسلمان حکمرانوں کے عطیات

حالیہ دنوں میں مسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں قرونِ وسطیٰ کی تاریخ میں مندروں کے انہدام کی مثالیں دی جا رہی ہیں ان مثالوں میں سے چند مثالیں صداقت سے خالی نہیں جب کہ بعض مثالیں غلط اور جھوٹ ہیں۔ صورتحال یہ ہے کہ ملک کے فرقہ پرست عناصر و افراد بہت حد تک مبالغہ آرائی سے صرف اس لئے کام لے رہے ہیں تاکہ فرقہ وارانہ احساسات کو ہوا دیں اور ہندو اور مسلمان بھائیوں کے درمیان تفریق و منافرت کی خلیج حائل کر دیں۔ یہ افراد و عناصر تاریخ کے صرف سیاہ اوراق کو پڑھتے ہیں یا پڑھنا چاہتے ہیں وہ تاریخ کی ان کتابوں کو پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے جن میں ایسی لاتعداد مثالیں موجود ہیں کہ مسلمان حکمرانوں نے ہندوؤں کے مندروں کا تحفظ کیا ہے۔ ان مندروں کو عطیات دیے ہیں اور ہندوؤں کے قدیم مخطوطات کے تراجم کرائے ہیں یا ان مخطوطات کے تراجم میں مالی تعاون دیا ہے تاکہ ان مقدس مخطوطات کے مقدس الفاظ کی اشاعت دور دور تک ہو جائے اور ان کے قارئین کی تعداد میں اضافہ ہو۔ ایسے مسلمان حکمرانوں کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ فراموش کرنا چاہیے۔

ایسی تاریخی شہادتوں کی کمی نہیں ہے جن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مندروں کی بہت بڑی تعداد کو مسلمان بادشاہوں نے جاگیریں دی تھیں، مالی امداد دیے تھے اور ان مندروں کے پجاریوں اور پروہتوں کے وظائف مقرر کئے تھے تاکہ وہ محفوظ رہیں۔

مثال کے طور پر ہمیں مغل بادشاہوں کے ان رویے اور انداز پر سنجیدگی سے نظر ڈالنی چاہیے جو انھوں نے ورنداین متھرا کے مندروں کے لیے کئے تھے۔ ہندوؤں کے یہ مندر اور تیرتھ استھان دہلی اور آگرہ سے بہت ہی قریب تھے جو مغل بادشاہوں کے مرکزی مقامات تھے اور جو ان کی راجدھانیاں تھیں۔

مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے دورِ سلطنت کے ایسے متعدد دستاویزات دستیاب ہوئے ہیں جن سے انکشاف ہوتا ہے کہ ان مغل تاجداروں کی مندروں کے بارے میں کیسی پالیسی تھی۔ یہ دستاویزات ورنداین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں موجود ہیں اور بعض دستاویزات ان مندروں میں اب بھی محفوظ ہیں جن کو ان مغل بادشاہوں نے عطیات اور

جاگیروں سے نوازا تھا۔ تارا پدا مکرجی اور عرفان حبیب نے ان مقالوں میں ان دستاویزات کے حوالے دیے ہیں جو انھوں نے
۴۸ء اور ۱۹۴۹ء میں انڈین ہسٹری کانگریس کے اجلاسوں میں پیش کیے تھے اور پڑھ کر سنائے تھے۔

عہد مغلیہ کے دستاویزات پر مبنی تارا پدا مکرجی اور عرفان حبیب کے مطالعہ اور جائزے کے بموجب شہنشاہ اکبر نے
مندروں کو دی جانے والی عطیات میں نہ صرف اضافہ کیا بلکہ اپنے فرمان مورخہ ۲۰ راگست ۱۵۹۸ء اور ۱۱ رستمبر ۱۵۹۸ء کے ذریعہ
متھرا کے تمام مندروں اور ان کے پروہتوں یا مہنتوں کو دی جانے والی تمام عطیات کی شیرازہ بندی کی جس کے بموجب مجموعی طور پر ایک ہزار
بیگھہ آراضی ورنداون، متھرا اور ان کے مضافات کے ۳۵ مندروں کو دیے گئے۔ شہنشاہ جہانگیر نے نہ صرف ان وظائف اور عطیات
کو جاری رکھا بلکہ اس میں اضافہ کیا۔ اور انھوں نے اکبر کے دیے ہوئے ۳۵ مندروں میں ۲ مزید مندر بڑھائے۔ جو اکبر نے اپنے
مذکورہ بالا دو فرمانوں کے بموجب ۱۵۹۸ء میں دیے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ۱۲۱ بیگھہ [illegible] مندر کے سیوکوں کے کنبوں کو دیے۔
جہانگیر نے ۱۶۲۰ء میں ورنداون کے مندروں کو بچشم خود جا کر دیکھا۔

مندرجہ بالا دستاویزات سے یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ مندروں کے پروہتوں یا مہنتوں کو اگر کوئی دشواری پیش آتی تھی
تو وہ مغل بادشاہوں یا ان کے اعلیٰ عہدے داروں کے پاس اپنی فریادیں لے کر آتے تھے۔ بادشاہ سلامت یا ان کے عہدے دار
عام طور پر ان کی دشواریاں دور کرنے کے اقدامات کرتے تھے اور ان کی پریشانی حل کر دیتے تھے۔
پانی دینا بند کر دیا گیا تھا۔ مندروں میں رکھے جانے والے مویشیوں پر ٹیکس عاید کر دیا گیا۔ مندر کے اردگرد سے درخت کاٹ دیے گئے،
مندروں کے مالیوں سے جبریہ کام لیا گیا۔ ان تمام باتوں کی شکایات پجاریوں یا مہنتوں یا مندروں سے وابستہ دوسرے لوگوں
نے مغل بادشاہوں یا دوسرے اعلیٰ افسروں کے گوش گزار کیں اور فوراً ہی ان تمام شکایات کا تدارک کیا گیا اور ان کے مسائل حل کیے گئے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مہنتوں نے بادشاہ یا کسی دوسرے اعلیٰ عہدے دار تک کوئی ایسی شکایت پہنچائی جس کی
کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی تھی تاہم اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا اور فیصلہ شکایت کرنے والوں کے حق میں ہوتا تھا۔ ایسے
دستاویزات بھی دستیاب ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ان مندروں کے مہنتوں یا دوسرے سنتوں کے درمیان مندر
کے سلسلے میں کوئی تنازعہ ہو جاتا تھا تو مغل بادشاہ یا ان کے مامور کردہ عہدے دار بیچ میں مداخلت کر کے اس تنازعہ کو ختم کر
اسی قسم کے ایک تنازعہ کی مثال داس رادھا بابا اور کشن چیتن کے درمیان دستیاب دستاویزات میں سے ایک دستاویز

مزید برآں ایک نہایت ہی دلچسپ اور حیرت انگیز دستاویز سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ورنداون کے موہن کے مندر
ایک شخص نے گھڑیال بجا کر پوجا یا اسی طرح کے دوسرے پوجا پاٹ کے وقت کا اعلان کیا جاتا تھا۔ حکومت کے چند عہدے دار
اسی قسم کے گھڑیال بجانے سے

بجانے کی اجازت طلب کی۔ شاہجہاں نے ۲۹ رنومبر ۱۶۳۴ء کے ایک فرمان کے ذریعہ گھڑیال بجانے کی اجازت دیتے ہوئے کہا کہ اس مندر میں وقت بتانے والے گھڑیال کو بجانے سے نہ روکا جائے۔ موجودہ اور آئندہ ہونے والے حکام یا عامل اس فرمان پر عمل پیرا ہیں اور وقت بتانے والے گھڑیال کے استعمال کو نہ روکیں اور نہ کسی قسم کی مداخلت کریں۔ اور اس فرمان پر عمل کرنے میں تاخیر نہ کریں۔ مندروں کے تحفظ و سلامتی اور دوسرے اخراجات کے لیے وظائف اور عطیات دینے کا سلسلہ اورنگ زیب کی حکومت کے دوران بھی جاری تھا۔ چنانچہ ایسے دستاویزات دستیاب ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے الہ آباد وارانسی، اجین، چترکوٹ کے مندروں کے علاوہ دوسرے مندروں کو وظائف دیے اور مالی امداد کی جس کی پوری تفصیل بشمبر ناتھ پانڈے نے دی ہے۔ وارانسی کے ایک مشہور مندر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے اس کو ڈھا دینے کا حکم دیا تھا۔ لیکن حال کی ایک شہادت سے انکشاف ہوتا ہے کہ اس مقدس مندر میں چند ناپسندیدہ عناصر نے اورنگ زیب کے ایک ہمراہی ہندو دوست کی اہلیہ کے ساتھ زیادتی کی تھی اور جب اورنگ زیب کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے مندر کو مسمار کر دینے کا حکم دیا تھا۔

ٹیپو سلطان مسلمان حکمرانوں میں ایک باوقار اور بہادر سلطان گزرا ہے۔ جن کے بارے میں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ انھوں نے متعدد مندروں کو جاگیریں عطا کی تھیں۔ جریدہ 'ینگ انڈیا' نے جس کی ادارت مہاتما گاندھی کرتے تھے یہ لکھا ہے کہ ٹیپو نے ہندو مندروں کو بڑی بڑی جاگیریں اور دوسری چیزیں یا سامان دیے تھے اور سری وینکٹ رمن، شری نیواس اور شری رنگھوناتھ کے ناموں سے موسوم مندروں کو بھی جاگیریں عطا کی تھیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ٹیپو سلطان کے محلات کے حدود میں یہ مندر واقع تھے وہ اب بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ کتنا فراخ دل بادشاہ تھا اور مذہبی تعصب سے اس کا دل کس قدر پاک و صاف تھا کہ اس نے اپنے محلات کے حدود میں مندروں کی تعمیر کی اجازت دی تھی اور ان کو جاگیریں عطا کی تھیں۔

اودھ کے نوابوں نے اجودھیا کے کئی مندروں کو جاگیریں دی تھیں اور ان کے تحفظ و بقا کے بھی انتظامات کیے تھے۔ صفدر جنگ کے دیوان نے اجودھیا میں کئی مندر تعمیر کرائے تھے اور کئی مندروں کی مرمت کرائی تھی۔ نواب صفدر جنگ نے ہنومان گڑھی مندر کی تعمیر کے لیے زمین دی تھی۔ آصف الدولہ کے دیوان نے اس مندر کی تعمیر میں مزید مالی امداد دی تھی۔

نواب واجد علی شاہ نے اس مندر کے سلسلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے تنازعہ میں ہندوؤں کی طرفداری اس لیے کی تھی کہ ان کی نظر میں انصاف کا تقاضا یہی تھا۔

شہنشاہ جلال الدین اکبر نے رامائن اور مہابھارت کے تراجم کے لیے ایک دارالترجمہ قائم کیا اور فارسی میں ان دونوں کتابوں کے ترجمے کرائے۔

یہ Poser سامنے نہیں آتا۔ اس لیے کہ ہم ادھوری سچائی سے کام لیتے ہیں۔

ہمیں Communal harmony کے Angle کو کتابوں میں ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ میں اس کا طرفدار ہوں۔ اور آخری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ stages پر بہت زیادہ نگاہ ہونی چاہیے۔ کس Level کے Student کے لیے ہم کتنی بات کہیں کہ وہ قبول کر سکے گا۔ یہ اس کے ذہن کی تعمیر میں اور ملک میں Contribute کرنے والا اچھا شہری بنانے میں مفید ثابت ہوگا۔ اور اس کی سخت ضرورت ہے۔

بہار میں جلگوں نے اس کا تجربہ کیا۔ وہ چند دشواریاں ہیں وہ میں آپ کے ساتھ Share کرنا چاہتا ہوں۔ بہار میں جلگوں نے کتابوں کا ایک Survey کیا survey کرنے کے بعد حکومت وقت کے پاس ایک وفد کی شکل میں ان باتوں کو لیکر گئے۔ دشواری اس میں دو باتوں کی آئی۔ پہلی تو یہ کہ کتابوں پر اب تک سرکار کا کوئی Control نہیں ہے۔ اسکول Minorities کے ہو سکتے ہیں، Private ہو سکتے ہیں، وہ آزاد ہیں کہ کسی بھی کتاب کو پڑھائیں اور یہ بات N.C.E.R.T. کی تیار کردہ کتابوں کے لیے بھی ہے اور State کے لیے بھی ہے۔

میرا مشورہ یہ ہوگا کہ ایک ایسا Legislation تیار ہونا چاہیے جو اس پر نگاہ رکھے۔ نتیجہ اس کا صفر نکلا حکومت نے کہا کہ صاحب ہمارے پاس ایسی کوئی قوت نہیں ہے کہ ہم ان کی کتابوں کو چھپنے سے روک دیں۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ چونکہ Education ایک Concrete list میں ہے اس لیے مرکزی ہو یا صوبائی حکومت وہ ایک ایسا Legislation تیار کرے جس کے ذریعہ یہ پابندی ہو کہ نصاب تیار کرنے کے جو بھی ادارے ہیں وہ اس کی منظوری کے بغیر کسی طور بھی نصاب سے نہ لگائی جائیں۔ اس سے کسی حد تک اس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ کمی جو آپ نے دیکھی خواہ N.C.E.R.T. ہو، S.C.E.R.T. ہو یا N.B.T.C. ہو۔ چونکہ ہمارے ذہن میں ایک ایسا نقشہ ہے کہ جس سے ایک Angle آ جاتا ہے لیکن یہاں جب تک قانون نہ بن جائے ہم N.C.E.R.T. کا سدھار (सुधार) نہیں کر سکتے، State کی کتابوں کا سدھار نہیں کر سکتے اور بغیر اس قانون کے ہم ایسی کتابوں کو اسکول میں پڑھانے سے نہیں روک سکتے ہیں۔

ڈاکٹر اخلاق اثر بھوپال:

ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ جو Early history ہے اس میں ہندو مسلم Factor تھا لیکن صرف ہندو مسلم Factor نہیں تھا۔ اس کو اگر ہم Highlights کریں تو بہت سی باتیں صاف ہو جاتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ N.C.E.R.T. کی جو Text books ہیں وہ Ideal ہیں اور States سے کہا جائے کہ وہ اسی Frame پر اپنی کتابیں تیار کریں۔

ساتویں صدی میں دکنی سلطنت کے شاہ عادل شاہ نے شہنشاہ اکبر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا اور اس کتب خانہ کی نگرانی کے لیے سنسکرت کے ایک اسکالر واما پنڈت کی تقرری کی۔ عادل شاہ کے جانشین ابراہیم عادل شاہ نے جن کو غریبوں کا دوست کہا جاتا تھا اور جن کو ان کی عدل گستری، غریب پروری اور منکسر المزاجی کی وجہ سے نوشیرواں ثانی کہا جاتا تھا، انھوں نے اپنی بیشتر نظموں میں ہندوؤں کی علم کی دیوی کے گیت گائے تھے۔ مزید برآں انھوں نے چند ہندو تیرتھ استھانوں کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

۱۵ ویں صدی کے دوران کشمیر میں شاہ زین العابدین نے اپنے پیش رو کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے فرار ہو جانے والے اور اپنے اپنے گھروں کو خیرباد کر کے چلے جانے والے ہندوؤں کو واپس لانے کے لیے اپنے خصوصی ایلچی بھیجے اور ان کی بازآبادکاری کی۔ فارسی زبان کے ساتھ ساتھ سنسکرت پر بھی ان کو عبور تھا۔ انھوں نے اپنشد کا فارسی میں ترجمہ کرایا اور ہندوؤں کے تیوہاروں میں آزادی اور دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے تھے اور کئی مندر بھی تعمیر کرائے تھے۔

بنگال میں سلطان ناصر شاہ اور سلطان حسین شاہ نام کے پٹھان بادشاہوں نے بھی مہابھارت اور بھاگوت پران کا ترجمہ بنگالی زبان میں کرایا تھا۔ (قومی آواز ۲۶ر نومبر ۱۹۹۳ء)

●●

نصابی کتابیں

چند مشورے

جناب حبیب اللہ اعظمی، لکھنؤ

جو کتابیں ابھی نصاب میں پڑھائی جا رہی ہیں اگر ان کا سلسلہ جاری رہا تو ملک میں ایک بڑا انتشار پیدا ہو جائے گا
اس ماحول میں اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے یہاں بچوں کو Tender age تعلیم کس طرح کی دیں۔ آج
عام طور پر یہ ہو رہا ہے کہ بچے کسی Individual کی زندگی کے بارے میں یا راجا مہاراجا کے بارے میں پڑھنے سے بھاگنے
لگے ہیں اور سائنس کی طرف زیادہ رجحان ہے۔ تو آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پڑھانے میں اس بات پر زیادہ زور دیں
کہ Life of people کیا تھیں، کیا ہیں اور کم از کم سکنڈری level میں تو انہی کی معاشی حالت بھی پیش کرنی
چاہیے۔ دوسری چیز جو ہمیں کھٹکتی ہے کہ History میں Distortion جو مذہب کے بارے میں، یا خلفائے راشدین
کے بارے میں نظر آتی ہیں وہ بھی عجیب ہیں۔ ان کی دو وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ اپنی کم جانکاری کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں اور دوسرا
وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں۔ کیونکہ میرے کچھ ساتھی ایسے رہے ہیں کہ جنھوں نے حضرت محمدؐ کو کہا کہ وہ "ریت دیوتا" ہیں تو
ان کے ذہن میں Prophet کے وہ معنی ہیں جو اسلام میں Prophet کے معنی نہیں۔ تو یہ ان کے نہ جاننے کی وجہ سے بھی
ہو سکتا ہے۔ اس لیے Text Book Committies کو یا N.C.E.R.T. کو یا S.C.E.R.T. کو یہ چاہیے کہ جب
وہ Prophet اسلام یا کسی بھی دھرم خواہ عیسائی کے بارے میں لکھتے ہیں تو اس کے جو ماہرین ہیں ان سے رجوع کریں یا ان کی
Advisory Board بنا کر اس چیز کی Screening کرائیں کہ وہ لوگ جو نصاب تیار کر رہے تھے اس میں کوئی
Factual mistakes تو نہیں ہو رہے ہیں جیسا کہ ہم نے اپنے پیپر میں اشارہ کیا تھا کہ Prophet کی والدہ کا نام، ان کے چچا
کا نام غلط دیا ہوا ہے۔ تو اس طرح کے جو Factual mistakes ہیں وہ نہیں آنے چاہئیں۔ تیسری چیز جو میں آپ کے سامنے
چاہتا ہوں بلکہ Challange ہے کہ ہندوستان ایک Technical stage میں داخل ہونے جا رہا ہے جسے آپ کہہ
سکتے ہیں کہ Computer age میں جا رہا ہے۔ تو جہاں اس کی ترقی کے لیے Science کے میدان میں بہت نعرے لگائے
جاتے ہیں یا کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اسی طرح Historians کے اوپر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اگر وہ تاریخ کی کتابوں
کو صحیح Prospectus نہیں پیش کرتے ہیں تو ملک کے برباد ہونے میں ان کی سب سے بڑی ذمہ داری ہوگی اور یہ
Science اور Computerisation سب بیکار رہے گا۔

ڈاکٹر وصی احمد، صدر شعبہ جغرافیہ، کامرس کالج، پٹنہ

میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ Histories میں جو Distortions ہیں اس کے اسباب کیا ہیں اور اس سلسلے میں بہار میں جو ہم نے تجربہ کیا، کتابوں کو یکجا کر کے اس میں کیا کیا دشواریاں ملتی ہیں جہاں تک Sources کا تعلق ہے اس میں History کو جو دیکھنے کا موقع ملا اس میں کچھ بنیادی خرابیاں ہیں کیونکہ عموماً ہم لوگ History لکھنے کی بجائے بادشاہوں کی History لکھتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم Composite culture کی بجائے ایک Culture کی بات کرتے ہیں۔ ہندی، ہندو، ہندوستانی دا نظریہ کرتے ہیں جو یہ Composite culture کا Back ground میں چلا جاتا ہے تو اگر ایک History میں ہمارا Perspective ہو composite culture دینے کا جو کہ نہیں ملتا ہے تو اس سے دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔

اس ملک میں ۱۸۷ زبانیں بولنے والے اور ۲۳۵ ٹرائبس (Tribes) رہتے ہیں۔ لیکن یہ جو Variety ہے اس کی بجائے اسے آریا اور غیر آریا یا ورسز مسلم جیسا ہی کچھ پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے بنیادی طور پر ایک Angle پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ ملک صرف آریاؤں کا ہے۔ اور ہم بھول جاتے ہیں کہ ہندوستان کے ان تمام شمال، مشرقی علاقوں میں جہاں کہ Mongolides رہتے ہیں۔ اس ملک کے دکھنی علاقے میں Paris Ostrolides رہتے ہیں۔ اس کے درمیانی علاقے میں اوراؤں سے لیکر Chotanagpur تک دوسرے Tribes رہتے ہیں۔ اس طرح سے آپ دیکھیں گے کہ ہم National History کے بجائے ہم Indo-gajetic Valley History پر زیادہ Concentrate کرتے ہیں تو ہندوستان کے جو مختلف علاقے ہیں اور خان صاحب نے یہ سوال کیا تھا لیکن اس کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ Regional History اگر ہم لکھیں گے تو صرف Regional تصویر سامنے آئے گی اور National تصویر شاید Back ground میں چلی جائے لیکن جب National History ہم لکھتے ہیں تو Indo-Creatic valley تک ہم کیوں نہیں جاتے۔ جیسے پورے علاقے کو Cover کرنا چاہیے۔ اس طرح Bad issues ہوئے وہ صرف دو Communities کے Battle project کے طور پر کیوں Concentrate کیے جاتے ہیں۔ آپ رانا پرتاپ کی جو لڑائی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھ دیں کہ رانا پرتاپ کی فوج میں اکبر کی فوج سے زیادہ پٹھان تھے اور اکبر کی فوج میں رانا پرتاپ کی فوج سے زیادہ راجپوت تھے تو آپ کے بچے کے ذہن میں یہ بات آجائیگی کہ یہ دو راجاؤں کے بیچ کی لڑائی تھی کبھی ہندو مسلم کے بیچ کی لڑائی نہیں تھی۔ تو یہ جو Composition ہمارا ہوتا ہے وہ Conflict between two communities میں بدل جاتا ہے جب کہ یہ conflict Between two state powers یا دو راجاؤں کا تھا

بھی ہوتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ کتاب دیکھ لیں۔ اورنگ زیب کی حکومت کے زوال کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کی حکومت میں ہندو مسلم کے بجائے اختلافات کے ہندوؤں اور خود اس کے ننہیال کے ممتاز محل کے خاندان کے لوگ زیادہ تھے

Initial period میں ایسا ہے کہ ہم باقاعدہ Buddhist period کو نہیں مانتے۔

ڈاکٹر ظہیر الدین ملک، علی گڑھ:

کل سے اب تک جو اقتباسات اور Abstract ملک کے مختلف کونے سے سننے میں آئے ہیں، بہار، یوپی، گجرات، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش اور دوسری جگہوں سے اس سے سرکار کا ایک Common pattern of behavior اور ایک ہی طرح کا Common factor نظر آتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس Pattern کے پیچھے کیا Moti vation ہے۔ یا ایک Motivate policy کے ماتحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے یا Detoriation of facts یا History کے تحت سے ہو رہا ہے۔ اس کا پتہ چلانا ضروری ہے پھر یہ بات ہے کہ اس کی جو وجہ ہے وہ Commu nalism ہے اور بغیر Communalism کے یہ Pattern ممکن نہیں ہے۔ ایک صوبہ میں ہو سکتا ہے، دو صوبے کے اندر ہو جائے یہ بات ذہن میں آتی ہے، لیکن پورے ملک کے اندر ایک قوم کو ایک برادری کو اس صورت سے بدنام کرنا تاکہ یہ نفرت ختم نہ ہو اس صورت سے بچوں کے ذہن میں زہر ڈالا جا رہا ہے اس کی کوئی سیما ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس پر Socio Economic کا اثر ہے۔ مذہب اس کا کاٹ نہیں ہونا چاہیے۔ جو History کو Distort کر کے پیش کر رہے ہیں ان کا مقصد ان کے مذہب کو بدلنا نہیں، اس مذہب کو ختم کرنا نہیں ہے بلکہ ان کی نفرت سے ان Socio Economic problem کو جو اپنے Fever میں چاہتی ہیں ان کو لانا ہے اور اس کی جو Basis ہے وہ اقتصادی ہے۔ Social basis ہے۔ اس Communalism کی Basis مذہب نہیں ہے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ کتابوں میں اس کیا لکھیں اور کیا پڑھایا جاتا ہے۔ میں تیس سال سے پڑھا رہا ہوں اور Examiner بھی رہا ہوں بس بہت مثال دوں گا۔ کشمیر کے اندر ایک یونیورسٹی ہے سری نگر، اس کے History کے اساتذہ سے میری ملاقات ہے۔ میں ان کو کس صورت سے وہ پڑھاتے ہیں بہت اچھے قابل لوگ ہیں اور وہ مجبور ہے ہیں کہ کس طرح سے پڑھایا جائے Io میں ان کے پڑھانے کا۔ وہاں اکثریت مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کی ہے ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ Examiner لیکن جہاں کہیں بھی اورنگ زیب پر سوال دیا ہے وہاں اس کا جواب اسی جملے سے شروع کیا ہے کہ "اورنگ زیب بت شکن مسلمان ہندوؤں کا دشمن" وہ یہ لکھتے ہیں جس میں زیادہ تر تعداد مسلمانوں کی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ Destortion of Histor اتنا Deep rooted ہو گیا ہے کہ پورے ملک کے اندر ہر بچے کے اندر چھا جاتا ہے

کسی طرح پڑھائیں لیکن وہ جیب پر نوٹس کے سہارے یا شاید اس لیے کہ Examiner خوش ہو جائے گا وہی لکھ دے گا۔
تو میری گذارش یہ تھی کہ ہم جو Historians ہیں ہم اپنے Juriadiction کے اندر جہاں تک ہم سے ہو سکے
کام کریں لیکن وہاں اتنی کامیابی نہیں ہوگی جب تک کہ اس سے زیر بحث Basis ، Socio Economic
ہے لیکن اس نے مذہب کا رنگ اختیار کر لیا اس کے طریقے کو اپنے بس میں نہیں کر لیں گے وہ Leaders کے کلاس میں ہیں جو
نہیں چاہتے ہیں کہ سب قومیں مل کر بیٹھیں ورنہ ان کی ذاتی مفاد پرستیوں میں آنچ آجائے گی۔ بلکہ یہ کہ سترہویں اور
اٹھارہویں صدی کا جو Indian Persian Litterature ہے انڈیا کا اس کے اندر Indian society
کا جو Study fiction ہے اس کی تقسیم مذہبی بجائے مسلمان Historians نے نہیں بتائی ہے بلکہ وہ مغل،
افغان، راجپوت اور بندیلا یعنی Racial Studyfication ، مسلم Students نے 16th and
17th Century میں کیا ہے۔ یا اسکے پہلے کی جانکاری مجھے نہیں ہے تو وہ لوگ بہت زیادہ سیکولر تھے اور اب
ملکانی نے جو Acts organisation کے Reader ہیں، Biju Patnaik نے جیسے کرایا ہے وہ بھی اب
اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ پھر ہم Indians کو اٹھارہویں صدی کی طرف جانا چاہیے جیسے ہم لوگ پہلے رہتے ہیں۔

صدر جلسہ کے تاثرات

حضرات یہ بحث کافی طویل ہو چکی ہے اس لئے میں چاہوں گا کہ اپنی بات مختصر کر کے جلسے کو ختم کرنے کا اعلان
کر دیا جائے۔ تاریخ کے اساتذہ یہاں موجود ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ میں سے کچھ بھی ہیں یا نہیں چلے جائیے
پیچھے میوزیم ہے اس میں بہت سی چیزیں ہیں۔ ممکن ہے ادھر اسمیں بہت سی چیزیں جوڑ دی گئی ہوں۔ ان میں کچھ Oil
paintings ہیں جن میں ہندوستانی حکمرانوں کے مسلم مظالم کی داستان بیان کی گئی ہیں اور جسطرح وہ تصاویر دکھائی
گئی ہیں جس طرح ان کی نمائش کی گئی ہے آپ سکھ نہیں بھی ہیں تو بھی آپ کا خون کھول جائے گا۔ میرا خون کھول گیا تھا۔
میری بیوی اور میرے بچے تھے میں اسے دیکھ کر آگے بڑھ گیا تاکہ وہ نہ دیکھ سکیں میں اسے پہلے دیکھ چکا تھا۔ ادھر کوئی
جوڑی ہیں جو ادھر ہوئی ہیں۔

چلے جائیے متھرا، متھرا میں ایک مندر ہے۔ Sri Krishna Guest House کئی دنوں مجھے وہاں رہنے
کا اتفاق ہوا اور کئی دنوں تک میں نے اس مندر کو دیکھا۔ حالانکہ میں تاریخ کا آدمی نہیں ہوں میں نے صرف school
Level تک History پڑھی لیکن اس کے بعد میں نے History نہیں پڑھی۔ وہاں جو ایک مندر تعمیر کیا جا رہا ہے

مندر ضرور تعمیر کیا جائے لیکن اس کے اندر جو ایک اسکول قائم ہو رہا ہے اور اس کا جو ایک مقصد ہے اس پر آپ لوگوں کی نگاہ ہونی چاہیے اور History کا جسطرح Distortion ہو رہا ہے صرف دانستہ دکھا کر اس کی اصلاح نہیں ہوگی۔ فضا میں زہر گھلا ہوا ہے اس مسموم فضا کو آپ کس طرح پاک و صاف کریں گے ہم نہیں جانتے۔ لیکن بہر حال آپ کا ایک بڑا حصہ ہے آپ سوچ سکتے ہیں۔ کچھ دن پہلے آپ کو یاد ہوگا کہ جب مشرقی پاکستان کا سقوط ہوا اس سے پہلے مشرقی پاکستان، بنگلہ دیش بننے سے پہلے کی بات کر رہا ہوں اور جب لڑائی چھڑی تو صرف بنگالی تھے جو اگرچہ مسلمان تھے لیکن انھیں ہم مسلمان نہیں مانتے تھے انھیں کافر سمجھتے تھے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم کیا سوچتے ہیں۔ ہمارے سوچنے کا یہ انداز کیا ہے۔ تاریخ میں جائیں، نصابی کتابوں میں بجان بوجھ کر ذکر کیا گیا ہے۔ دیوی درگا بغیر کپڑوں کے ہے۔ اسے وہاں سے نکال دینا چاہیے، لیکن کسی ہندو سے یہ کہیے کہ ہم اپنے پیر، فقیر کو جس طرح دیکھتے ہیں وہ اس کی طرح دیکھے، اسی طرح بات کرتے یہ مشکل ہے۔ ابھی ایک صاحب اپنا پیپر پڑھ رہے تھے جب رسول کی بات آئی تو اٹھ گئے "صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پڑھا اور کہا چوک ہوگئی۔ کیوں چوک ہوگئی۔ لیکن وہی بات اگر شیر سنگھ کریں گے تو زبان زدگی قرار دیے جائیں گے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ انداز بدلیے۔

آپ اور ہم مسلمان ہیں۔ آپ لا اکراہ فی الدین کے ماننے والے ہیں۔ لیکن ہم کس طرح اہانت کرتے ہیں دوسرے مذہب والوں کی، وہ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے، اچھے کی نہیں ہوتیں، میں بھی نہیں کہوں گا۔ میں آپ سے معافی مانگتا ہوں" آپ تاریخ کے بڑے عالم لوگ ہیں اور میں نے آپ کے سامنے زبان کھولی ہے۔

●●